
مرقع
مرتبہ
وصل بلگرامی

مرقع کے قواعد وضوابط

۱ - مرقع حتی الامکان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ تک شایع ہوا کریگا -

۲ - مرقع کی قیمت عام خریدارون کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصولڈاک مقرر ہے جو پیشگی وصول ہونا چاہیے -

۳ - مرقع کا نمونہ بغیر ۸/ نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہوسکتا -

۴ - مرقع کی قیمت روسا، ودیگر معزز اصحاب اور اُس کے مربیون سے اُن کی ہمت افزائی پر منحصر ہے -

۵ - جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ کا آنا لازمی ہے -

۶ - خط وکتابت کے سلسلے مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے -

۷ - رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آجانا چاہیئے -

۸ - کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرسکے

۹ - تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہون گے جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہون گے -

۱۰ - مرقع کو موجودہ پالیٹکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا

۱۱ - تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہون گے - مگر وہی جنمین خلوص ہوگا - باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا -

۱۲ ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہ ہونگے

۱۳ - جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان لغت یا فن کی غلطیان ہون گی اُسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اُسکی مناسب ترمیم اطلاع ہلنے پر خود صاحب مضمون نہ کردین -

۱۴ - مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشا اللہ کبھی دل آزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا -

۱۵ - مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا - وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون، یا اہل اخبار اتفاق اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا - اور انشا اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا -

مُدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخ ملاحظہ فرمائیے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	ـــہ/	صــہ/	عــہ/
چھ ماہ کے لئے	صــہ/	عــہ/	عــہ/
تین ماہ کے لئے	عــہ/	عــہ/	ـــے/
ایک ماہ کے لئے	ـــے/	صہ/	ـــے/

ضروری نوٹ

ٹائٹیل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہوسکتا ہے - اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

منیجر "مرقع" لکھنؤ

مرقع کے قواعد و ضوابط

۱- مرقع ہر انگریزی مہینے کی [illegible] تاریخ کو شایع ہوا کریگا۔

۲- مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ [illegible] محصول [illegible] جو پیشگی وصول ہونا چاہیے۔

۳- [illegible] نقد وصول ہوئے روانہ نہیں ہو سکتا۔

۴- مرقع کی قیمت [illegible] دیگر [illegible] اصحاب اور [illegible] سے [illegible]

[illegible] ہے۔

۵- [illegible] کے جواب کا آنا لازمی ہے۔

۶- [illegible] نمبر [illegible] ضروری ہے

۷- [illegible] تک آجانا چاہیئے

۸- [illegible] بااخلاق [illegible] اثر پیدا کر سکے

۹- [illegible] مضامین نظم و نثر [illegible] ہوں گے جو اپنی خوبی [illegible] اپنے اثرات کے لحاظ سے بہت [illegible]

[illegible] ہے۔

۱۰- [illegible] مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا

۱۱- تنقیدی مضامین بھی اسمیں شایع ہوں گے- مگر وہی جنمیں [illegible] ہوگا- باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا-

۱۲- ایسے مضامین جنمیں کسی [illegible] ہو یا اسمیں [illegible] الفاظ ہوں جن سے [illegible] ہرگز شایع نہیں [illegible]

۱۳- جس نظم و نثر کے مضمون میں زبان لغت یا فن کی [illegible] اس وقت تک شایع نہ ہوگا جب تک [illegible]

[illegible] خود صاحب مضمون [illegible] نہ کر دیں

۱۴- مرقع کا [illegible] سلسلہ [illegible] بھی [illegible]

[illegible] نہ ہوگا-

۱۵- [illegible] اپنے [illegible] خواہ وہ [illegible] ہوں [illegible] اتفاق [illegible] پیدا کرنے کی کوشش [illegible] ثابت قدم رہیگا-

مدیر مرقع لکھنؤ

مرقع میں اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخ ملاحظہ فرمائیے)

مدت	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
[illegible] کے لئے	[illegible]	[illegible]	[illegible]
چھ ماہ کے لئے	[illegible]	[illegible]	[illegible]
تین ماہ کے لئے	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ایک ماہ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اس کے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے- اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

منیجر "مرقع" لکھنؤ

عالیجناب معلی القاب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ (حیدر آباد دکن)
کے دست و قلم مبارک کی لکھی ہوئی تحریر کا عکس
(یعنی عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر کا اظہار صحیفہ اچھے بنام بدست
جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی کے نام)



HYDERABAD,
DECCAN

۲ دسمبر ۲۶ء

ناظم صاحب - مرقعے میں دیکھتا ہوں پرچہ اچھا ہے
لیکن ظاہری و باطنی ترقی کی گنجائش ہے - طباعت اور
صاف ہونا چاہیئے - ادبی مضامین کا معیار زیادہ بلند
رہے تو اچھا ہے -

سالار جنگ

قیمت سالانہ مع تصاویر ولایتی پانچ روپیہ

فہرستِ مضامین جنوری ۱۹۲۸ء

نمونے کا پرچہ ۱۲ آنے
افسانہ نمبر کی قیمت [illegible]

(۱) عکسِ تحریرِ گرامی عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ (حیدر آباد دکن) } منتخص
(۲) مرقع - وصل بلگرامی ۲
(۳) عکسِ تحریر جناب مولانا آغا شاعر لکھنوی } صفحۂ خاص
(۴) عکسِ تحریر جناب مولوی شبیر احمد علوی بی اے } صفحۂ خاص
(۵) تحریر دست و قلم خاص جناب منشی پریم چند صاحب بی اے } صفحۂ خاص
(۶) تحریر دست و قلم خاص جناب عبد الرحمٰن صاحب } صفحۂ خاص
(۷) افسانے کی اہمیت مولانا آغا شاعر لکھنوی ۹
(۸) فکرِ رسا (غزل) جناب قاضی احمد الیاس صاحب اوہمی بی اے وکیل ۱۰
(۹) افسانہ کیا ہے ؟ مولوی شبیر احمد علوی - بی - اے ۱۱
(۱۰) مزار آتشیں (فسانہ) منشی پریم چند صاحب بی اے ۱۷
(۱۱) روح جسم سے جدا ہونے کے بعد (فسانہ) حضرت نیاز فتحپوری ۲۴
(۱۲) ہنس کی چال (فسانہ) جناب سدرشن صاحب ۳۱
(۱۳) کلام آخر (غزل) جناب خان صاحب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی - بی - اے ۳۸
(۱۴) عکسِ تحریر جناب مجنوں گورکھپوری -
(۱۵) تحریر دست و قلم خاص جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں - ایم - اے - ایل - ایل بی وکیل
(۱۶) عکسِ تحریر جناب مولانا احسن مسیحی نائب مدیر رسالہ "زمانہ" کانپور
(۱۷) تحریر دست و قلم خاص جناب بابو رگھوپت سہائے صاحب فراق بی - اے - گورکھپوری
(۱۸) شکستِ بے صدا (فسانہ) جناب مجنوں گورکھپوری ۳۹
(۱۹) جذباتِ کیفی (غزل) جناب علامہ کیفی چریا کوٹی ۵۸
(۲۰) قبرستان کے کتبے (فسانہ) جناب رواں - ایم - اے ایل - ایل - بی - وکیل ۵۹
(۲۱) تین بلبیان - (فسانہ) جناب مولانا احسن مسیحی ۶۳
(۲۲) روحِ سخن (غزلیات) جناب محمود الہ آبادی و جناب ... ۷۲
(۲۳) گوپال اور چرواہا (فسانہ) جناب فراق گورکھپوری بی اے ۷۳
(۲۴) تحریر دست و قلم خاص جناب آفسر میرٹھی - بی - اے - } صفحۂ خاص
(۲۵) تحریر دست و قلم خاص جناب پروفیسر راما گیان دویدی ایم اے } صفحۂ خاص
(۲۶) عکسِ تحریر جناب جلیل قدوائی - بی - اے } صفحۂ خاص
(۲۷) عکسِ تحریر جناب سری کرشن صاحب برق کانپوری } صفحۂ خاص
(۲۸) دوا کی قیمت (فسانہ) جناب آفسر میرٹھی - بی اے ۷۷
(۲۹) بہشت کا گناہ (فسانہ) پروفیسر راما گیان دویدی ایم اے ۷۹
(۳۰) افکارِ تائب (غزل) جناب عبد الرشید صاحب تائب میرٹھی ۸۱
(۳۱) نوحۂ مظلوم (فسانہ) جناب جلیل قدوائی - بی اے - ۸۲
(۳۲) رشحاتِ ناظم (غزل) جناب امیر الانشا دبیر الملک مولوی سید علی اصغر صاحب ناظم - ٹونک - ۸۶
(۳۳) میں اکیلا ہوں (فسانہ) جناب بابو سری کرشن صاحب برق کانپوری ۸۷
(۳۴) پھولوں کی ڈالی (نظم) جناب محمود اسرائیلی صاحب ۹۲
(۳۵) تخم تاثیر صحبت کا اثر (فسانہ) جناب سید ممتاز حسین صاحب جونپوری ۹۳
(۳۶) عکسِ تحریر جناب بابو شیام کشور صاحب نور کانپوری } صفحۂ خاص
(۳۷) عکسِ تحریر جناب حامد جمال صاحب } صفحۂ خاص
(۳۸) عکسِ تحریر سریمتی اما نہرو صاحبہ } صفحۂ خاص
(۳۹) عکسِ تحریر جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ - } صفحۂ خاص
(۴۰) سوشیلا (فسانہ) جناب نور کانپوری ۱۰۳
(۴۱) خدا حافظ (فسانہ) جناب حامد جمال صاحب ۱۰۶
(۴۲) اسنہلتا (فسانہ) سریمتی اما نہرو صاحبہ ۱۱۲
(۴۳) کشتگانِ محبت (فسانہ) جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ ۱۱۹
(۴۴) لمعاتِ سنبھل (غزل) جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی سنبھل مرادآبادی - ۱۲۷
(۴۵) نقد و تبصرہ (دنیائے فسانہ اور سیرِ گل پر ریویو) وصل بلگرامی ۱۲۸

جلد (۳) مرقع نمبر (۱)

مرقع کے دورِ حیات کا یہ تیسرا سال ہے، دل چاہتا ہے کہ اسکے مرقعِ حیات پر ایک سیر حاصل تبصرہ کرون لیکن

گوش سخن شنو، کجا دیدۂ، اعتبار کو

پھر بھی اتنا عرض کرنے کی جرأت کرون گا کہ جن مقاصد کو پیش نظر رکھکر مرقع کا اجراء عمل مین آیا تھا، اس مختصر مدت مین اُنہین نظر انداز نہین کیا گیا" بلکہ حصول مقصد مین اسکا قدم آگے ہی بڑھتا رہا، اگر اس عرصے مین اسکا معیار بلند نہین ہوا جسمین مجھے شک ہے، تو یہ تو یقین اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کہین سے پست بھی نہین ہونے پایا، اگر ناظرین نے یہ محسوس کیا ہو تو بھی میرے لئے عین کامیابی ہے' مین یہ سمجھون گا کہ میری مساعی مشکور ہوئین اور میری کوششین بار آور، بعض مقاصد جو مرقع کے اجرار کے وقت پیش نظر تھے وہ اب دو سال کی مسلسل کوششون کے بعد پورے ہوتے دکھائی دے رہے ہین مرقع کے قواعد و ضوابط کی چودہوین دفعہ یہ ہی کہ "مرقع" کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاءاللہ کبھی دل آزار ثابت نہ ہوگا" اس قاعدے کے پابندی کا نتیجہ آج اس لاجواب افسانہ نمبر کی صورت مین پیش ہے جسکو خصوصیت کے ساتھ آپ اس مسلک کا صحیح مرقع پائین گے، اسمین اگر ایک طرف آپ نیازؔ، مجنونؔ، حسنؔ، افسرؔ، جلیلؔ، نذر سجاد حیدرؔ ایسے مسلمان مسلم الثبوت اور نامور افسانہ نگارون کے شاہکار ملاحظہ فرمائین گے تو دوسری جانب انہین کے دوش بدوش پریم چند، سدرشن، رواںؔ، فراق، برقؔ، اما دیوی ایسے مستند اور مشہور ہندو افسانہ نویسون کی سحر طرازیون کے نقوش بھی پائین گے، اس تقابل کی یہانتک کوشش کی گئی ہے کہ اس نمبر مین آپ ہندو اور مسلمان افسانہ نگارون کی تعداد مساوی پائیں گے "مرقع" کے صلح کل، غیر دل آزار، غیر متعصب (اور اتفاق و اتحاد کے حامی) ہونے کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے'۔

اس افسانہ نمبر کی ترتیب مین ہمین جو کوشش کرنا پڑی ہے اسکا اندازہ کچھ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ہمنے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ہندو اور مسلمان افسانہ نگارون کے تعداد ہر حال مین مساوی ہو، افسانے کثرت سے آئے، لیکن زیادہ تر مسلمان صاحبان کے، ہندو صاحبان کے صرف دو افسانے آئے، ہم بھی لکھوانے اور منگوانے پر، مگر اس کوشش کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ اب ہمارے ہندو افسانہ نگار حضرات کے افسانے

آنے کی زیادہ امید ہو گئی، جنہون نے افسانے نہین لکھے ہین اور وہ لکھ سکتے ہین اُنکی نسبت یقین ہے کہ وہ لکھنے کی کوشش کرینگے اور اشاعت کے لئے بھیجین گے، اسطرح اب ہندو افسانہ نگارون کی تعداد بہت کافی ہوجائے گی، اہل جرائد کو خاص کوشش کرنا چاہیے، کہ ہندو اور مسلمان مضمون نگارون کے تعداد اُنکے رسایل مین برابر یا اُسکے قریب قریب ہو یہ اتحاد و اتفاق کا ایک خاص ذریعہ ہے۔

اس سلسلے مین سب سے بڑی دقت سے جو مجھے دوچار ہونا پڑا وہ یہ تہا کہ جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ کا افسانہ آچکا تہا، اب تلاش ہوئی کہ کوئی مشہور افسانہ نگار ہندو خاتون بھی ملجائین، تاکہ تقابل برقرار رہے، یہ مشکل نہ حل ہوتی اگر جناب ڈاکٹر تارا چند صاحب سکریٹری ہندوستانی اکاڈیمی صوبۂ متحدہ کی نوازش میرے شامل حال نہ ہوتی، موصوف کی وساطت سے مین جناب اُما دیوی نہرو صاحبہ (مسز شیام لال نہرو) سے ایک افسانہ حاصل کرنے مین کامیاب ہو گیا، ناانصافی ہو گی اگر مین موصوفہ کے اخلاق و کرم کا شکریہ ادا نکرون جس لطف و عنایت کے ساتھ آپنے اپنا افسانہ بھیجکر اپنی وسیع الاخلاقی اور ہمدردی کا ثبوت دیا وہ بھول نہین سکتا، مین ہر دو اصحاب کا رہین منت ہون۔

پرچے کی کتابت مین بعض افسانون کے بدیر آنے اور چند مجبوریون سے تاخیر ہو ہی گئی، میرے لئے عذر گناہ، بہتر اعتراف گناہ، ہی ہے لیکن مین یہ یقین دلاتا ہون کہ جس محنت و کاوش سے یہ پرچہ مرتب کیا گیا ہے اس پر غور کرنے اور پرچہ دیکھنے کے بعد آپ میرے جرم تاخیر کو بھول جانے پر مجبور ہوجائین گے۔

پرچے کے بدیر نکلنے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ جناب سردار موہن سنگھ صاحب دیوانہ ایم اے پروفیسر سناتن دہرم کالج کانپور کا ایک افسانہ مکتوب ہو کر مطبع مین جا چکا تہا کہ ہمین معلوم ہوا کہ افسانۂ مذکور مین بعض شخصیتون پر عریان حملے کئے گئے ہین، یہ معلوم کرکے ہمین بیحد افسوس ہوا اور کاپیون کو پریس سے منگا لینا پڑا، اسی کے ساتھ جناب شاہ نذیر صاحب ہاشمی غازی پوری کا افسانہ جسکی کاپیان بھی جناب دیوانہ کے افسانے کے ساتھ پریس مین جا چکی تہین روک لی گئین کیونکہ جناب دیوانہ کے سوا کسی دوسرے ہندو افسانہ نگار صاحب کا افسانہ موجود نہ تہا، اس ایک افسانے کی وجہ سے دوسرا افسانہ بھی نہ شایع ہو سکا اور اکثر کاپیون کی ترتیب از سر نو کرنا پڑی، مالی نقصان برداشت کرنا پڑا، ہمین امید ہے کہ ہمارے افسانہ نگار حضرات آیندہ ایسے امور سے محترز رہین گے جسمین ہر طرح سے مصنف، طابع اور ناشر سب کا نقصان ہی نقصان ہے، علاوہ برین اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی یہ فعل محمود و مستحسن نہین، ہم یقین کرتے ہین کہ جناب دیوانہ بھی ہماری اس تحریر پر کافی غور فرمائین گے اور ہماری معذوریون کو دیکھکر ہم سے آزردہ خاطر نہونگے۔

ان واقعات، ان مجبوریون کو دیکھتے ہوئے قدردان مرقع یقین ہے کہ مجھے تاخیر کے بارے مین بالکل معذور سمجھین گے اور ممکن ہے کہ کسی حد تک آئندہ پابندی اشاعت کا وعدہ بھی اُنکی خفگی کو دور کر سکے۔ لکھنؤ لاہور نہین ہے نیرنگ خیال، عالمگیر، قوس قزح ہمایون، اپنے اپنے سالنامہ اور سالانہ نمبر جس بدہ زیب کتابت، طباعت، دلکش مصوری کے نمونون اور ایک خاص شان کے ساتھ

نکلے ہین وہ یہان ابھی ممکن ہین، لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اپنے افسانون کے لحاظ سے ممکن ہے کہ یہ نمبر اپنے کسی معاصر سے کم نہ ثابت ہو اور اس طرح لاہور سے لکھنؤ بھی شاید کم نہ رہے ۔

بہرحال اگر یہ نمبر آپ کو پسند آئے تو اسکی کامیابی کا سہرا محض میرے سر نہ رکھئے بلکہ ان اصحاب کی جنبش قلم کا شکرگزار ہونا چاہیے جنکے افسانون نے اس نمبر کو افسانہ نمبر بنایا اور مین بھی اس اظہار تشکر مین آپ کا ہمنوا ہون گا ۔

اگر آپ اینده سے مرقع مین اس نمبر کی طرح صرف افسانے ہی افسانے دیکھنا چاہتے ہین تو کیا آپ تکلیف کر کے ایک کارڈ لکھکر مجھے اپنی قیمتی رائے سے مطلع کر دین گے ۔ بہرحال یہ امر آپ کی مرضی پر منحصر ہے ۔

ظلم ہے اگر مین ان حضرات کی خدمت مین معذرت نہ پیش کرون جنکے افسانے اس نمبر مین جگہ نہ پا سکے، بالخصوص شاہ محمد نذیر صاحب ہاشمی، سید ظہیر حسین صاحب رضوی ایم اے ال ال بی وکیل، مولانا محمد عظیم خان صاحب، مولانا عابد لہوری، سید علی عباس حسینی، ماسٹر باسط بسواتی، مولانا نگہت شاہجہانپوری، مسٹر محمود بریلوی، مسٹر صادق ایوبی، مولانا نازش بدایونی، سید امتیاز احمد صاحب اشرفی بی اے، مولانا طالب الہ آبادی، مسٹر شہود زائر، مسٹر غنی صدیقی، جناب شمیم لبھوی، مسٹر جمال کے لطف و کرم کا مین بیحد ممنون ہون کہ ان حضرات نے میرے اصرار پر فسانہ لکھنے اور بھیجنے کی تکلیف گوارا کی اور مرقع کی قدردانی فرمائی ۔ مین مجبوریون کی وجہ سے ان افسانون کو اس نمبر مین کسی طرح شایع نہ کر سکا جسکے لئے مین بہت ہی محجوب ہون یہی نہین بلکہ اور افسانے بھی جنکی تعداد بہت زیادہ ہے اور جو اس افسانہ نمبر ہی کے لئے آئے تھے اس نمبر مین شایع نہ ہو سکے، ظاہر ہے کہ اس ایک پرچے مین اتنے افسانے کسی طرح نہین آ سکتے تھے ۔

جن حضرات کے افسانے اس نمبر مین مندرج نہ ہو سکے وہ یہ ہرگز نہ سمجھین کہ ان کے افسانے اس نمبر مین جگہ پانے کے مستحق نہ تھے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مدیر کی ذمہ داریان انکے سر ہوتین جسکو ایسی دقتون سے ہمیشہ سابقہ رہتا ہے تو وہ بھی اسی قسم کے ترتیب پر مجبور ہو جاتے، حتی الامکان ان کے آئے ہوئے افسانون کی اشاعت کا جلد از جلد انتظام کیا جائے گا اور اسی وجہ سے فروری نمبر بھی اسی افسانہ نمبر کا ایک نمونہ ہوگا ۔ فروری کے نمبر بھی قریب قریب تیار ہے ۔ لیکن ہر حال مین اسکا خیال رہنا چاہیے کہ ایک رسالہ مین جگہ محدود ہوتی ہے، ایک مدیر کی دقتون کو دیکھتے ہوئے مجھے امید ہے کہ وہ حضرات جنکے افسانے اور مضامین افسانہ نمبر کے لئے آئے اور اس نمبر مین شایع نہ ہو سکے مجھے قابل معافی تصور کرین گے ۔



اس وقت تک جن حضرات نے مرقع کی قلمی امداد فرمائی انکا ہم شکریہ ادا کرتے رہے ہین اور اب بھی ادا کرتے ہین اور اپنا فرض سمجھ کر ہمیشہ ادا کرتے رہین گے حقیقت یہ ہے کہ یہ اعانت ایسی زبردست اعانت ہے جس سے مدیر کے نہایت اہم فرض کا بار کم ہو جاتا ہے اور اسی پر رسالے کی زینت اور وقعت کا دارومدار ہے ۔

ہم اُن معاونین کے شکریہ کے سلسلہ مین جنہون نے اسوقت تک ہماری مالی امداد فرمائی خصوصیت کے ساتھ سب سے پہلے عالیجناب مولانا مولوی سید محمد سبحان اللہ صاحب رئیس اعظم گورکھپور کی سرپرستانہ عنایت اور مربیانہ نوازشون کا شکریہ ادا کرتے ہین جنکے بار کرم سے ہم کبھی سبکدوش نہین ہوسکتے ۔

ہم اپنے قدیم کرمگستر سراپا فیوض و برکات جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی ناظم ریاست عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ حیدرآباد دکن جناب قاضی محمد خلیل صاحب متخلص بہ حیران رئیس اعظم بریلی، جناب امیر الانشا دبیر الملک، مولوی سید علی اصغر صاحب ناظم ٹونک اور جناب حاجی محمد اصطفا خان صاحب اصطفا مالک کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے بھی متشکر ہین جنہون نے ہمیشہ ہم کو اپنا رہین منت بنایا اور جنکی قدردانی سے ہمیشہ مرقع کامیاب ہوتا رہتا ہے ۔

جناب سید فضل علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا پٹنہ - جناب خان بہادر سید شاہ زاہد علی صاحب سبزپوش رئیس اعظم گورکھپور، جناب مولانا کیفی چڑیاکوٹی، نواب فصاحت جنگ جلیل القدر حضرت جلیل، جناب مولوی انعام اللہ خان صاحب عارف، جناب مولوی سید محمود الحق صاحب حقی بی اے ال ال بی وکیل، جناب مولوی سید انعام الحق صاحب حقی، جناب حافظ انوار الرحمن صاحب رئیس بڑاگاؤن ضلع بارہ بنکی، جناب ماسٹر واسطہ سبوانی جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں ام اے ال ال بی وکیل، جناب فرخ بنارسی، جناب مولوی اصغر حسین صاحب اصغر مختار مین پوری، جناب جگر مرادآبادی، جناب ہوش بلگرامی، جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی جناب تسکین سورونوی، جناب راجہ غلام احمد صاحب دہلی، جناب مولانا مولوی سید محمد مقصود علی صاحب جناب سید جمال احمد صاحب رضوی لکھیم پور اور اُن تمام حضرات کا شکر گزار ہون جنہون نے مرقع کے ترقی کا ہر وقت خیال رکھا اور اسکی اشاعت مین کافی امداد فرمائی ۔

میری یہ حکایت دراز ہو ہی گئی، سلسلۂ کلام ٹوٹتا ہی نہین دکھائی دیتا، مین اُسے ختم کرنا چاہتا ہون اور اس دعا پر ختم کرنا چاہتا ہون کہ اللہ تعالیٰ یہ سال بھی "مرقع" ناظرین اور قدردانان مرقع کے لئے مبارک اور مسعود ثابت کرے اور ناظرین مرقع کی قدردانیان مرقع کو اس قابل بناسکین کہ مرقع کو مین جس سطح پر لانا چاہتا ہون وہ نزدیک تر ہوجاے ۔

اس افسانہ نمبر مین افسانون کے علاوہ دو مضمون اور بھی ہین لیکن دونون افسانے سے متعلق - ایک جناب اشہر لکھنوی کا "افسانے کی اہمیت" اور دوسرا جناب مشیر احمد صاحب علوی بی اے کا "افسانہ کیا ہے"۔

دونون مضمون اپنی اپنی جگہ پر خوب ہین - جناب اشہر کا مضمون گو مختصر ہے مگر افسانے کی اہمیت پر بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے جناب مشیر احمد صاحب کا مضمون نہایت کاوش و جانفشانی سے لکھا گیا ہے اور معلومات افسانہ کا ایک اچھا خاصہ آئینہ ہے - یہ مضمون ایک بڑا مضمون

تھا لیکن مرقع کے صفحات پر نظر کرتے ہوئے حواشی کو چھوڑ کر متن کو لیلیا گیا ہے یعنی وہ مباحث یا واقعات یا بیانات سب اسمین آگئے ہین جنسے عنوان مضمون کا تعلق ہے یقین ہے ناظرین ان دونون مضامین سے لطف اندوز ہون گے ۔



افسانون کے سلسلے مین پہلا افسانہ اردو کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند کا ہے، ہندوستان کی دیہاتی عورت کا جو کردار موصوف نے کھینچا ہے ہرچند وہ کسی بلند پایہ عورت کا بلند کردار نہین ہے اور نہ مصنف کا مقصد ہی ایسا کردار دکھانا تھا لیکن ہندوستانی عورت کے کردار مین ایک عمق ہے جو مس میئو کی پرواز تخئیل سے کہین دور ہے، دکھن کی شخصیت اسکی کامیاب مظہر ہے،

حضرت نیاز فتحپوری کا افسانہ روح جسم سے علٰحدہ ہونے کے بعد ماخوذ ہے ایک انگریزی افسانے سے میرے خیال مین کسی باہر کے مصنف کے افسانے کو ڈھند کرنا ایک نئے افسانے کے لکھنے سے کہین زیادہ مشکل ہے اور وہ بھی جب مصنف ایچ - جی - ویلیس ہو، جسکے افسانون مین انتقال کی صلاحیت بدرجۂ نفی ہوتی ہے، یہ صرف حضرت نیاز کا کمال تھا کہ وہ جسطرح اور تخئیل افسانون مین کامیاب ہوئے یہان بھی کامیاب رہے،

مسٹر سدرشن کا افسانہ "ہنس کی چال" اس بات کا شاہد ہے کہ مصنف نے عورت کا غایر مطالعہ کیا ہے، مصنف نے عورت کا ایک رخ پیش کرنے مین جسکے لئے کوئی نام تلاش کرنا کم از کم میرے لئے نہایت مشکل کام ہے "بسیار شیوہ است بتان را کہ نام نیست" پوری دقت نظر سے کام لیا ہے - (میرے کہنے پر جناب سدرشن نے اس فسانے کا کچھ حصہ اور اضافہ کیا تھا لیکن کاپیان جوڑی جا چکی تہین اسلئے وہ حصہ شامل فسانہ نہ ہو سکا اگر جناب سدرشن کی رائے ہوگی تو آئندہ وہ اضافہ بھی شایع کر دیا جائے گا) -

جناب مجنون کا افسانہ "شکست بے صدا" اردو زبان مین شخصیت نگاری کا ایک نیا باب کھولتا ہے، ہماری زبان مین شخصیت نگاری کے لحاظ سے کم افسانے اس پائے کے لکھے گئے ہین -

جناب روان کا افسانہ ترجمہ ہے فرانسیسی سحر طراز مو پاسان کے ایک افسانے کا، ترجمے مین جو خوبیان ہونا چاہیئے وہ اسمین بدرجۂ اتم موجود ہین بلکہ اسطرح کا ترجمہ ہے کہ ترجمہ نہین معلوم ہوتا، شستگی زبان، بندش کی چستی اور الفاظ کا برمحل استعمال یہ سب باتین اس فسانے کے لئے طغرائے امتیاز ہین -

جناب احسن سیمابی کا افسانہ بلحاظ شاعرانہ تخئیل اور زبان اس نمبر مین ممتاز ہے جسمین ملک کے اکثر مشہور فسانہ نگارون کی سحر طرازی کے نمونے موجود ہین عبارت کی رنگینی زبان کی پاکیزگی نے افسانے کو نہایت دلکش اور دلچسپ بنا دیا ہے -

اس کے بعد جناب فراق کا افسانہ ہے جو نہایت سادہ اور سلیس اردو مین لکھا گیا ہے - یہ فسانہ ترجمہ ہے مسز نیویدتا Cradle Tales of India کے ایک قصے کا جو نہایت پاکیزہ خیالات کا نمونہ نتیجہ خیز اور سبق آموز ہے -

جناب آفسر میرٹھی کا افسانہ "دوا کی قیمت" ایک امریکن افسانہ نگار کے افسانے سے ماخوذ ہے جو امریکہ مین ۱۹۲۴ء کا بہترین افسانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جناب آفسر نے اس خوبی سے اس کو لکھا کر اپنا بنا لیا۔ اس افسانہ نمبر مین یہ سب سے مختصر افسانہ ہے مگر خوب ہے۔

پروفیسر اما گیان دیو جی کا مختصر افسانہ "بہشت کا گناہ" کاہلی کی کرشمہ زائیون کا صحیح نقشہ ہے۔ افسانے کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کاہلی نے انسان کو بیکار و فضول امور مثلاً تزئین و آرایش کا درس دیا جو دنیا کے اکثر برائیون کی جڑ ہے۔

جناب جلیل قدوائی دنیائے افسانہ مین کافی شہرت حاصل کر چکے ہین آپکی روایت پسند طبیعت کا نوشتہ مظلوم اچھا مظہر ہے۔

جناب بابو سر کشن صاحب برق کا افسانہ "مین اکیلا ہون" موپسان کے ایک فسانے کا ترجمہ ہے جن مین اُن واقعات کا بیان ہے جس سے ہم سب گزر چکے ہین لیکن عام طور سے یہ واقعات زبان پر نہین لائے جاتے ترجمہ بھی اچھا ہے اور اہمیت کے لحاظ سے موپاسان کے فسانے کا ترجمہ کہنا کافی ہے۔

جناب حامد جمال کا افسانہ "خدا حافظ" طبعزاد ہے۔ جناب حامد قدرت سے جلد اثر لینے والی طبیعت اور پر درد دل لیکر آئے ہین۔ اس فسانے مین بھی درد اور اثر کی جھلک کافی موجود ہے۔ جناب حامد جمال کی افتاد طبیعت روسی افسانہ نویسون تلخ حقیقت نگاری زیادہ پسند کرتی ہے وہی اثر اُنکے افسانے مین بھی نمایان ہو گیا ہے۔

سریمتی اما دیوی نہرو کا افسانہ "بہلتا شوہر" کے اُن حقوق پر روشنی ڈالتا ہے جنکو ہندوستانی والدین ابتک غصب کئے ہوئے ہین۔ سریمتی نے اپنے طرز عمل سے ہماری ہمدردی اپنے ساتھ کر لی اس حیثیت سے افسانہ یقیناً کامیاب کہے جانے کا مستحق ہے۔

سریمتی اما دیوی نہرو ابتک جو کچھہ لکھتی رہین، ہندی مین لکھتی رہین اور جہانتک آپنے مجھے بتایا اس بنا پر مین کہ سکتا ہون کہ اردو لکھنے کی آپ کو مہارت نہین لیکن یہ افسانہ جسطرح پر اردو مین لکھا گیا وہ ہر حیثیت سے قابل تحسین ہے۔

جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ کا افسانہ ہر چند کہ آخر مین اور سب سے آخر مین درج ہوا ہے لیکن بلحاظ اہمیت کسی فسانے سے کم نہین۔ دونون خاتونون کے فسانون کا ماحصل اور تخیل ایک ہے، اور دونون کی سعی تگ و دو اور جد و جہد بھی ایک ہی میدان اور ایک ہی مقصد کے لئے ہے۔ اور وہ یہ کہ اب عورتین کسیطرح موجودہ غلط رسم و رواج کی پابند زیادہ دنون تک نہین رہ سکتین۔ کم از کم شادی کے معاملے مین وہ آزاد ہو کر رہنا چاہتی ہین۔ اور وہ دن بھی جلد آنے والا ہے جب عورتین یہ حق لیکر رہین گی۔

حصۂ نظم ایکی خصوصیت کے ساتھہ علیحدہ ترتیب نہین دیا گیا۔ جہان صفحہ مین جگہ بچ گئی وہان گنجایش کے مطابق اُن اصحاب کے کلام مین سے چند کا کلام درج کر دیا گیا جنکو مرقع سے خاص خصوصیت ہے لیکن کسی کی غزل یا نظم مین کسی ترتیب یا تقدم و تاخر کا لحاظ نہ ہو سکا، جو قابل معافی ہے۔

مرقع کی خصوصیات مین عکس تحریر یا در تحریر مشاہیر شعرا و ادبا کا بالالتزام ماہ بماہ شایع ہونا بھی ہے۔ جہان ملک کے دوسرے رسالے ماہ بماہ تصویرین شایع کرتے ہین وہان ہمنے یہ طے کر لیا ہے کہ ہم ماہ بماہ کسی مشہور ناظم یا کسی نامور ناثر کا خط یا عکس خط شایع کرین اسی سلسلے مین ہم

عکس تحریر جناب مولانا اشہر لکھنوی

جناب معظم

تسلیم - مجھکو بہت افسوس ہوا کہ میرا نومبر ۲۳ء کا خط آپ تک
نہیں ملا - زبانی افسانہ آپ سے کہی اور اس مسودہ میں شاید
دو تین مقامات ایسے تھے جو میں نے ابھی نوٹ نہیں کئے تھے -
اور کچھ وقت لگتی تھی - اس وقت وہ دماغ میں محفوظ نہیں رہے
لہذا جتنا مضمون چاہیں میں موجود رہتا ارسال خدمت کیا
مگر یہ سمجھ لیجئے کہ اس مضمون کا مطلب آپکا ابتدا ہی زیادہ
آ سکتا ہے

نیاز کیش
اشہر

عکس تحریر جناب مولوی بشیر احمد صاحب علوی بی اے علیگ

افسانہ کیا ہے؟
اور
کس طرح لکھنا چاہیے؟
(مختصر و مفصل تاریخ)

(خاص مرقع کے افسانہ نمبر کے لیے)

بشیر احمد علوی القادری بی اے علیگ

ابتک غالب - اسیر - بحر - قدر - امیر - داغ - شبلی - حالی - شرر - شاد - آسی - منیر - ریاض - اقبال - حسرت - عزیز - صفی - اصغر - جگر - فانی جوش وغیرہم جیسے مشاہیر کی تحریرین آپ کے سامنے پیش کر چکے ہین - ملک آج بھی اس جدت کو پسند کرتا ہو لیکن آنے والی نسلون کے لیے ان تحریرون کا ہر نقطہ گوہر گرانمایہ ثابت ہوگا - اس ماہ مین تحریر یا عکس تحریر اُن حضرات کا ہے جنکے جنبش قلم کے افسانہ نمبر کے صفحات رہین منت ہین ہم حضرت نیاز فتحپوری اور میر ممتاز حسین صاحب جونپوری کی تحریرین نہین شایع کر رہے ہین کیونکہ انہین سے اول الذکر کی تحریر اس سے قبل مرقع کے صفحات کی زینت بن چکی ہے موخرالذکر کی جنبش قلم کا مرقع کا سر ورق خود مظہر ہے یعنی لفظ "مرقع" جناب میر ممتاز حسین صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے -

اسی نمبر مین موعودہ تحریر عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ (حیدرآباد دکن) کے بلاک کے شایع کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے اس بلاک کے شایع کرنے مین پورے ایک سال کی تاخیر ہوئی جسکے لئے ہم نادم ہین اور محجوب بھی - بہرحال میرے لئے یہ کیا کم شرف ہے کہ مرقع کے ایک اعلیٰ ترین سرپرست اور بہترین قدردان ہستی کی تحریر کا بلاک شایع ہو کر سکا گو بدیر سہی، اس تحریر کے حاصل کرنے مین ہم اپنے محترم جناب مولوی امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی ناظم ریاست عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ کے بہہ تن ممنون ہین جنکی توجہ سے یہ تحریر ہمکو حاصل ہوئی جسکو اب ناظرین مرقع کے سامنے ہم نہایت فخر کے ساتھ پیش کرتے ہین -

ہم مدت سے ارادہ کر رہے تھے کہ ہم اپنے صوبے کی ہندوستانی ایکاڈیمی کا ذکر کرین لیکن اس وقت تک موقع نہ ملا - اس نمبر مین بھی اگر کچھ بھی فروگذ کیا جائے تو اور بھی تاخیر ہو گی اسلئے ہم اس نمبر کے باوجود افسانہ نمبر ہونے کے - بہت ضرورت سمجھتے ہین کہ ہندوستانی ایکاڈیمی کا ضرور ذکر دین جس سے ہمارے صوبے مین ایک ادبی روح دوڑ گئی ہے اور ایسی زبانون کی ترقی کی بہت کچھ امیدین اسکے وجود و قیام سے وابستہ ہین - صوبۂ ہذا کی ہندوستانی ایکاڈیمی کے وجود سے دیسی زبانون کی عام ترقی اور ادبی نشات کے ثانیہ کا دور شروع ہوتا ہے جسکے محرک آنریبل راجہ جگدیشور بلی صاحب وزیر تعلیمات ہماری شکر گذاری اور صحیح اعتراف کے مستحق ہین جسکے معتمد جناب پرنسپل ڈاکٹر تارا چند صاحب ہزار ون ستائش کے لایق ہین اور یہ انہی ذوق علمی کی بدولت ہے جو ان دو نون لایق ہستیونکو ہندوستان کی دیسی زبانون اور ہندوستان کے جملہ علوم و فنون سے ہے سب سے زیادہ ہم اس نظام لو بیہ کو ان معنی مین خوش نصیب سمجھتے ہین کہ اسکو جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو صاحب ایسا اسعد ادیب اور فاضل اہل قلم صدارت کیلئے ملا جن لوگون کے پاس "کشمیر درپن" کے مجلات قدیم موجود ہین وہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضامین سے اندازہ کر سکتے ہین کہ آپ کو ادب اردو پر کسقدر عبور ہے اور آپکا انداز نگارش کسقدر دلکش اور موثر ہے - ڈاکٹر تارا چند صاحب کے علمی - تاریخی اور فاضلانہ لکچر جن لوگون نے سنے ہونگے وہ آپ کے علمی تبحر کی ضرور معترف ہونگے آپ کے مضامین انگریزی مین شایع ہوتے رہتے ہین جنسے ہمارے اس دعوے کی کافی تائید ہو سکتی ہے ہم بہت جلد کوشش کرینگے کہ آپکے انگریزی مضامین کو اردو کا جامہ پہنائین - اور آپ کے علم و فیض سے اردو دان اصحاب بھی بہرہ مند ہو سکین اور وہ مضامین اردو رسائل کے زیب و زینت کا باعث ہون -

اس کے ساتھ ہی ہم اسکی بھی تعریف کرتے ہین کہ ہندوستانی ایکاڈیمی کے ارکان مشاورت ادبیہ نے مولانا کیفی چریا کوٹی کو ایکاڈیمی کی ادبی خدمات کے لئے منتخب کیا - مولانا کیفی استاذ الملک علامہ فاروق چریا کوٹی مرحوم کے فرزند رشید اور صحیح جانشین ہین یہ اس خاندان کے درخشان آفتاب ہین جسکی شعاعین عربی، عبرانی، فارسی، اردو، ہندی اور سنسکرت کے ادبیات نظم و نثر مین بہت زمانہ تک چمکتی رہین گی -

علامہ کیفی بھی ایک متبحر عالم، ماہر ادب اور کامیاب شاعر ہین - اس انتخاب سے بہتر دوسرا انتخاب مشکل سے ہو سکتا تھا جو اکاڈیمی نے کیا ہم علامہ کیفی کی موجودگی کو اکاڈیمی کی کامیابی کی ایک ضمانت سمجھتے ہین - یہ اردو کی خوش نصیبی ہے کہ اسکو ایسے لایق لوگ اسکی کے نگران حال ملگئے ہین - یہ وطن کی حیات ملی کی مبارک فال ہے کیونکہ جب کوئی ملک ترقی کرتا ہے تو اسکا پیش خیمہ ہمیشہ اسکا ادب اور اسکے علم بردار اسکے ادیب سمجھتے ہین دو چار ...

تحریر دست و قلم خاص جناب منشی پریم چند صاحب بی اے

جناب مکرم بندہ - تسلیم - ارشاد کی تعمیل کر رہا ہوں - مجموعہ میں لکھا ہے - اگر دیکھئے کہ قصہ پسند آئیگا - والسلام -

نیازمند
پریم چند

بخدمت منشی وصل بلگرامی



تحریر دست و قلم خاص جناب سدرشن صاحب

جناب وصل صاحب! تسلیم - مزاج شریف!

افسانہ کا پہلا حصہ پیشتر ازیں روانہ کر چکا ہوں - بقیہ حصہ اب روانہ کیا جاتا ہے - امید ہے - آپ پسند فرمائیں گے -

آپکا صادق
سدرشن

افسانے کی اہمیت

(از جناب [illegible] اختر صاحب لکھنوی)

[illegible] ذخیرہ ادب میں مختلف اقسام ہیں لیکن سب سے پہلے پڑھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ہر رنگ ایک خاص مذاق رکھنے والے کے لئے باعث توجہ [illegible] ایک خاص مذاق سے ہے۔ اس محل پر میرا موضوع بحث صرف نثر کا وہ حصہ ہے جس کو صرف واقعات سے لگاؤ ہو [illegible] سے کہ یہ واقعات [illegible] مشہور ہوں یا ایسے قالب میں ڈھالے گئے ہوں جن پر پڑھنے والوں کو صحت کا شبہ ہو لیکن دونوں حالتوں میں ایسے واقعے کی دلچسپی برقرار رہتی [illegible] نوع انسان کے عادات و اطوار، معاشرت و معاملات کی تصویریں پیش کریں خواہ وہ کسی رنگ سے مرتب کی گئی ہوں کسی زبان میں لکھی گئی ہوں کسی قلم سے نکلی ہوں۔ **افسانہ** بھی اسی شق میں [illegible] ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ افسانہ [illegible] یکساں اثر کرتا ہے یا اس اثر کے بھی مختلف مدارج اور وجوہات ہیں [illegible] افسانے کو سمجھا جاتا ہے [illegible] اس اثر کے مدارج ہیں [illegible]۔ لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک افسانے کو کس قالب میں پیش کیا جائے اور کن مدارج سے کام لیا جائے تاکہ پڑھنے والے پر خاطر خواہ اثر ہو [illegible] افسانے کا مطمح نظر [illegible] لہٰذا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ افسانہ خوانوں کے طبائع کی موافقت [illegible] کا لحاظ رکھا جائے [illegible] مذاق مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا افسانہ نویس کے بھی مختلف اصول ہونے چاہئیں [illegible] صرف ایک [illegible] شاید [illegible] مختلف دلچسپیوں سے پڑھتے ہیں [illegible] جب کوئی افسانہ ہماری نظر کے سامنے آتا ہے تو ہم میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم کسی خاص چیز یا کسی خاص فرد کے متعلق جو ہم سے بہت پہلے عالم وجود میں تھا [illegible] معلومات حاصل کریں۔ اگر اس پر کوئی صدمہ [illegible] ہو تو ہمارے جذبات بھی ساتھ ہی ساتھ ابھر جائیں۔ اگر اس کے متعلق کوئی مسرت خیز واقعہ ہو تو اس خوشی کے ساتھ [illegible] ہو جائیں گے [illegible] کوئی شعبہ دل خوش کن معاملات کا اس کی طرف منسوب ہو تو ہمارے بھی تفریح طبع کا باعث ہو۔ ایسے واقعات [illegible] جذبات [illegible] پیدا [illegible] مطمئن ہو جاتی ہے [illegible] کبھی ہم نے ایک شخص کو دیکھا تھا جو پولیس کی حفاظت میں عدالت کی طرف [illegible] اس شخص کو اس حالت میں دیکھا [illegible] آراستہ [illegible] ہمارے تعجب اور تجسس کی کوئی حد نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہماری پہلی [illegible] ہوگی کہ ہم اس شخص کے متعلق وہ تمام معلومات [illegible] فراہم کریں جو اس کی ابتدائی زندگی سے لیکر اس وقت تک روشنی ڈالتے ہوں اور جو کچھ [illegible] اس شخص کی گزشتہ زندگی کے متعلق [illegible] میرے خیال میں افسانے کی مختلف قسموں میں افسانہ عشق و محبت کو زیادہ اہمیت ہے [illegible] دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہو۔ اگر پڑھنے والا [illegible] ہے تو اس کو ان احساسات عشق و محبت کا اندازہ ہو سکے گا جو اس کی ذات میں تدریجی ترقی کر [illegible] احساسات [illegible] اندازہ [illegible] ابھرنے والے ہیں ان کے محل وقوع کا علم [illegible] دلچسپ نہیں [illegible] دوسری طرف [illegible] ہونے کی کوئی حد نہیں [illegible] اس سے [illegible] لطف کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا۔

[illegible]

اب آخر مین ایسے افسانہ پڑھنے والون کی باری آتی ہے جو مدارج زندگی طے کر چکے ہین جن کے حسیات نشو و نما پا کے گھٹ چکے۔ جنکے قوائے مدرکہ اپنا کام ختم کر چکے یعنی سن رسیدہ حضرات۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ افسانہ عشق و محبت اُن کے لئے کوئی دلچسپی نہین رکھتا ضرور رکھتا ہے۔ اسوجہ سے کہ اُنکی بجھی ہوئی طبیعت مین واقعات گزشتہ ایک وقتی شگفتگی پیدا کر دین گے اور اُن کی نظر کے سامنے اُن کے شباب زندگی کی دھندلی تصویرین ایک نئے جامے مین نمودار ہو جائینگی۔ متذکرۂ بالا اثرات افسانہ ایسے مین جن سے کسی فرد کو بہ حیثیت قوائے فطری انکار نہین ہو سکتا۔ اور سب سے زیادہ افسانے کی دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ ہر پڑھنے والا اپنے حالات گزشتہ و موجودہ سے افراد و واقعات افسانہ کا تطابق کرتا ہے اور جس قدر اُس کے حالات واقعات و افراد افسانہ سے مطابقت کرتے ہین اُتنا ہی اُسکی طبیعت پر افسانے کا اثر ہوتا ہے۔ ورنہ اگر یہ تطابق ذاتی عین افسانہ سے قطع کر دیا جائے تو افسانہ محض ایک غیر دلچسپ تحریر رہی جاتی ہے۔ اسکی مثال یون ہو سکتی کہ اگر کوئی شخص دور دور دراز صدیون کے واقع شدہ افسانۂ بحر کو بیان کرے۔ کسی جہاز کے طوفان مین آجانے کے واقعات تحریر کرے اور اسکے بعد نتیجہ نکالے کہ بہزار وقت اور بمساعدت قسمت وہ ایک غیر معلوم جزیرے کے ساحل پر پہونچا۔ جہان کی ہوائین۔ مناظر مختلف، انسان مختلف، بالمختصر ہر شے عجیب تھی۔ جب ہم موجودہ اور گزشتہ انسانی مراحل کا موازنہ کرتے ہین تو ہمارے لئے اس واقعے مین ہزارون دلچسپیان موجود ہو جاتی ہین ہمارے خیال کی لہر ہم کو گزشتہ علم و عمل جہازرانی کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی بہ موجودہ ترقی کیطرف کھینچ لاتی ہے۔ کبھی ہم اُن جہازیون کے جوش و خروش کی طرف نظر ڈالتے ہین جو وقت سفر اُسمین موجود تھا اور کبھی اُس طوفانی کشمکش مین اہل طوفان کی پریشانی کے ساتھ ہمارے ہمدردانہ جذبات مل جاتے ہین وغیرہ۔ اگر اتفاقاً کسی پڑھنے والے نے سفر بحر کیا ہے تو کیا کہنا۔ اسی طرح موجودہ مضمون مین پڑھنے والے کی نظر سے مختلف افسانے گذرین گے جن کو پڑھتے وقت اُسکے مختلف ذاتی واقعات زندگی ایک دھندلی تصویر مین پیش ہو جائینگے۔ یا اگر کوئی افسانہ کسی پڑھنے والے کی موجودہ حالت سے مطابقت کرتا نظر آئیگا تو اُسکی دلچسپی کی انتہا نہین۔

ممکن ہے کہ بہت سے ایسے پڑھنے والے ہون جنکو زندگی کے بعض اہم معاملات مین پڑنے کا اتفاق نہوا ہو۔ ایسے لوگون کے لئے نتیجہ خیز افسانے ایک غیر عمل تجربے کی حد تک پہونچتے ہین۔ یورپ مین موجودہ افسانہ نویسی کے اغراض یہ نہین کہ انکو بہ حیثیت افسانہ پڑھا جائے۔ بلکہ اسکی خاص غرض یہ خیال کی جاتی ہے کہ اس سے افسانہ خوان حلقون مین کوئی عملی اثر پیدا کیا جائے۔ اور سب سے زیادہ غرض افسانہ یہ ہے کہ افسانہ نویس کے ذاتی افعال و عادات (کیرکٹر) کا اثر افسانے مین دیکھا جاتا ہے جسقدر افسانہ نویس مین بحیثیت عادات کشش ذاتی ہوگی اُتنا ہی افسانہ دلکش ہوگا۔ گزشتہ تاریخ ہمارے لئے افسانہ ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ تاریخ کا موضوع وقوع واقعہ ہے۔ اور افسانہ احتمال وقوع واقعہ کا نام ہے۔ ہندوستان مین افسانے کے متعلق یہ خیال بہت درست ہے کہ ہندوستانی افسانہ خوانی کو معمولی دلچسپی یا وقت گزاری سے زیادہ اہمیت نہین دیتے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے دماغ اس دلچسپی کے پہلے سے عادی نہین جسکی بنیاد یورپ مین تقریباً سو برس پہلے رکھی گئی اور مختلف وقتون مین پرزور قلمون کی مدد سے آج اُس کامیاب حد پر پہونچی ہے جو قابل تقلید ہے۔ اور ہندوستان کو تو سوائے تقلید یورپ کے چارہ بھی نہین اسوجہ سے کہ ہماری زندگی کا ہر ایک رخ مغربی زندگی سے اکتساب عمل کر رہا ہے۔ خدا کرے کہ زبان اردو مین افسانہ نویسی اور افسانہ خوانی اُن حدون تک پہونچ جائے جسکی ضرورت ہے!

فکر رسا

(از جناب قاضی احمد الیاس صاحب ادہمی - بی اے ال ال بی وکیل - ہردوئی)

دشمن ناموس الفت چشم تر ہونے لگی
باعث رسوائی زخم جگر ہونے لگی

اب مری مشق تصور کا اثر ہونے لگی
صورت زیبا کوئی پیش نظر ہونے لگی

فکر درمان چارہ سازون کو ہماری آگئی
جب طبیعت خوگر درد جگر ہونے لگی

کوشش اخفائے غم کرنے لگا شانہ ساز
پردہ داری خود ہماری پردہ در ہونے لگی

وائے ناکامی سلامت ہے ابھی جان حزین
سوزش دل ہائے محروم اثر ہونے لگی

مبتلائے فکر درمان چارہ گر بھی ہو گئے
ہر جراحت پھر رہین بخیہ گر ہونے لگی

اے رسا اپنی رگون مین آج وہ گرمی نہین
سست کچھ جلنے مین اب شمع سحر ہونے لگی

فسانہ کیا ہی؟

اور

افسانہ کسطرح لکھنا چاہیئے؟

مختصر و مجمل تاریخ

(خاص مرقع کے فسانہ نمبر کے لئے)

از جناب مشیر احمد صاحب علوی القادری - بی اے علیگ
اسسٹنٹ سکرٹری انجمن اردوئے معلیٰ علیگڑھ

(۱)

دنیا جس قدر ترقی کرتی جائیگی افسانون کی قدر و منزلت بڑھتی جائیگی عمرین کم ہین ذمہ داریان زیادہ اور اہم لامحالہ جب دنیا کے مصائب سے چھٹکارا (بمشکل) پاکر ہماری کسی وقت ادب لطیف سے دل بہلانے کی خواہش ہوگی اُسوقت "طلسم ہوشربا" "بوستان خیال" "فسانۂ آزاد" "الف لیلہ" تو ہم پڑھنے رہے نہ تو محدود اوقات مین ان طویل داستانون کو ختم کرسکتے ہین اور سچی بات یہ ہے کہ نہ اب ان طویل کتابون سے دور حاضر کی ترقیون اور دلکشیون پر نظر کرتے ہوئے کوئی دلچسپی حاصل ہوسکتی ہے مجبوراً اُس وقت اگر کسی کتاب سے دلچسپی ہوگی تو وہ لازماً بلکہ یقیناً مختصر افسانے ہونگے "افسانہ نگاری" آجکل بہت مقبول ہے لیکن میرے خیال مین نہایت درجہ مشکل ہے - مشرقی طبائع پر افسانون کا فطرتاً اثر ہوتا ہے کیونکہ مشرق کو افسانہ سے ایک قدیم تعلق ہے - یہان افسانہ نگاری اُس وقت سے بھی مدتون نہین قرنون قبل عالم وجود مین آچکی تھی جب کہ "مغرب" "خیر سے" "مدنیت" اور "تہذیب" سے بھی کوسون دور تھا - دماغی تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ جو شے انسانی طبائع کو اپنی جانب منعطف کرسکتی ہے وہ "افسانہ" ہے اور یہی وجہ تھی کہ مسیح ناصری کو اپنے "پیام" کی تکمیل کے لیے بھی افسانہ (تمثیل) سے کام لینا پڑا - امم سابقہ مین صحائف کی تعلیم کا ذریعہ بھی تمثیل یا افسانہ تھی اور یہی رنگ بغیر تشبیہ اُس مقدس مذہب کی برگزیدہ کتاب مجید مین بھی کسی حد تک نمایان ہے جو فاران کی چوٹی پر چمکا تھا اور ان محترم افسانون کو جناب احدیت سے "احسن القصص" کا مفتخر لقب دیکر حیات جاویدہ عطا کردی گئی - بنی اعمام کا تذکرہ تو ہوچکا اُسکے زرین کارنامے ہمارے پیش نظر ہین دیکھئے

تناسخ پرست" طبقے مین افسانہ نگاری ازل سے موجود تھی یا نہین" آریا ورت" کی الہامی کتاب وید مقدس کے بعد دو دنیم مذہبی کتب جنکو دور حاضرہ مین
ہندی کی آدبیات عالیہ" کا حق حاصل ہے انکا بھی تمامتر ماخذ محض "افسانہ" ہے ایک کتاب مین راجہ دسرتھ کے عزیزانہ جان لڑکے رام چندر
کے بن باس کا افسانہ ہے اور باوفا و باعصمت "سیتا" کی گم شدگی اور جیتنے کی زندہ متحرک تصویر دکھلائی گئی ہے اور انجام لنکا کی فتح پر ہوتا ہی
دوسری مین اس جنگ عظیم کی داستان ہوشربا بیان کی گئی ہے جو "حق و باطل" یا کورون پانڈون کے نام سے "خانقاہ عظمت اسلام" دہلی
کی پراسرار گلی کوچون سے لیکر قصر بکنگہم کیا بلکہ جملہ متمدن اقوام مین یاد کیجاتی ہے مشرق مین سب سے پہلا متمدن ملک مصر ہے اور مصریون ہی سے
افسانہ نگاری کا آغاز بھی ثابت ہوتا ہے فراعنہ مصر کے عہد قدیم کا لکھا ہوا ایک افسانہ جو تین ہزار سال پیشتر لکھا گیا تھا - ایک پپایرس[1] پر لکھا ہوا
لندن کے برٹش میوزیم مین موجود ہے - اسکا ترجمہ بھی ڈاکٹر برگش نے المانی زبان مین ۱۸۶۵ء مین شایع کیا تھا - اس افسانہ کو ایک مصری افسانہ نگار نے
تامی سس ثانی" فرعون مصر کے ولیعہد "ستی شی فاتہ" کی تفریح کے لئے تصنیف کیا تھا - اسکی عبارت سادہ اور صاف ہے لیکن شاعرانہ نکات و تخیلات
سے معرا نہین - اس قصہ کا لب لباب یہ ہے کہ دو بھائی ہین بڑے بھائی کی بیوی اپنے چھوٹے دیور کے ساتھ بعینہ وہی سلوک کرتی ہے جو عزیز مصر (پوطیفار)
کی بیوی زلیخا نے "حضرت یوسف" کے ساتھ کیا تھا بھاوج اپنے شوہر کی نظر مین اسے شرمندہ و ناکامیاب ہوکر خائن و مجرم ثابت کرتی ہے چھوٹا بھائی
بڑے بھائی کے خوف سے جلاوطن ہوکر سورج دیوتا کی امداد سے پیکر انسانی چھوڑ کے ایک نئے قالب کو اختیار کرلیتا ہے حق کی فتح ہوتی ہے بڑا بھائی
اصل معاملہ پر واقف ہوتا ہے اور مکارہ کیفر کردار کو پہونچتی ہے چھوٹا بھائی پیکر انسانی دوبارہ اختیار کرتا ہے الفت و محبت کے پینگ دونون بھائیون
مین بڑھتے ہین اور انجام یہ ہوتا ہی کہ بڑا بھائی عزیز مصر ہوجاتا ہے............ ایران و عربستان اور دیگر متمدن ممالک مشرقیہ مین
قدیم ایام سے خیالی اور طبعزاد افسانون کا رواج تو بہت عام تھا انہین سے یونانیون نے افسانہ خوانی اور افسانہ نگاری سیکھی ان سے رومیون نے حاصل
کیا چنانچہ لاطینی زبان مین رومیون نے سب سے پہلے "ارسٹائڈیز" کا ترجمہ نہایت اہتمام سے شایع کیا یہ ترجمہ اُس دور مین ہوا تھا جب رومیون مین عنان
حکومت لینے کے لئے خونریزی ہورہی تھی اور "ماریوس اور سیلا" ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے - رومیون مین یہ افسانے بیحد مقبول ہوئے
اوران مین افسانہ نگاری کا رواج ہوگیا - انگریزی افسانون کا آغاز بھی رومیون کے افسانون کے ترجمہ سے شروع ہوا مصنفین نے ان افسانون سے اپنے
افسانون کے لئے کردار حاصل کئے اور مختلف جملے بھی لیے اور جو اونکی عام پسند با مذاق دلچسپ تھے یہ افسانون سے ماخوذ تھے انھین طبعزاد افسانون
سے اونکی افسانون کی داغ بیل پڑی اندلس کے افسانون کا سولھوین صدی مین ترجمہ شروع ہوا جنکا ماخذ تمامتر عربی معاشرت اور اسلامی مذاق
تھا - جان لیلیا فرنگی مصنف نے ان افسانون کا ترجمہ کیا جسکی عبارت سادہ اور صاف تھی عبارت آرائی اور رنگینی مطلقاً مفقود تھی - سترھوین
صدی مین ایک خاتون[2] نے نئی شاہ راہ کھولی جسمین انسانی معاشرت اور خانگی زندگی کے نمونے پیش کیے گئے - اور ایک دوسری خاتون[3] نے
معاشرتی خامیون اور مروجہ غلط کاریون کے نمونے دکھلائے - بعد ازان یہی رنگ مقبول ہوگیا اور سب مصنف اسی رنگ مین رنگ گئے اسلافون

---

[1] مصریون کا ایک پرانا کاغذ جو ایک خاص قسم کے درخت کی لکڑی کے اوراق اتار کر تیار کیا جاتا تھا بہت قیمتی ہوتا تھا [2] مسز اجرا بہن [3] مسز مینلے

نے اپنے عہد مین افسانہ نگاری کو کسی قوم سے نہین لیا اسلیے کہ خود انمین حد سے زیادہ داستان گوئی کا رواج تھا عربی نثر اور افسانون کا ترجمہ الف لیلہ" آج بھی "مہذب کائنات" کو نفس حیرت بنائے ہوئے ہے ان افسانون کے مصنف یا مؤلف کا نام نہین معلوم ہے مگر تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ فارسی کے "ہزار افسانہ" سے ماخوذ ہے جو ساسانیون کے عہد حکومت مین فارس مین مروج اور عجمیون کی محفل مین مقبول تھا ان مین خلفائے عباسیہ کی مکمل و اعلیٰ ترین معاشرت کا خاکہ موجود ہی مگر فنی کمال یہ ہے کہ باوجود اسلامی معاشرت کی ہر ملت اور ہر مذہب کے فسانہ نگارون نے "اپنا لیے" ہین دور حاضرہ مین یہ عام غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ افسانہ نگاری مغرب کی امانت ہے حالانکہ "فسانہ" محض مشرق کا حصہ خاص ہمیشہ سے رہا ہے اور آفتاب کی تیز روشنی اور مہتاب کی خفیف خنکی مین بھی یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ مین دھرایا جائیگا۔ پہلے دور مین خیالی اور طبعزاد افسانہ لکھے گئے مذہبی رنگ لیے ہوئے لیکن رنگینی اور عبارت آرائی کا بھی اس دور مین دخل تھا۔ دوسرے دور مین خیال آفرینی ترک کردی گئی تاریخی عناصر شامل کئے گئے یہ رنگ بہت مقبول ہوا اور اب بھی پسندیدہ ہے لیکن رنگ آمیزی یا عبارت آرائی ترک نہین کی گئی چنانچہ اس دور کی مستند کتابین طلسم ہوشربا فسانہ آزاد، فسانہ عجائب اور بوستان خیال کہی جا سکتی ہین تیسرے دور مین حیات انسانی کے واقعات نئے نئے اسلوب سے بیان کیے گئے۔ رنگین بیانی چھوڑ دی گئی۔ اب چوتھے دور مین جہان انسان کے جزوی واقعات پر تبصرہ کیا گیا معاشرتی نقائص کو طشت از بام کرنا مقصد وحید ہوا۔ اصلاح ضروری سمجھی گئی۔ افسانون کی زبان بھی عام فہم ہو گئی۔ دور از کار بعید از قیاس تشبیہات اور استعارات کو ترک کیا گیا اور میری نظر مین اب افسانہ نگاری عروج کمال پر پہنچ گئی ہے کیونکہ معمولی انسانون سے تعلق اب افسانے لکھے جا رہے ہین دور حاضرہ مین افسانون کا جو رنگ ہے یقیناً یہی ہونا چاہیے ابھی اس مین ترقی کی گنجایش بہت ہے لیکن کوشش شرط ہے۔

(۲)

اس سے انکار نہین کہ عرصے سے ہندوستان مین یہ فن لطیف قریب قریب "قالب بے روح" کی حیثیت رکھتا تھا اسی غفلت کی بدولت فرنگی مصنفین نے اس فن کو "اپنا لیا" کہ آج ہر ناواقف یہ کہنے کے لئے تیار ہو گیا کہ افسانہ نگاری مغرب سے ملی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمانون نے اپنے عہد زرین مین اس فن لطیف کو منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ ہان اس سے انکار نہین کہ اہل فرنگ نے بہتر فسانہ لکھے اور اس فن کو کمال تک پہنچایا اب ہندوستان مین بھی دوبارہ فسانہ کی نشات ثانیہ ہوئی ہے انشاء اللہ اس مین بھی ایک سے ایک قابل فسانہ نگار پیدا ہو سکینگے فسانہ ادبیات کا ایک موقر شعبہ ہے اور فطرت بشری قصص و امثال سے متاثر ہوتی ہے اسلیے معلمین اخلاق نے بھی تعلیم کا ذریعہ فسانہ ہی تصور کیا ہے۔ فارسی مین سعدی رومی نظامی نے حکایات و احساسات ہی کے ہلکے خوبصورت پردون سے رموز الٰہیہ کی تعلیم دی۔ اردو مین فارسی افسانون کا ترجمہ ہوا چنانچہ اس دور کی کامیاب کتابین چہار درویش فسانہ عجائب داستان امیر حمزہ الف لیلہ ہین اور انیسوین صدی عیسوی کے وسط تک اس رنگ کی خوب داد واہ ہوئی۔ اور موسم سرما کی طویل راتین انہین افسانون کے نذر ہوا کرتین اور میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ خدا معلوم کیون یہ رنگ ہمیشہ سے ابتک خواتین مین مقبول رہا ہے ممکن ہے اسکی وجہ بیکاری ہو اگرچہ کہ اب بھی ان

کتابون سے دلچسپی لینے والی محض خواتین ہی ہین۔ فسانہ نگار کا اصل مقصد سامع کو متاثر کرنا ہے اگر وہ متاثر ہوگیا تو اُسکا فسانہ یقیناً کامیاب ہے جب تک فسانہ مین زمانے کی صحیح و زندہ چلتی پھرتی تصویر پیش نہ کیجائیگی اُس وقت تک انسانون کی وقعت نہین ہو سکتی۔ فسانہ نگار کو اپنے ماٹل کی نسبت بہت مکمل علم ہونا چاہیے افسانہ مین اصل شے سیرت اور کردار ہے ڈکنس کی قدر اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے نوقلم کی ہلکی سی جنبش سے اپنے افراد کو حیات جاودانی عطا کر دیتا ہے فسانہ نگار کے لیے ایک دردمند قلب کی ضرورت ہے۔ اور اسی بنا پر معلم اول ارسطو نے فسانہ نگار کو شعرا کی صف مین شمار کیا ہے۔ فسانہ نگاری فنون لطیفہ سے تعلق رکھتی ہے۔ فسانہ نگار تو مکمل فطرت پرست ہونا چاہیے کیونکہ بشری فطرت کی صحیح ترجمانی اور اسرار عمیق کو آشکار کرنا بھی اُسکے فرائض مین داخل ہے اسلوب بیان کے اعتبار سے اس امر کی بیحد ضرورت ہے کہ الفاظ و تفصیلات مین کفایت سے کام لیا جائے تناسب بھی ضروری ہے اسلوب بیان کو ذریعہ ہی تصور کرنا چاہیے مقصد نہ بنانا چاہیے ورنہ فنی باریکیون کی امید فضول ہے مجموعی طور پر افسانہ نام ہے عمیق مطالعۂ فطرت، روزمرہ کے واقعات مقامی رنگ اسلوب بیان سلاست زبان کے اجتماع کا ہندوستانی اکیڈمی کے افتتاح کے موقع پر ہز اکسلنسی سر ولیم میرس گورنر ممالک متحدہ آگرہ اودہ نے کہا تھا کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ اصلی اور سیدھے سادے افسانے نہ لکھے جائین اور انھین لوگ نہ پڑھین لیکن ان افسانون مین جو واقعات لکھے جائین وہ ایسے ہون جنکا تعلق ملکی معاشرت سے ہو۔ میدان فسانہ نگاری کے لیے بہت وسیع ہے فطرت سے جنگ کرنا اس ملک مین اتنا ہی ضروری ہے جتنا امریکہ کے مغربی اضلاع مین تھا۔ علوم کے حاصل کرنے اور روزی کمانے مین یہان اتنی ہی جدوجہد کرنا پڑتی ہے جتنی اسکاٹ لینڈ کے طالب علمون کو عرصہ تک کرنا پڑی تھی۔ ہندوستانی ادب مین اتنی گنجایش ہے کہ وہ بھی افسانے پیش کر سکے۔ پیدائش حیات ممات شادی و غمی کے ایسے واقعات مین جو کسی ملک اور کسی وقت کے لیے مخصوص نہین کیے جا سکتے اُن کے افراد تلاش کرنے مین دقت نہ ہوگی۔ بلکہ انھین زمیندار کاشتکار دکلا، سوداگر پنشن یافتہ سپاہی اخبار نویس طلبا صوفی اور رند سب کام آسکتے ہین اور ہندوستانی افسانون کی دنیا مین وہ ایسے ہی بھلے معلوم ہونگے جیسے اسکاٹ اور بالزاک کے صفحات مین۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک سمجھدار مصنف غور سے نظر کرے اور ہمدردی سے ان کی تصاویر کھینچے اگر اُسکے الفاظ مین تصاویر کی سی دلکشی ہوگی تو اُسکی کتابین لوگ دل سے پسند کرین گے انکو خریدین گے اور پڑھین گے تاکہ اُنسے اُنکی ضرورتین پوری ہون"۔

افسانہ نہ اس درجہ مختصر ہو کہ لطیفہ کی صورت اختیار کرلے اور نہ اسقدر طویل ہو کہ ایک ناول ہوجائے کردار غیر مانوس نہ ہون یہ بھی لازمی ہے کہ ایک مرکزی شخصیت ہو جس کے محور کے چارون طرف چند منتخب مستند افراد ہون کیونکہ عناصر اور واقعات کا اختصار اور سادگی فسانہ کو مربوط اور منظم بناتی ہے افسانون مین محبت عشق و حسن کی چاشنی بھی چاہیے۔ فسانہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ کائنات کو نفسیاتی اصول پر دیکھنے کا عادی ہو ایک فسانے کے پلاٹ کے لیے نہین بلکہ ایک ایک کردار کے لیے فسانہ نگار کو ہفتون گزارنا ہونگے صبح و مسا کی فضاؤن کو بنظر غایر مطالعہ کرنا ہوگا اُس ماحول کی رسم و رواج کو جاننا ہوگا لندن کے ایک انگریزی رسالہ نے بہترین فسانہ نگارون سے سوال کیا تھا کہ انھین اپنے افسانون کے پلاٹ کس طرح ملے ان مین سے بعض کے جوابات یہ ہین۔

مسٹر آرنلڈ بنٹ نے اپنی مشہور کتاب اولڈ وائیوز ٹیل کے متعلق لکھا "۱۹۰۳ء کی خزان مین پیرس کے دوران قیام مین مجھے ایک رات ایک سن رسیدہ عورت کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ اُسکا جسم فربہ بدقطع اور اعضا غیر متناسب تھے اُسکی آواز مضحکہ خیز اور بیحد کرخت تھی اُسکے موٹے اور بھدے ہاتھون مین متعدد پارسل تھے جن مین کوئی نہ کوئی ضرور گر پڑتا تھا اُسنے قہوہ خانہ کی پہلے ایک جگہ پسند کی اور پھر دوسری اسی طرح چند منٹون مین مہمان خانے کا جایزہ لیکر سب لوگون کو تمسخر انگیز قہقہون کے ساتھ اپنی جانب متوجہ کرلیا اسی دوران مین میرے تخیل نے اُس عورت کی جوانی کی تصویر میری آنکھون کے سامنے پیش کی "یہ ہستی ضرور کبھی حسن و شباب کی ملکہ ہوگی اُس وقت اس کی شخصیت مین ان مضحکہ انگیز حرکات کو ہرگز دخل نہ ہوگا...... غالباً وہ اس وقت بھی اپنے ان خوارق عادات سے ناواقف ہے ۔ اُسکی شخصیت ایک مکمل "خزینہ" ہے اُسکی ہستی ایک فسانہ نگار کے لیے ایک جدید عبرت انگیز فسانہ کا بہترین مواد مہیا کرتی ہے! ہر ایک فربہ ضعیف عورت کی شخصیت مین کوئی خاص اہمیت نہین ہوتی ہے مگر یہ تصور کہ وہ کبھی اپنے حرکات اور خیالات مین شباب کی نادر صور رکھتی تھی کسقدر افسوس ناک ہے اور یہ واقعہ کہ ایک حسین و جمیل دوشیزہ ہزار ہا مختلف سوانح کے زیر اثر رہ کر آہستہ آہستہ ایک پیرزال مین تبدیل ہوجاتی ہے اور ہمارے جذبات مین افسوس اور عبرت کا اضافہ ہوجاتا ہے یہ وہ واقعہ تھا جس نے اس "فسانہ" کا پلاٹ مہیا کیا مین اس امر سے خوب واقف ہون کہ یہ عورت جس نے اپنی حرکات نازیبا سے تمام قہوہ خانہ کو مسرور کیا تھا صحیح تمثیل "ہیروئن" کی نہین ہوسکتی کہ علاوہ سن رسیدہ ہونے کے اسکی شخصیت مین کوئی خاص اہمیت نہین ہوتی اور یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ ہر ایک فسانہ کے خاص مماثل مین لوگون کو متوجہ کرنے کے لیے اہمیت کا ہونا ضروری ہے اسکے علاوہ جدید فسانہ نگاری کے احوال کے مطابق ایک کردار مین غیر فطری باتین جتنا جسقدر احتراز ہو اُتنا ہی اچھا ہے"۔

مسٹر ڈبلو جے لوکی کے جواب کا ضروری اقتباس یہ ہے۔ "میرا ایک فسانہ آف روڈ ہے اُسکا پلاٹ ایک واقعہ سے وابستہ ہے جسکے بیان کے لیے مجھے اپنی بابت کچھ کہنا پڑے گا اور شاید وہ خانگی ہی ہے لڑائی کے دوران مین ایک روز مین اور میری بیوی اسی کمرے مین کھانے کے بعد آرام کر رہے تھے اُس وقت ہمارا موضوع سخن جنگ تھا اور غالباً اُس وقت طبقہ کا موضوع سخن یہی ہوگا۔ کچھ دیر کے بعد ہم دونون خاموش ہوگئے مین اُٹھکر کمرے مین ٹہلنے ہی لگا تھا کہ میری بیوی کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ "کیا آپ کو کچھ کام نہین ہے جو آرام سے آپ ٹہل رہے ہین" مین مطلب سمجھ گیا وہ مجھے میری کاہلی پر ملامت کر رہی تھی وہ چاہتی تھی کہ میرا دماغ ہر وقت افسانون کے پلاٹ کی خاکہ کشی مین مشغول و مصروف رہتا ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ مین اپنی دماغی کاوش کو کتابی صورت مین تبدیل کرون میری بیوی کو ابھی روبہ صحت ہوئے عرصہ نہ گزرا تھا وہ بہت نحیف ہوگئی تھی وہ اس وقت سوفون کے چمکدار تکیون کی گہرائیون مین بہ آرام لیٹی ہوئی تھی۔ مین نے فوراً جواب دیا کہ "فسانہ نگاری ختم ہوچکی آج کل یہ کس کو پرواہ ہے کہ تیری کی شادی "جان" سے ہوگی یا نہین؟ اور تم ہی بتلاؤ کہ دنیا کے جملہ فسانون ناولون کا اسکے علاوہ کیا پلاٹ ہوتا ہے؟ مگر میری بیوی نے رعنائیت کے خفیف تبسم سے جو اس بات کا بین ثبوت تھا کہ میرے جملہ دلائل و براہین لاطائل تھے اُسنے اپنے کتے کو اٹھا کر گود مین بٹھا لیا........ اور ایک مخصوص ادائے نسائیت سے گود مین لیکر کھلانے لگی اور اُسکی جانب نہایت تعجب سے دیکھ کر کہا "پیارے تیرے لیے کوئی افسانہ نہین لکھتا" یہ جملہ گفتگو ختم...

اور مین نے کہا کہ مین ضرور ایک "ٹدی" بابت ایسا افسانہ لکھونگا جو کتے کی طرح محبت سے پالا گیا ہو۔ اور پھر جنگ کے میدان مین بھیجدیا گیا ہو مین فوراً نوشت وخواند کے کمرہ مین چلا گیا اور "رف روڈ" کے پلاٹ کا خاکہ کھینچنے مین مشغول ہوگیا اس واقعہ کی وجہ سے اس فسانہ کے بطل کا نام ٹدی ہوا اسکے علاوہ افسانہ کے پلاٹ مین مجھے اور ذرائع سے بھی معقول مدد ملی میرے ایک دوست کے ذریعہ سے مجھے ایک ٹومی کا فسانہ سننے کا اتفاق ہوا جو اپنی رجمنٹ سے دور فاصلہ پر زخمی پایا گیا تھا اور سب جیبین اوسکی مالا مال تھین ۔ ایک مہمانخانہ مین دو ٹومی کھانا کھا رہے تھے ایک غریب لڑکی نے اُس سے کہا کہ میرے گھر کا سب مال و زر ایک رسی مین باندھ کر ایک کوئین مین لٹکا دیا گیا ہے جو اُس کے رجمنٹ کے قریب ہے ایک ویران خطہ مین واقع ہے ٹومی نے ہمدردی سے وعدہ کیا اور اُس کوئین کی طرف جانے لگا لیکن راستہ بھول گیا اور عجیب وغریب طریقہ سے "جین" کی خاطر ٹدی ٹومی کوئین تک گیا۔ اور وہان وہ زخمی ہوا خندق مین گر پڑا جب یہ فسانہ شایع ہوا تو مجھکو یقین واثق تھا کہ ضرور کوئی نقاد اس واقعہ کو میرے تخیل کے مطلق العنانی کی ایک بیہودہ مثال قرار دیگا لیکن معاملہ اسکے برعکس ہوا تو مین سچ کہتا ہون کہ مجھکو اپنی زندگی کی سب سے بڑی ناکامی کا صدمہ ہوا۔

بے جے بیل فسانہ نگار کا جواب سنیے۔

"کشتی" اور "نلف" کو ساحل چھوڑے دس روز گزر چکے تھے مگر کہر آلود فضا اور طوفان کے سبب سے خاطر خواہ "وہیل" کا شکار نہین ملا تھا جہاز نے سینٹ کلڈا "کے کئی چکر لگائے برائنڈ سے گزرتے ہوئے" اوکربل "کو مغربی جانب چھوڑ کر کئی سو میل آگے نکل گیا تھا۔ یہان آخر تلاطم سمندر مین دو وہیلون کا شکار کیا مگر بہت جلد طوفان کی شدت کی بنا پر ساحل مین پناہ گزین ہونے پر مجبور کیا ہو وبڑے وہیلون کا وزن اور اس بارش وطوفان کی شدت...... جہاز کا ساحل تک پہونچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اسکے علاوہ ہر طرف سمندر ہی سمندر دکھائی دیتا تھا جس سے گفتگو کر وسوا وہیل کے کوئی تذکرہ ہی نہ تھا طبیعت سخت پریشان تھی...... مین نے یہ منظر اس لیے پیش کیے ہین کہ معلوم ہوجائے کہ اس نازک وقت مین میرے دماغ مین کس قسم کے خیالات جمع تھے۔ محبت۔ عشق۔ حزنیہ فسانہ کے خاکہ میرے ذہن سے کوسون دور تھے۔ اس شب کی یاد اب تک میرے دماغ مین بالکل تازہ ہے جب دس بجے کے قریب ہم نے بحر الکاہل کو اپنے پیچھے چھوڑا کر بندرگاہ کی طرف جہاز کا رُخ کیا تھا سمندر کی سوزش سطح پر چٹانون کے سرے پانی سے باہر نکلے ہوئے بڑی بڑی مچھلیون کی ہیئت معلوم ہورہے تھے اور ہمارا جہاز اُڑا تا ہوا ان مین ہوشیاری سے چلا جا رہا تھا۔ مین نے بے پرواہی سے نگاہین سامنے کو اٹھائین کہر آلود فضا مین کوئی ایک میل کے فاصلہ پر ایک چٹانی جزیرہ کا ایک مضمحل سا خاکہ دکھائی دیا۔ جو دھندلی فضا مین بے حد سنسان اور پر عظمت معلوم ہو رہا تھا مین سن چکا تھا کہ یہ جزیرہ بالکل غیر آباد ہے اس لیے کہ سردی کی شدت اور سمندر کا تلاطم انسان کو وہان آباد ہونے سے مانع ہے مگر کیا ہے میرے تخیل نے اُسے آباد کر دیا ایک سن رسیدہ شخص اسکی ایک لڑکی اور ایک ملازم وہان ایک لکڑی کے بنے ہوئے سفید مکان مین رہتے تھے جو نادر وضع کا تھا۔ اس شخص نے اپنے آپ کو ایک عالم ہیئت کا ماہر مشہور کیا تھا جسکے وہان قیام کا سبب واحد سمندر سے سونا نکال کر تجارت کرنا تھا مگر حقیقت یہ نہ تھی بلکہ دراصل یہ شخص جعلی نوٹ بنایا کرتا تھا جو اس غیر آباد جزیرہ مین پولیس کی دسترس سے باہر اور لوگون کے مشاہدہ سے محفوظ اپنی قسمت بنانے مین مشغول تھا مختصر یہ کہ فسانہ نگار کا فرض ہے کہ وہ فطرت کا مشاہدہ کرے ہر ممکن جگہ سے فسانہ کی کردار تلاش کرے اہم اور غیر اہم عناصر کو مناسب جگہ قائم رکھے اگر وہ زمانہ کیساتھ امتیازی تبدیلی افراد افسانہ مین نہ ہوئی تو فسانہ فنی نکات سے گر جائیگا۔ فسانہ نگار کو بیک وقت اعتماد پیدا ہونے کیلئے شاعر بھی ہونا چاہیے (خواہ وہ نثر ہی مین شاعری نہ کرے) اور شارح بھی۔ مقرر بھی ہونا چاہیے اور مصور بھی ہونا چاہیے اور ماہر موسیقی بھی کیونکہ فسانہ نگار ایک پامال عامیانہ کہاوت کو بھی ادبیات عالیہ کا درجہ عطا کر سکتا ہے

مزارِ آتشین

(از جناب منشی پریم چند صاحب بی اے اڈیٹر مادھری لکھنؤ)

اہل کمال کی صحبت میں بُرے بھی بھلے ہو جاتے ہیں مگر پیاگ کی بدنصیبی تھی کہ اُسپر اُس کا اُلٹا اثر ہوا۔ اسے گانجہ چرس اور بھنگ کی چاٹ پڑ گئی۔ اور کاہلی تو اُس کا لازمی نتیجہ تھی۔ تنگ دو ادرنگ تا زمیں یہ لطف کہاں کسی برگد کے سائے میں دھونی لگی ہوئی ہے ایک جٹا دھاری مہاتما رونق افروز ہیں۔ عقیدتمندوں کا ایک حلقہ مودب بیٹھا ہوا ہے۔ چرس کے دم لگ رہے تھے۔ چلم بھرنا پیاگ کا کام تھا عقیدتمندوں کو ثواب کے پرلوک کا انتظار کرنا پڑتا تھا پھر پیاگ کی تقدیر اپنے ہاتھ میں تھی، چلم پر پہلا حق اُسی کا ہوتا تھا۔ آہ! مہاتماؤں کی ان صحبتوں میں اسے کتنا روحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔ اُسپر بیخودی طاری ہو جاتی تھی۔ وہ کسی دوسری منور اور مرصع دنیا میں پہونچ جاتا تھا۔ اس لئے جب اُس کی بیوی رکمن رات کے دس گیارہ بج جانے پر اُسے بلانے آتی تو پیاگ کو حقیقت تلخ کا تجربہ ہوتا۔ دنیا اُسے ایک پُرخار جنگل سی نظر آتی۔ بالخصوص جب گھر آنے پر اُسے معلوم ہوتا کہ چولھا نہیں جلا اور جنسِ چبینے کی کچھ فکر کرنا ہے۔ وہ ذات کا بھر تھا۔ گاؤں کی چوکیداری اُس کی ملکیت تھی دو روپے اور کچھ آنے تنخواہ کے ملتے تھے۔ وردی اور صافہ مفت تھا۔

ہفتے میں ایک دن تھانے جاتا، وہاں حکام کے دروازوں پر جھاڑو لگاتا، اصطبل صاف کرتا اسی قبیل کے اور دوسرے کام کرتا جو بضرورت کئے جاتے تھے کیونکہ سرکشی مالی اور جسمانی دونوں ہی پہلوؤں سے نہنگی پڑتی تھی۔ آنسوپوں پچھتے تھے کہ چوکیداری میں اگر کوئی کام تھا تو اتنا ہی اور چار دن کے لئے دو روپے کئی آنے کم نہ تھے۔ پھر گاؤں میں اگر بڑے آدمیوں پر نہیں تو رذیلوں پر رعب تھا۔ تنخواہ پنشن تھی اور جب سے مہاتماؤں کی صحبت شروع ہوئی پیاگ کے صرف خاص کی مد میں آ گئی اور معاش کا سلسلہ روز بروز تشویشناک صورت اختیار کرنے لگا۔ ان صوفیانہ چرچوں کے قبل دونوں گاؤں میں مزدوری کرتے تھے، رکمن لکڑیاں توڑ کر بازار لے جاتی۔ پیاگ کبھی آرا کشی کرتا، کبھی ہل جوتتا۔ اُسے کسی کام سے عار نہ تھا۔ ہنس مکھ، زندہ دل، نیک نیت اور محنتی آدمی تھا۔ اور ایسا آدمی کبھی بھوکوں نہیں مرتا۔ پھر خود متکبر اور ایسا کہ کسی کام کے لئے نہیں نہ کرتا، کسی نے کچھ کہا اور وہ اچھا بھیا کہہ کر دوڑا۔ اس لئے گاؤں میں اُس کا رسوخ اور وقار کافی تھا۔ اُس کی بدولت صوفیانہ مجلسوں کے باوجود دو تین سال تک اُسکی آرام سے بسر ہوئی۔ دونوں وقت کا تو ذکر ہی کیا جب مہتو کو یہ بات حاصل نہ تھی جس کے دروازے پر چھ بیل بندھے نظر آتے تھے تو پیاگ کی کیا ہستی تھی۔ ہاں ایک وقت کی دال روٹی میں کلام نہ تھا مگر یہ سلسلہ روز بروز دشوار تر ہوتا جاتا تھا۔ اُسپر مزید یہ کہ رکمن بھی اب کسی وجہ سے اتنی وفاکیش،

اتنی جان سپار، اتنی جفاکش نہ تھی۔ اُس کے قوت اظہار اور بیان میں حیرت انگیز تغیر ہوتا جاتا تھا۔ اور بیاگ کسی ایسے سمی کی تلاش میں تھا جو اُسے فکر معاش سے آزاد کردے اور وہ بے غل وغش سرور روحانی سے بہرہ اندوز ہو۔ ایک دن رکمنی بازار سے لکڑیاں بیچکر لوٹی تو بیاگ نے کہا لا کچھ پیسے مجھے دیدے، دم لگا آؤں" رکمنی نے منہ پھیر کر کہا "دم لگانے کا شوق ہے تو کام کیوں نہیں کرتے، کیا آج کل کوئی بابا نہیں ہیں ؟"

بیاگ :۔ بھلا چاہتی ہے تو پیسے دیدے۔ نہیں اس طرح تنگ کریگی تو ایک دن میں کہیں نکل جاؤنگا۔ تب روئیگی۔

رکمنی نے انگوٹھا دکھا کر کہا "روئے میری بلا۔ تم نکل جاؤگے تو میں بھوکوں نہ مر جاؤنگی۔ اب بھی چھاتی پھاڑ کر کماتی ہوں تب بھی چھاتی پھاڑ کر کماؤنگی۔

بیاگ :۔ تو یہی بھید ہے

رکمنی :۔ ہاں ہاں کہہ تو دیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں ۔ تمھارا جو جی چاہے کرو۔

بیاگ :۔ گہنے بنوانے کے لئے پیسے ہیں اور میں چار پیسے مانگتا ہوں تو یوں جواب دیتی ہے۔

رکمنی نے تنک کر کہا :۔ گہنے بنواتی ہوں تو تمھاری چھاتی کیوں پھٹتی ہے۔ تم نے تو ایک پیتل کا چھلا بھی نہیں دیا۔ بیاگ اُس دن گھر نہ آیا۔ رات کے نو بج گئے تب رکمنی نے کھاٹ کر کواڑ بند کرلئے سمجھی کہیں گاؤں میں چھپا بیٹھا ہوگا۔ سمجھتا ہوگا مجھے منانے آئیگی۔ میری بلا جاتی ہے۔ دوسرے دن بھی بیاگ نہ آیا۔ تب رکمنی کو اندیشہ ہوا۔ گاؤں بھر دیکھ آئی۔ کسی اڈے پر چڑیا نہ ملی۔

اُس دن اس نے رسوئیں نہیں بنائی۔ رات کو لیٹی بھی تو بہت دیر تک آنکھیں نہ لگیں۔ خوف ہو رہا تھا بیاگ سچ مچ تو سادھو نہیں ہوگیا۔ اُس نے سوچا سویرے چلکر بیتا بیتا چھان ڈالونگی کسی سادھو سنت کے پاس بیٹھا ہوگا۔ سویرے وہ چلنے کی تیاری کر رہی تھی کہ بیاگ آتا ہوا دکھائی دیا۔ مگر اکیلا نہ تھا۔ اُس کے پیچھے پیچھے ایک عورت تھی۔ اُس کی چھینٹ کی نئی ساری رنگی ہوئی چادر اور شرمیلی چال دیکھکر رکمنی کا کلیجا دھک سے ہوگیا وہ ایک لحظہ تک مفلوج سی کھڑی رہی۔ تب اس نے بڑھکر نئی سوت کو ہاتھوں سے سنبھال لیا اور اُسے اس طرح آہستہ آہستہ گھر کے اندر لے چلی جیسے کوئی مریض علاج سے مایوس ہو کر زہر کا گھونٹ حلق کے اندر لے جائے جب محلے کی عورتوں کا ہجوم کم ہوا تو رکمنی نے بیاگ سے پوچھا "اسے کہاں سے لائے ؟" بیاگ نے ہنسکر کہا "گھر سے بھاگی جاتی تھی مجھے راستے میں مل گئی، ساتھ لے آیا، گھر کا کام دھندا کریگی پڑی رہیگی۔

رکمنی :۔ معلوم ہوتا ہے مجھ سے تمھارا جی بھر گیا

بیاگ :۔ دت پگلی اسے تیرے سیوا ٹہل کرنے کو لایا ہوں۔

رکمنی نے ترچھی نظروں سے دیکھکر کہا "نئی کے آگے پرانی کو کون پوچھتا ہے !"

بیاگ نے چل :۔ من جس سے ملے وہی نئی ہے جس سے من نہ ملے وہ پرانی ہے۔ لا کچھ پیسے ہوں تو دیدے۔ تین دن سے دم نہیں لگائی۔ پیر سیدھے نہیں پڑتے۔ ہاں دیکھ دو چار دن اس بیچاری کو کھلا پلا دے، پھر تو آپ ہی کام کرنے لگے گی۔

رکمنی نے سمو چار روپیہ لاکر بیاگ کو دیدیا دوسری بار کہنے کی

ضرورت نہ پڑی

(۲)

بیاگ میں چاہے کوئی مادہ ہو یا نہ ہو مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ سیاست کے ابتدائی اصولوں سے واقف تھا اُس نے افتراق کی پالیسی پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ایک مہینے تک کسی قسم کی پریشانی نہ ہوئی رکمنی بے عذر ہو گئی تھی۔ بڑی سویرے اُٹھتی۔ اور کبھی لکڑیاں توڑ کر، کبھی چارا کاٹ کر، کبھی اُپلے پاتھ کر بازار چلی جاتی۔ وہاں جو کچھ ملتا اُس کا نصف تو بیاگ کے ہتھے چڑھتا اور نصف میں گھر کا کام چلتا۔ وہ سوت کو کوئی کام نہ کرنے دیتی۔ پڑوسیوں سے کہتی بہن سوت ہے تو کیا ہے تو ابھی بھریا۔ دو چار مہینے بھی آرام سے نہ رہیگی تو کیا یاد کریگی۔ میں تو کام کرنے کو ہوں ہی۔ گاؤں بھر میں اُس کی وضعداری کا چرچا ہو لیے گا مگر صحبت یافتہ گھاگ بیاگ سب کچھ سمجھتا تھا اور اپنی پالیسی کی کامیابی پر خوش ہوتا تھا۔

ایک دن نئی بہو نے کہا "دیدی اب تو گھر میں بیٹھے بیٹھے جی اوبتا ہے۔ مجھے بھی کوئی کام دلا دو"

رکمنی:۔ کیا میرے منہ میں کالکھ پتوانے پر لگی ہوئی ہے۔ بھیتر کا کام کئے جا۔ باہر کیواسطے تو میں ہوں ہی۔

بہو کا نام سلیا تھا۔ اسوقت تو سلیا نے کچھ جواب نہ دیا لیکن یہ لونڈیوں کی زندگی اُس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہی تھی میں دن بھر گھر کا کام کروں کوئی نہیں پوچھتا۔ وہ باہر سے چار پیسے لاتی ہے تو مالکن بنی ہوئی ہے۔ اب میں بھی مزدوری کرونگی اور اُن کا گھمنڈ توڑونگی۔ بیاگ پیسے کا یار ہے۔ یہ حقیقت اُسپر رفتہ رفتہ واضح طور پر آشکارا ہو گئی جب رکمنی چارہ لیکر بازار چلی گئی تو گھر کی نئی لگائی گاؤں میں اپنا تعارف کرنے چلی۔ گاؤں میں باہمن، ٹھاکر، کایستھ، بنئے سبھی تھے۔ ان سب گھروں میں سلیا کی آؤ بھگت ہوئی۔ کسی نے چاول دیا، کسی نے کچھ، کسی نے کچھ۔ دوسرے دن سے سلیا پسائی کرنے لگی۔ اُس نے دائرۂ عمل میں قدم رکھا پچھلے رات ہی سے چکی کی آواز آنے لگی۔

بیاگ نے پوچھا آج تو سلیا بڑے سویرے پیسنے لگی۔

رکمنی پیسنے کو کیا تھا۔ میں تو بجار سے آٹا لائی ہوں۔ جا کر دیکھتی ہوں نا۔

رکمنی نے برو ٹھے میں جا کر دیکھا تو سلیا ایک ٹوکری میں دس پندرہ سیر گیہوں رکھے پیس رہی تھی۔ رکمنی نے جا کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گیہوں کی ٹوکری اُٹھا کر بولی تجھ سے پیسنے کو کس نے کہا ہے؟ کس کا گیہوں پیس رہی ہے"

سلیا نے بیباکانہ انداز سے کہا "تم جا کر آرام سے سوتیں کیوں نہیں۔ میں پیستی ہوں تو تمھارا کیا بگڑتا ہے۔ چکی کی گھمر گھمر بھی نہیں سہی جاتی۔ لاؤ ٹوکری دیدو۔ بیٹھے بیٹھے کب تک کھاؤں گی۔ دو مہینے تو ہو گئے"۔

رکمنی۔ میں نے تو تجھسے کچھ نہیں کہا۔

سلیا۔ تم کہو چاہے نہ کہو۔ اپنا دھرم بھی تو کچھ ہے۔

رکمنی۔ تو ابھی یہاں کے آدمیوں کو نہیں جانتی۔ آٹا پساتے تو سب کو اچھا لگتا ہے پیسے دیتے وقت البتہ رو تی ہیں کس کا گیہوں ہے میں سویرے اُس کے سر پٹک آؤنگی۔

سلیا نے رکمنی کے ہاتھ سے ٹوکری چھین لی اور بولی پیسے کیوں

نہ دینگی کچھ بیگار کرتی ہوں

رکمنی۔ تو نہ مانے گی۔

سلیا۔ نہیں تمھاری لونڈی بنکر نہ رہوں گی۔

پیاگ یہ تکرار سنکر آ پہونچا۔ اور رکمنی سے بولا کام کرتی ہے تو کرنے دے۔ اب کیا جنم بھر بہریا بنی رہیگی ہو تو گئے دو مہینے

رکمنی۔ تم کیا جانو۔ ناک تو میری ترکٹے گی۔

سلیا۔ تو کیا کوئی بیٹھے بیٹھے کھلا دیتا ہے۔ چوکا برتن جھاڑو بہارو پیسنا کوٹنا یہ کون کرتا ہے۔ پانی کھینچتے کھینچتے میرے ہاتھوں میں گٹھے پڑ گئے۔ مجھ سے اب یہ تمھارا کام نہ ہوگا

پیاگ۔ تو ہی بجار جایا کر۔ گھر کا کام رہنے دے رکمنی کرلیگی

رکمنی۔ ایسی بات منہ سے نکالتے لاج نہیں آتی تین دن کی بہریا باجار میں گھومے گی تو سنسار کیا کہیگا

سلیا۔ سنسار کیا کہیگا۔ کیا کوئی عیب کرنے جاتی ہوں۔

سلیا کی ڈگری ہوگئی۔ عنان حکومت رکمنی کے ہاتھ سے نکل گئی۔ سلیا کی عملداری ہوئی۔ جوان عورت تھی گیہوں پیس کر اٹھی تو اور عورتوں کے ساتھ گھاس چھیلنے چلی گئی اور اتنی گھاس چھیلی کہ سب دنگ رہ گئیں۔ گٹھا اٹھائے نہ اٹھتا تھا۔ جو مرد اس کام میں بہت مشاق تھے اُن سے بھی اُس نے بازی مار لی۔ یہ گٹھا ۱۲؍ کو بکا۔ سلیا نے آٹا، چاول، دال، تیل، نمک، ترکاری مسالا سب کچھ لیا، پھر بھی اُس کے پاس ۴؍ بچ رہے۔ رکمنی نے سمجھ رکھا تھا کہ سلیا بازار سے دو چار آنے پیسے لیکر لوٹے گی تو اُسے ڈانٹونگی اور دوسرے دن سے پھر بازار جانے لگوں گی۔ مگر یہ سامان دیکھے تو اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔

پیاگ کھانے بیٹھا تو مسالے دار ترکاری سے لب بند ہو رہے تھے مہینوں سے ایسی لذیذ چیز نہ میسر ہوئی تھی۔ بہت خوش ہوا کھانا کھا کر باہر جانے لگا تو سلیا بر دٹھے میں کھڑی تھی۔ بولا آج کتنے پیسے ملے۔

سلیا۔ بارہ آنے ملے تھے۔

پیاگ سب خرچ کر ڈالے۔ کچھ بچے ہوں تو مجھے دیدے۔

سلیا نے بچے ہوئے چار آنے نکال کر دیدئے۔ پیاگ پیسے کھنکھناتا ہوا بولا۔ "تو نے تو آج مالا مال کر دیا۔ رکمنی تو اتنے پیسے کبھی نہ دیتی تھی"

سلیا مجھے بٹور کر رکھنا تھوڑا ہے۔ پیسے کھانے پینے کے لئے ہیں کہ گاڑ کر رکھنے کے لئے۔

پیاگ۔ اب تو ہی بجار جایا کر۔ رکمنی گھر کا کام کریگی اور دیکھ میں یہیں لیٹوں گا۔ ذرا چلی آنا۔ تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

(۳)

رکمنی اور سلیا میں اب معرکہ کارزار گرم ہوگیا۔ سلیا برسر اختیار رہنے کے لئے روز بروز زیادہ محنت کرتی۔ پہر رات سے گیہوں پیستی۔ پھر گھاس لاتی اور بازار جاتی وہاں سے لوٹ کر جو گھنٹہ آدھ گھنٹہ وقت بچتا اُسے بھی بیکار نہ کھوتی۔ سن کاتتی۔ رسی بٹتی۔ رکمنی اس کے انتظام میں نقص نکالا کرتی اور جب موقع ملتا گوبر بٹور کر اُپلے پاتھتی اور گاؤں ہی میں اُپلے بیچکر پیسے لاتی پیاگ کے دونوں ہاتھوں میں لڈو تھے۔ دونوں بیویاں اُسے زیادہ سے زیادہ پیسے دینے اور اُس کی خوشنودی مزاج کا بیشتر حصہ اپنے تصرف میں کرنے کی کوشش کرتی رہتیں۔ مگر سلیا نے

کچھ ایسا آسن جما لیا تھا کہ کسی طرح ہٹائے نہ ہٹتی تھی۔
یہاں تک کہ ایک دن دونوں میں علانیہ اعلان جنگ ہوگیا
سلیا گھاس لیکر آئی تو پسینے میں تر تھی۔ پھاگن کا مہینہ تھا۔
دھوپ تیز تھی۔ اُس نے سوچا نہا کر تب بازار جاؤں۔
گھاس دروازے پر رکھ کر وہ تالاب نہانے چلی گئی۔ رکمنی نے
تھوڑی سی گھاس چپکے سے نکال کر پڑوسن کے گھر میں چھپادی
اور گٹھے کو ڈھیلا کرکے برابر کردیا۔ سلیا نہا کر لوٹی تو گھاس
کم معلوم ہوئی۔ رکمنی سے پوچھا۔ اُس نے لاعلمی جتائی۔ سلیا نے
گالیاں دینا شروع کیں۔ جس نے میری گھاس چھوئی ہو اُسکے
بدن میں کیڑے پڑیں اُس کے باپ اور بھائی مرجائیں۔ اُس کی
آنکھیں پھوٹ جائیں"۔

رکمنی کچھ دیر تک ضبط کئے بیٹھی رہی مگر آخر خون میں
اُبال آہی گیا جھلا کر اُٹھی اور سلیا کے دو تین طمانچے لگادئے
سلیا ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگی۔ سارا محلہ جمع ہوگیا۔ سلیا نے
اپنے حسن خدمات سے گاؤں والوں میں حسد کی آگ مشتعل کردی
تھی۔ وہ سب سے زیادہ گھاس کیوں چھیلتی ہے؟ سب سے
زیادہ لکڑیاں کیوں توڑ لاتی ہے؟ اتنے سویرے کیوں اُٹھتی ہے؟
اتنے پیسے کیوں کماتی ہے۔ ان وجوہ نے اسے پڑوسیوں کی
ہمدردیوں سے محروم کردیا تھا۔ سب اُسی کو بُرا بھلا کہنے لگیں
مٹھی بھر گھاس کے لئے اتنا مہا متھ مچا ڈالا۔ اتنی گھاس تو آدمی
جھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ پھر تمھیں سوچنا چاہئے تھا کہ اگر
کسی نے لی ہو تو گاؤں گھر ہی کا۔ باہر کا کوئی چور تو آیا نہیں
تم نے اتنی گالیاں دیں تو کس کو دیں۔ پڑوسیوں کو ہی تو"

اُس دن پیاگ تھانے گیا تھا۔ شام کو لوٹا تو تھکا ہوا تھا۔ آتے ہی آتے
سلیا سے بولا "لا کچھ پیسے دے تو دم لگا آؤں"۔ سلیا اُسے دیکھتے ہی
بہ آواز بلند رونے لگی۔

پیاگ۔ ہوا کیا، کیوں روتی ہے۔ کہیں کمی تو نہیں ہوگئی۔ نیہر سے
تو کوئی آدمی نہیں آیا۔

سلیا۔ اب میرا اس گھر میں رہنا نہ ہوگا۔ میں اپنے گھر جاؤنگی۔

پیاگ۔ ارے کچھ منہ سے تو بول۔ ہوا کیا۔ سنو تو سہی۔ گاؤں
میں کسی نے گالی دی ہے، کسی نے کچھ کہا ہے؟ گھر پھونک دوں
اُس کا چالان کرادوں۔

سلیا نے رو رو کر سارا قصہ بیان کیا۔ پیاگ پر اُس دن
تھانے میں خوب جوتے پڑے تھے۔ جھلایا ہوا تھا ہی۔ یہ قصہ
سنا تو بدن میں آگ لگ گئی۔ رکمنی پانی بھرنے گئی تھی وہ ابھی
گھڑا بھی نہ رکھنے پائی تھی کہ اُس پر بل پڑا اور مارتے مارتے
بیدم کردیا۔ وہ مار کا جواب گالیوں سے دیتی تھی۔ اور ہر ایک
گالی پر وہ اور بھی جھلا جھلا کر مارتا تھا یہانتک کہ رکمنی کی
گھٹنیاں پھوٹ گئیں۔ چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔ سلیا بیچ بیچ میں اشتعال
دیتی جاتی تھی" واہ رے دیدہ! واہ ری جبان۔ ایسی تو عورت
ہی نہیں دیکھی۔ عورت کاہیکو ڈائن ہے۔ جرا بھی منہ میں لگام نہیں
پیاگ مارتے مارتے تھک کر جھلا بیٹھا تھا پر رکمنی کی زبان
نہ تھکتی تھی۔ بس اس کی زبان پر یہی رٹ لگی ہوئی تھی" تو مرجا
تیری مٹی نکلے۔ تیری لاش نکلے۔ تجھے بھوانی کھائیں، تجھے مرگی
آئے۔ پیاگ رہ رہ کر غصہ سے بے اختیار ہوجاتا اور جاکر
دو چار لاتیں جما دیتا۔ پر رکمنی میں غالباً اب حس ہی نہ تھا۔

وہ سر کے بال کھولے وہیں زمین پر بیٹھی انھیں منتروں کا جاپ کر رہی تھی۔
اس کے لہجے میں اب غصہ نہ تھا۔ ایک مجنونانہ بے ساختگی تھی۔ اس کے وجود کا
ذرہ ذرہ انتقام کی آگ سے جل رہا تھا۔ اندھیرا ہوا تو رکمنی اٹھکر ایک طرف
چلی گئی۔ سوہ کا آخری تار ٹوٹ گیا۔

(۴)

جب فصل تیاری کے قریب ہوتی تھی تو ڈیڑھ دو مہینے بیاگ کو ہار کی
دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی۔ اسے کسانوں سے دونوں فصلوں پر کچھ نہ کچھ
سنہ ہوا تھا۔ ماگھ ہی میں وہ ایک منڈیا ڈال لیتا تھا۔ اور رات کو کھا پی کر
آگ، چلم، تمباکو، چرس لئے ہوئے اسی منڈیا میں آکر پڑ رہتا تھا جیت کے آخر تک
اُسکا یہی شغل رہتا تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا۔ فصل پکی ہوئی تیار کھڑی تھی۔ دو چار دن میں
کٹائی شروع ہونے والی تھی۔ بیاگ نے دس بجے رات تک رکمنی کی راہ دیکھی پھر یہ
سمجھ کر کہ شاید کسی پڑوسن کے یہاں سو رہی ہوگی اس نے کھاپی کر اپنی لاٹھی
چلم، آگ اٹھائی اور سلیا سے بولا کیواڑ بند کرے۔ اگر رکمنی آئے تو کھول دینا
کھانے کو کہنا منا کر کچھ ضرور کھلا دینا تیرے پیچھے آج اتنا تو ہیجان ہو گیا۔ آج
نہ جانے مجھے اتنا گسا کیسے آ گیا میں نے اُسے کبھی پھول کی چھڑی سے بھی
نہیں چھوا تھا۔ کہیں ڈوب دہنس نہ مری ہو نہیں تو کل آ ہی جاتی جائے
سلیا بولی "نہ جانے وہ آئیں نہ آئیں میں اکیلے کیسے رہونگی۔ مجھے تو ڈر لگتا
ہے میں اکیلے گھر میں کبھی نہیں رہی۔"
بیاگ۔ تو گھر میں کون رہیگا۔ سونا گھر پاکر کوئی لوٹا، تھالی اُٹھا لیجائے
تو؟ ڈر کس بات کا ہے۔ پھر رکمنی تو آتی ہی ہوگی۔

سلیا نے ٹٹی اندر سے بند کر لی۔ بیاگ مزرعے کی طرف چلا دم کے سرور میں ایک
بھجن گاتا جاتا تھا۔ "ٹھگنی کیوں نینا جھمکاوے، کدو کاٹ مردنگ بنائے۔
ٹیسو کاٹ مجیرا۔ پانچ تروئی منگل گاویں۔ ناچیں بالم کھیرا۔ ٹھگنی۔ روپا
بھر کے روپ دکھاؤں سونا بھر رجھاوے۔ گلے ڈال تلسی کی مالا تین لوک
بھرمار میں ٹھگنی"۔ یکایک اُس نے دیکھا کہ سامنے ہار میں کسی نے آگ جلائی
ایک شعلہ اُٹھا۔ اُس نے چلا کر پوچھا۔ کون ہے ارے یہ کون آگ جلاتا ہے
اس کا جواب بلند ہونے والے شعلوں نے آتشیں زبان سے دیا۔ اب بیاگ
کو معلوم ہوا کہ اُس کی منڈیا میں آگ لگی ہوئی ہے منڈیا ہار کے بیچوں بیچ
میں تھی جس میں وہ سارے مزرعے پر مرکزی نگاہ ڈال سکے۔ اُس منڈیا میں
آگ لگنا روئی کے ڈھیر میں آگ لگنا تھا۔ ہوا چل رہی تھی منڈیا کے
چاروں طرف ایک ہاتھ کے فاصلے پر پکی ہوئی فصل کے تختے لہرا رہے
تھے اندھیری رات میں بھی اس کا سنہرا رنگ کچھ کچھ جھلک رہا تھا۔ آگ کی
ایک لپٹ سارے ہار کو جلا کر خاکستر کر دیگی سارا گاؤں تباہ ہو جائے گا
اسی ہار کے ڈانڑے پر آس پاس کے موضعوں کے ہار بھی تھے۔
وہ بھی جل اُٹھیں گے۔ اوہ! شعلے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ بیاگ
نے اُپلا اور چلم وہیں پٹک دی کندھے پر لوہ بند لاٹھی رکھے ہوئے
بے تحاشا منڈیا کی طرف دوڑا۔ مینڈوں سے جانے میں چکر تھا
وہ کھیتوں میں سے ہو کر بھاگا جا رہا تھا۔ ہر لحظہ شعلے بلند تر ہوتے
جاتے تھے اور بیاگ کے قدم تیز تر۔ کوئی تیز گھوڑا بھی اسوقت اُسے
نہ پا سکتا۔ اُسے خود اپنی تیزی پر حیرت ہو رہی تھی۔ جان پڑتا تھا
پاؤں زمین پر پڑتے ہی نہیں۔ اُس کی نظریں شعلوں پر تھیں۔
دائیں بائیں اُسے اور کچھ نہ سوجھتا تھا۔ اس یکسوئی نے اُسے
مافوق البشر بنا دیا تھا۔ نہ دم پھولا، نہ پیروں میں تھکن ہوئی تین چار فرلانگ
اس نے دو منٹ میں طے کئے اور منڈیا کے پاس جا پہونچا۔ وہاں کوئی آدمی نہ تھا
شعلے شریر لڑکوں کی طرح ہنستے، دھکم دھکا کرتے، کبھی دائیں طرف لپکتے کبھی بائیں طرف
بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لپٹ اب کھیت تک پہونچی۔ گویا شعلے قصداً کیاریوں

کی طرف بڑھتے اور ناکام ہوکر دوسری بار پھر دونے جوش سے لپکتے
تھے لاٹھی سے پیٹ کر آگ بجھانے کا موقع نہ تھا وہ تو صریح حماقت
تھی۔ پھر کیا ہو فصل جل گئی تو پھر وہ منہ نہ دکھا سکیگا اور گاؤں
میں کہرام مچ جائیگا۔ تباہی آجائیگی۔

دفعتہً اُس نے لاٹھی سنبھال کر ایک چھلانگ ماری اور
شعلوں کے اندر منڈیا کے دروازے پر تھا۔ ایک ہی سکنڈ میں
ایک تختۂ آتشیں معلق ہوا میں ایک سمت کو اڑتا ہوا نظر آیا۔
پیاگ نے جلتی ہوئی منڈیا کو اپنی لاٹھی پر اُٹھا لیا تھا اور اُسے
لئے ہوئے سب سے چوڑی مینڈ پر بھاگا چلا جارہا تھا۔ پھونس
کی جلتی ہوئی دھجیاں اس کے اوپر گرتی جاتی تھیں۔ پھر اُسے
اُس کا حس بھی نہ ہوتا تھا۔ ایک بار ایک مٹھا الگ ہوکر اس کے
ہاتھ پر گرا۔ ادھر کی کھال بھن گئی۔ پر ہاتھوں میں ذرا بھی جنبش
نہیں ہوئی ہاتھ کا ہلنا کھیتی کا تباہ ہونا تھا۔ نادر کی جنبش ابرو
میں بھی شاید اتنی تباہ کن قوت نہ تھی۔ اگر خوف تھا تو یہی کہ وہ بیچ
کا حصہ جہاں اُس نے لاٹھی ڈال کر منڈیا اُٹھائی تھی نہ جل جائے
ورنہ سوراخ کے بڑھتے ہی منڈیا اُس کے اوپر آگرے گی۔ اور وہ
اس مزار آتشیں کے نیچے دب جائیگا۔ اُس کے ساتھ ہی فصل بھی تباہ
ہوجائیگی۔ اس لئے وہ خیال کے پرواز سے اڑا جاتا تھا۔ سو فرلانگ
کی دوڑ ہے۔ مرگ آتشیں پیاگ کے سر پر اُڑتی ہوئی چلی جارہی ہے
کس کے سر پر موت اس طرح کھیلی ہوگی۔ تیز رفتاری کے باعث
شعلوں کا رُخ پشت کی طرف ہوگیا ہے۔ اُس کی قوت کا بیشتر حصہ
ہوا کا مقابلہ کرنے میں صرف ہورہا ہے ورنہ اب تک مرکزی حصہ
کب کا جل گیا ہوتا اور پیاگ شعلوں کے نیچے دب جاتا۔

ایک فرلانگ طے ہوگیا۔ بس ایک فرلانگ کی اور کسر ہے
دیکھنا پیاگ! قدم ذرا بھی سست نہ ہوں۔ لاٹھی کے
کُندے پر شعلے پہونچے اور تمھاری زندگی کا خاتمہ ہے۔ اور مرنے
کے بعد بھی تمھیں گالیاں ملیں گی۔ تم نالہ ہائے سوزاں کی آگ میں
تاقیامت جلتے رہوگے۔ بس ایک منٹ اور صرف دو کھیت رہ گئے ہیں
آہ! منڈیا نیچے کھسک پڑی۔ کُندا اُس کے سوراخ کے پار ہوگیا
اب کوئی اُمید نہیں شعلے ایک ایک انچ نیچے کی طرف کھسکتے آرہے ہیں
وہ آخری کھیت آپہونچا۔ اب صرف دو سکنڈ کا اور معاملہ ہے۔ فتح
کا دروازہ وہ سامنے بیس ہاتھ کے فاصلہ پر ہے ادھر جنت ہے اُدھر
جہنم۔ مگر............ وہ منڈیا کھسکتی ہوئی پیاگ کے سر پر آپہونچی
وہ اب بھی اُسے سر سے پھینک کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ مگر اُسے
جان اتنی پیاری نہیں، وہ اسے سر پر لئے بھاگا جارہا ہے۔ یکایک
ایک سکنڈ میں اُس کی لاش سر پر ہوگی اور شعلے اُس کے جسم پر رقص
کر رہے ہوں گے اور کیا عجب ہے فصل کا میدان بھی انکا رقص گاہ بن جائے
یکایک رکمنی سامنے درخت کے نیچے سے بے تحاشا دوڑتی آتی ہوئی نظر
آئی اُس نے فوراً پیاگ کے سامنے آکر اس تختۂ سوزاں کو دونوں ہاتھوں پر
لے لیا اور اُسی وقت پیاگ بیہوش زمین پر گر پڑا رکمنی اس کا شانۂ سوزاں
کو لئے ہوئے ایک ہی سکنڈ میں آخری کھیت کے ڈانڈے پر جا پہونچی
مگر اتنی ہی دور میں اُسکے ہاتھ جل گئے اور جلتی ہوئی جھونپڑی اس کے سر پر گر پڑی
اور ایک لمحے میں رکمنی شعلوں کا نوالہ بن گئی۔ کچھ دیر تک منڈیا کے نیچے جنبش ہوتی
رہی پھر سکون ہوگیا رکمنی اس مزار آتشیں میں دفن ہوگئی۔ ذرا دیر کے بعد گاؤں کے
آدمی جمع ہوگئے تو دیکھا پیاگ اس نیم سوختہ منڈیا کے سامنے سر جھکائے
کھڑا آگ کو آنسوؤں سے بجھا رہا ہے۔ مگر اُسکے اندر کی آگ کو کون بجھائیگا؟

روح جسم سے جدا ہونیکے بعد

(از جناب مولانا نیاز فتحپوری مدیر "نگار" لکھنؤ)

یوسف ابتدائے عمر سے بہت جستجو پسند طبیعت لیکر آیا تھا، اور ہر پوشیدہ و غیر معلوم شے تک پہونچنے کے لئے بیتاب رہتا تھا، روحانیت کے متعلق خصوصیت کے ساتھ اسے بہت دلچسپی تھی اور اس کا اعتقاد تھا کہ نہ صرف خیال انسانی بلکہ اس کا شبح (جسے روح حیوانی بھی کہہ سکتے ہیں) بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے۔

اس نے اپنے ایک دوست کو شریک کار بنایا اور روح حیوانی کے منتقل کرنے کا تجربہ شروع کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ایک مقررہ وقت پر یوسف اور اس کا دوست عزیز دونوں اپنے اپنے کمروں میں بیٹھکر قوت تصور سے روح کو منتقل کرنے کی کوشش کریں۔ چونکہ یوسف، مقناطیسیت ذاتی کی مشق کر چکا تھا اور وہ اپنے اوپر نوم مقناطیسی آسانی سے طاری کر سکتا تھا اس لئے سب سے پہلے اسی نے کوشش کی کہ اپنی روح کو عزیز کے مکان تک پہونچائے جو دو میل کے فصل سے واقع تھا،

کئی شامیں اسی تجربے میں گزر گئیں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، لیکن چھٹی یا ساتویں شام کو عزیز نے یوسف کی شبیہ کو اپنے کمرے میں دیکھا عزیز کا بیان ہے کہ ہر چند یہ نظارہ نہایت ہی آنی تھا لیکن بالکل یقینی اور صاف و روشن اس نے محسوس کیا کہ یوسف کا چہرہ سفید تھا اور بال پریشان۔ ایک لمحے تک تو عزیز کی حالت یہ رہی کہ وہ حیرت سے حرکت بھی نہ کر سکا اور اس کے بعد اُس نے ایسا محسوس کیا کہ وہ شبیہ اس کے شانے کے اوپر سے پرواز کرتی ہوئی فضا میں تحلیل ہو گئی۔

یہ بات پہلے طے ہو چکی تھی کہ جب کسی کو کوئی چیز نظر آئے تو فوراً اُس کی تصویر لے لیجائے، لیکن عزیز کچھ ایسا متعجب ہوا کہ وہ برمحل تصویر لینا بھول گیا اور جب اس نے کیمرا لیکر تصویر لینا چاہی تو بہت دیر ہو چکی تھی بہر حال عزیز، تجربے کی اس کامیابی سے بہت خوش تھا اُس نے ظہور شبیہ کا ٹھیک وقت نوٹ بک میں درج کر لیا اور فوراً گاڑی پر سوار ہو کر یوسف کی طرف چلا تاکہ اُس سے سارا حال بیان کرے۔

جس وقت عزیز، یوسف کے مکان پر پہونچا تو وہ یہ دیکھکر سخت متحیر ہوا کہ صدر دروازہ کھلا ہوا ہے اور اندر روشنی ہو رہی ہے تمام چیزیں بدترتیبی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہیں۔ دوات ٹوٹی ہوئی ہے، کتابیں منتشر ہیں، کھڑکیوں کے پردے پھٹے ہوئے ہیں اور دیوار کا کاغذ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بلی نے انتہائی برہمی کی حالت میں اُسے نوچا ہے۔

چند منٹ تک عزیز نے اس منظر کو دیکھا اور پھر اندر داخل ہوا کہ شاید یوسف آرام کرسی پر پڑا ہوا ہے لیکن اُسے اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اُس نے دربان کو آواز دیکر بلایا اور پوچھا "یوسف کہاں ہے"

کیا تم کو معلوم نہیں کہ سارا فرنیچر ٹوٹا پڑا ہے۔ دربان نے یہ سنکر کمرے کی حالت کو دیکھا اور بولا کہ مجھے ان چیزوں کی تو خبر نہ تھی' لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ یوسف باہر چلے گئے ہیں اور غالباً پاگل ہوگئے ہیں آدھ گھنٹہ ہوا کہ وہ اپنے کمرے سے نہایت مضطرب ہوکر ننگے سر ننگے پاؤں، پریشان بال لئے ہوئے نکلے اور سڑک پر جاکر کسی طرف غائب ہوگئے۔ جس وقت وہ میرے پاس سے گزرے تو قہقہے ہنسے لیکن وہ ہنسی ایسی تھی جیسے موت کے سکرات' منہ کھلا ہوا تھا' آنکھیں باہر کو اُبلی پڑتی تھیں اور سخت تکلیف کا اظہار اُنکی ہر ہر بات سے ہو رہا تھا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ کو جنبش دی اس حال میں کہ پنجے اور ناخن حملہ کرنے والے شیر کی طرح ٹیڑھے اور اینٹھے ہوئے تھے' اسی کیساتھ نہایت خوفناک دہیمی آواز سے یہ کہتے ہوئے گزر گئے کہ "زندگی' ہائے زندگی"

عزیز اس بیان کو حد درجہ حیرت و تاسف کے ساتھ سنتا رہا اور کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید یوسف واپس آجائے لیکن یہ انتظار بیسود ثابت ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ کوئی عقلی تاویل اس کی کرنا چاہتا تھا' لیکن کوئی بات اُسکی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد خاص عالم محویت میں وہاں سے روانہ ہوکر گھر پہونچا اور بستر پر جاکر سونے کی کوشش کرنے لگا دیر تک اُس کو نیند نہ آئی اور وہ اسی طرح بیتاب کروٹیں لیتا رہا بمشکل تمام پچھلے پہر کے وقت اُس کی آنکھ لگی ہوگی کہ اُس نے یوسف کو دیکھا جو بے انتہا پریشان تھا اور اُس کی حالت گویا یہ کہہ رہی تھی کہ میری مدد کرو۔

عزیز جب تک سوتا رہا اسی قسم کے وحشتناک خواب اسکو نظر آتے رہے' اور جب بیدار ہوا تو اُس کا دل اُس کے بوجھ سے وزنی تھا۔ وہ کچھ دیر تک لیٹا ہوا اسی طرح سوچتا رہا' کانپتا رہا' اور پھر تھوڑی دیر کے بعد کچھ سوچکر دفعتہً اُٹھا' روشنی کی' جلدی جلدی کپڑے پہنے اور باہر نکل گیا تاکہ پھر یوسف کے گھر جاکر معلوم کرے کہ وہ واپس آیا ہے یا نہیں۔ سڑکیں سنسان تھیں اور سوائے پہرہ دینے والے سپاہیوں کی آواز قدم کے اور کوئی اثر حیات نہ پایا جاتا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد کسی نامعلوم کشش کی بنا پر وہ اس راستہ سے ہٹ گیا جو یوسف کے مکان تک جاتا تھا اور دوسری سڑک پر ہولیا جہاں ابھی تک ہوٹلوں وغیرہ میں کافی چہل پہل تھی اور بعض دوکانوں کی رنگین روشنیوں میں کچھ لوگ چلتے پھرتے نظر آتے تھے' وہ اس سڑک پر مڑا ہی تھا کہ دفعتہً اُس نے ایک شور و ہنگامہ سنا اور ہوٹل کے پہلو سے اُس نے ایک شخص کو اپنی طرف نہایت تیزی اور بدحواسی سے دوڑکر آتے ہوئے دیکھا۔ یہ شخص یوسف تھا' لیکن حالت یہ تھی کہ کوئی شخص اسے دیکھ کر پہچان نہ سکتا تھا' بال پریشان' سر و پا برہنہ' کپڑے تار تار صورت سے حد درجہ وحشت برستی تھی' اور تمام کیفیات وہی تھیں جو ایک دیوانہ میں ہوا کرتی ہے'۔

وہ جونہی عزیز کے پاس سے گزرا' عزیز نے اُس کو آواز دی لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور جب اُس نے روکنا چاہا تو پوری قوت کے ساتھ لکڑی اُس کے چہرے پر ماری جس سے عزیز چکر کھاکر گر پڑا اور یوسف بھاگ گیا۔ جب عزیز کو ہوش آیا اور اُسنے نگاہ اُٹھاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک سپاہی اور کچھ لوگ نہایت تیزی سے اُس کے تعاقب میں دوڑے جارہے ہیں۔ چند آدمی

عزیز کے گرد بھی جمع ہوگئے اور اُن سے جو حالات معلوم ہوئے وہ یہ تھے کہ یوسف "ہو زندگی، ہائے زندگی" کی آواز لگاتا ہوا اُدھر سے نکلا، ہاتھ کی لکڑی کو جو خون آلود تھی چاروں طرف وحشیانہ انداز سے گھماتا تھا اور جو سامنے آ جاتا تھا اُس پر حملہ کرتا تھا۔ دو عورتوں کو زخمی کیا۔ ایک مرد کی کلائی توڑ ڈالی، قہوہ کی ایک دوکان پر حملہ کرکے برتن توڑ ڈالے۔ اور پھر ایک سپاہی کو مار کر نکل گیا لیکن تعاقب جاری ہے

عزیز نے یہ سنکر ارادہ کیا کہ وہ اُٹھکر جائے اور لوگوں کے حملہ سے اُسے بچائے، لیکن وہ اُٹھا ہی تھا کہ پھر اُسے چکر آ گیا اور وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد مختلف لوگوں کی زبانی اُسے معلوم ہوا کہ تعاقب کرنے والے کامیاب نہیں ہوئے اور یوسف کسی طرف کو نکل گیا۔ عزیز کو یہ سنکر فی الجملہ اطمینان ہوا اور اپنے گھر واپس آیا۔

وہ سخت متحیر تھا کہ یوسف کی اس حالت کا سبب کیا قرار دے یہ امر بظاہر یقینی معلوم ہوتا تھا کہ "انتقال خیال و شبیہ" کے سلسلہ میں اُس کا دماغ خراب سا ہو گیا ہے اور اب وہ مجنوں ہے لیکن پھر یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ خواب میں کیوں وہ افسردہ و مضمحل نظر آیا۔ رات بھر وہ اسی فکر میں مستغرق رہا اور ایک لمحہ کے لئے نہیں سویا کہ مبادا پھر کوئی ہولناک خواب نظر آئے صبح ہوتے اُس کی آنکھ لگی اور رات بھر کے تکان کی وجہ سے وہ جلد نہ بیدار ہو سکا۔ جب وہ جاگا تو کافی دیر ہو چکی تھی اور اخبارات اُس کی میز پر آ چکے تھے۔ لیکن رات کے واقعہ کا ذکر کسی اخبار میں درج نہ تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وہ اسلم کے پاس گیا جو یوسف کا شریک تجارت اور نہایت عزیز دوست تھا

یہاں پہونچکر جو حالات معلوم ہوئے وہ اور زیادہ حیرت انگیز تھے، کیونکہ جو خواب عزیز کو نظر آیا تھا وہی اسلم نے دیکھا تھا اور وہ خود فکر مند تھا کہ یوسف کی تکلیف کو معلوم کرکے اُس کی مدد کرے

آخرکار دونوں نے مشورہ کرکے طے کیا کہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں جاکر وہاں سے سراغ لگایا جائے۔ اسلم نے کہا کہ یقیناً پولیس نے اس وقت تک اُسے گرفتار کر لیا ہوگا لیکن اسلم کا خیال غلط نکلا کیونکہ پولیس اس وقت تک اُسے گرفتار نہ کر سکی تھی، البتہ رات کے ہنگامے کی ضرور اس سے تصدیق ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بھاگنے کے دوران میں اُس نے ایک سپاہی کو بھی زخمی کیا، ایک عورت پر بھی قاتلانہ حملہ کیا اور یہ تمام باتیں ساڑھے بارہ بجے اور پونے ۱ بجے کے درمیان واقع ہوئیں۔ اور دو بجے تک وہ کوچۂ طبا خاں میں پہونچکر غائب ہو گیا۔

یہ حالات سنکر عزیز کو اور زیادہ تکلیف ہوئی، وہ یہ سمجھتا تھا کہ یوسف اس وقت تک پولیس کے قبضہ میں آ گیا ہوگا اور اس طرح اُس کی پریشان کن جستجو کا اختتام ہو جائے گا، لیکن اب وہ پھر بدستور اپنے آپ کو تاریکی میں پاتا تھا اور اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیونکر اس معمہ کو حل کرے اور یوسف تک کیونکر پہونچ سکے۔

اس زمانہ میں ایک خاتون شیام کنور شہر میں آئی ہوئی تھی اور جو ڈاکٹر ہتکاری کی معمول مسمریزم ہونے کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کر چکی تھی، ہر چند عزیز ڈاکٹر ہتکاری سے بالکل ناآشنا تھا، لیکن اُس نے اُس کے پاس جانے کا ارادہ کیا

تاکہ اس کی مدد اس مسئلہ میں حاصل کرے۔ لیکن اُس کے حیرت کی انتہا نہ رہی جب ڈاکٹر ہتکاری نے یوسف کا نام سنتے ہی کہا کہ ہاں کل رات کو ہم تک اُس کا پیغام پہونچ چکا ہے۔ چنانچہ وہ دوڑا ہوا گیا اور ایک سلیٹ دکھائی جس پر یوسف کے سواد خط میں ایک تحریر درج تھی عزیز کے مختلف اور متعدد سوالات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ شب گزشتہ ۳ بجے کے قریب شیام کنور پر اعصابی تشنج اور دماغی بحران کا دورہ پڑا جیسا کہ ہمیشہ کسی روح کی طرف کوئی پیغام موصول ہونے کے وقت پڑتا ہے اور اسی حالت میں جب سلیٹ اُس کے سامنے رکھی گئی تو اُس نے بائیں ہاتھ سے یوسف کا یہ پیغام درج کیا جو ذیل کے ٹوٹے ٹوٹے الفاظ پر مشتمل تھا۔

"یوسف...... کوچۂ طباخاں...... قریب مرگ.... مدد"

ڈاکٹر ہتکاری نے عزیز سے کہا کہ چونکہ وہ نہ یوسف سے واقف تھا اور نہ رات کے واقعات سے اس لئے اُس نے خیال کیا کہ شیام کنور کے اور بہت سے مبہم روحانی الہامات کی طرح یہ بھی کوئی مبہم پیغام ہوگا۔ لیکن چونکہ اب حالات کا علم ہوگیا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ فوراً کوچۂ طباخاں میں جاکر اُس کو تلاش کریں ممکن ہے کہ اب بھی پہونچنا بعد از وقت نہ ہو۔

چنانچہ عزیز اور ڈاکٹر ہتکاری دونوں چلے اور نہایت دشواری کے بعد یوسف کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

وہ تار کے ایک ستون کے نیچے نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں اور پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔

عزیز فوراً اُسے اُٹھا کر قریب کے شفاخانہ میں لے گیا اور دو تین دن کے بعد جب خطرہ گزر گیا اور اُسے ہوش آیا تو اُس نے اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی:—

تمھیں معلوم ہے کہ میں عرصے سے کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اپنے اوپر مقناطیسی کیفیت طاری کرکے اپنی روح یا شبیہ کو جسم سے علٰحدہ کروں اور تم تک پہونچ جاؤں، چنانچہ ہم نے تم نے ایک زمانہ تک اس کا تجربہ کیا اور کامیاب نہ ہوئے، لیکن اس مرتبہ اپنی تمام قوت عزم و ارادہ صرف کرکے بے انتہا قوی تمرکز خیال پیدا کیا اور آخرکار میں اس میں کامیاب ہوگیا کہ روح جسم سے علٰحدہ ہو جائے اور یہ علٰحدگی اس قدر دفعتہً تھی کہ میں اُس کے لئے تعین زبان کر ہی نہیں سکتا۔ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا آنکھیں بند تھیں، کرسی کے بازو پر ہاتھوں کی مضبوط گرفت قائم تھی اور میں انتہائی قوت کے ساتھ تمھاری ذات کو مرکز روح بنائے ہوئے تھا کہ دفعتاً میں نے اپنے آپ کو اپنے جسم سے علٰحدہ محسوس کیا میں دیکھ رہا تھا کہ میرا جسم مجھ سے قریب ہے۔ اس حال میں کہ اُس کے ہاتھ ڈھیلے ہیں اور سر سینہ کی طرف جھکا ہوا ہے میں یہ پورے یقین کے ساتھ محسوس کر رہا تھا کہ میں اُس کے اندر نہیں ہوں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں غیر محسوس ہوگیا ہوں اور اس کی توقع بھی تھی لیکن کبھی ذہن میں بھی یہ خیال نہ گزرا تھا کہ میں اس قدر عظیم و جسیم ہو جاؤنگا۔ میں اسوقت اپنے آپ کو ایک بڑے لکۂ ابر کی طرح پاتا تھا جس کے ساتھ میرا جسم ایک لنگر کی طرح وابستہ تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی چیز جو میرے اندر نہایت تنگی کے ساتھ بند تھی اب پھیل کر بہت وسیع ہوگئی ہے۔ اُس وقت مجھے نہ صرف شہر کے تمام محلے نظر آرہے تھے بلکہ ایکایک ایک گھر ایک ایک کمرہ اور کمرے کی ایک ایک چیز

یہاں تک کہ ہوٹلوں کے اندر لوگوں کو کھانا کھاتے ہوئے، رقص گاہوں میں عورتوں کو رقص کرتے ہوئے اور تھیٹر میں ایکٹروں کو گاتے ہوئے، لوگوں کو بلیرڈ کھیلتے ہوئے اور گھروں کے اندر بہت سی خاتونوں کو محو خواب دہم آغوش دیکھ رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا شفاف شیشے کے اندر بند ہے اور میری نگاہ کوئی قوی برقیہ (سرچ لائٹ) ہے جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی ہے۔ میں اس وقت وسعتِ احساس میں تمھیں بھی بھول گیا۔ اُسی وقت اتفاق سے ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اور میں نے اُس کو اپنے ہاتھ سے جو بالکل سایہ کی طرح تھا چھونا چاہا لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہوا کیونکہ میری انگلیاں اُس کے جسم سے گزر گئیں سب سے زیادہ حیرت ناک امر یہ تھا کہ باوجود اس شدتِ حیات کے سارا عالم مجھے سنسان نظر آتا تھا اور کوئی آواز مجھے محسوس نہ ہوتی تھی گویا دنیا پر سکوت مطلق طاری تھا۔

اس کے بعد میں اس امر پر غور کرنے لگا کہ میں کہاں ہوں میں یہ تو سمجھتا تھا کہ اپنے جسم، مادی جسم سے علٰحدہ ہوں، لیکن یہ احساس اسی جگہ ختم نہیں ہوا کیونکہ میں اپنے کو مکان کی قید سے بھی بالکل آزاد پاتا تھا۔ میں اپنی قوت ارادی سے کام لیکر جسم کو چھوڑ چکا تھا اور ایک ایسی دنیا میں اپنے آپ کو پاتا تھا کہ جو اس عالم سے بالکل علٰحدہ ہونے کے باوجود بھی اس سے اس قدر قریب تھا کہ اُس کی تمام اشیاء اندر باہر کی صاف نظر آتی تھیں۔ دیر تک میں اسی فکر میں مستغرق رہا اور اس کے بعد مجھے خیال آیا کہ حسب قرارداد مجھے تمھارے پاس جانا چاہیئے چنانچہ میں نے اپنے نئے جسم کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا، لیکن کچھ دیر تک وہ مادی جسم سے علٰحدہ ہونے میں کامیاب نہ ہوا میرے نئے جسم نے اس کوشش میں بہت سے جھٹکے کھائے اینٹھن اور بل پر بل اس میں پیدا ہوئے، آخر کار آخری کڑی جو اسے قید کئے ہوئے تھی، ٹوٹی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہر چیز سیاہ بخار (vapour) کے گردش کھانے والے بہت سے کروں میں ملفوف ہے اور پھر ایک لمحہ کے لئے مجھے ذرا سا خلا معلوم ہوا اور اس میں لکہ ابر کی طرح دخاں و بخار کی دنیا کے اندر چل نکلا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ جس چیز کو میں دخاں یا بخار سمجھے ہوئے ہوں وہ نہایت ہی خوفناک چیز ہے۔ یعنی میں نے محسوس کیا میں چاروں طرف انسانی چہروں سے گھرا ہوا ہوں اور ہر دھوئیں کا ہر حلقہ ایک چہرہ ہے۔ کوئی چہرہ پتلے ہویں کا تھا کوئی گیس کا تھا۔ یہ چہرے بالکل ایسے ہی تھے جیسے ڈراونے خواب میں بعض دفعہ نظر آتے ہیں۔ اُنکی آنکھوں سے خبث باطن، مکر و فریب ظاہر ہوتا تھا، پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں، نتھنے پھولے ہوئے تھے، لبوں پر نہایت تلخ قسم کا تبسم تھا اور جب میں اُن کے پاس سے گزرتا تھا تو وہ مجھے بگڑاتے اور دانت پیستے تھے، لیکن آواز کا کہیں پتہ نہ تھا اور اس خوفناک منظر کے ساتھ اس سکوت نے ملکر اور زیادہ بھیانک سماں پیش کر رکھا تھا۔

باوجودیکہ میرے حواس بالکل برجا نہ تھے لیکن میں نے اس عالم میں بھی تمھارا خیال فراموش نہیں کیا اور خدا معلوم کن دشواریوں سے میں تمھارے کمرے کے اندر پہونچا تم

اُس وقت اپنی آرام کرسی پر آگ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے میں نے بہت کوشش کی کہ تمھاری توجہ اپنی طرف مائل کرلوں لیکن کامیابی نہ ہوئی میں تمھارے سامنے آیا، تمھارے کمرے کی چیزوں کو جنبش دی، تم کو چھوا لیکن تم کو خبر نہ ہوئی۔ آخر کار میں نے اپنے سایہ کے مانند غیر محسوس انگلیوں کو تمھارے دماغ میں داخل کردیا اور تم دفعتہً چونک پڑے۔ ڈاکٹروں کو معلوم نہیں، لیکن اس عالم میں پہونچنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ دماغ کے اندر بھی ایک آنکھ ہے، چنانچہ میں نے تمھاری اُسی آنکھ کو چھوا اور تم چونک پڑے۔ یہی وقت تھا جب مجھے اول اول یہ احساس ہوا کہ میرے جسم کو کوئی صدمہ پہونچ گیا ہے اُس وقت اس عالم دخان وغبار میں نہایت تیز آندھی چل رہی تھی اور وہ تمام دخانی چہرے بھی سخت بدحواسی کے عالم میں اِدہر اُدہر سراسیمہ پھر رہے تھے، میں یہ عالم دیکھ کر بھاگا اور اپنے جسم کے پاس گیا لیکن بہت دیر کرکے۔ کیونکہ اب میرا جسم پہلے کی طرح مردہ حالت میں نہ پڑا تھا بلکہ وہ اَب انسان کی طرح قائم تھا اس حال میں کہ آنکھیں باہر کو اُبلی ہوئی تھیں، ہاتھ پاؤں اینٹھ رہے تھے اور انتہائی کرب اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا۔ کچھ دیر تک میں اُسے خاموشی سے دیکھا کیا اور پھر اُس کی طرف جھکا لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرے اُس کے درمیاں کوئی دیوار شیشہ کی حائل ہوگئی ہے اتنے ہی میں تمام خراب روحیں اُس کے گرد جمع ہوکر اُس کا منہ بنانے لگیں، گھورنے لگیں۔ اَب میں غصے کی وجہ سے مجنوں ہوگیا تھا اور میری حالت ایسی تھی جیسے کوئی طائر کسی کمرے میں بند ہو جائے اور اُس سے نکلنے کے لئے چاروں طرف دیواروں سے ٹکراتا پھرے

اب میرا جسم خوشی سے رقص کر رہا تھا اور میرے کمرہ کی تمام چیزوں کو اِدہر اُدہر منتشر کئے دیتا تھا، اُس نے کتابیں پھینکدیں، کاغذ پھاڑ ڈالے، بوتلیں توڑ دیں۔ میں نے پھر ایک بار اُس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہی ناقابل عبور حجاب حائل تھا اور پھر اسی عالم کرب میں، تمھارے پاس گیا تاکہ تمھیں اپنی تکلیف سے آگاہ کروں، لیکن اس وقت تمھارے دماغ کی راہیں روحوں کے لئے بند تھیں جس نے شہر کی گلیوں میں ہنگامہ برپا کیا وہ حقیقتاً میں نہ تھا بلکہ میرا جسم تھا جس کے اندر کوئی خراب روح حلول کر گئی تھی کامل بیس گھنٹے تک میرے جسم پر اس روح کا قبضہ رہا اور اس دوران میں مینے کئی مرتبہ تمھیں اور اسلم کو اپنی حالت سے آگاہ کرنا چاہا چونکہ میں کسی اور ذریعہ سے تمھیں آگاہ نہ کرسکتا تھا، اس لئے مینے بارہا تمھارے اور اسلم کے دماغ کے اندر اپنی انگلیوں کو تیرادیا اور کئی بار تمھاری نگاہ کو اپنے جسم کی طرف بھی مائل کردیا لیکن تم ہی کوئی مدد نہ کرسکے۔

ان بیس گھنٹے کے عرصے میں جب تک میرے جسم پر خبیث روح قابض رہی میں دیکھ دیکھ کر کانپ رہا تھا کہ وہ روح میرے جسم کو تباہ کر رہی ہے اور اگر میرا جسم ہلاک ہوگیا تو پھر مجھے اسی خوفناک عالم ظل میں رہنا پڑے گا۔ اس لئے تم خیال کرسکتے ہو کہ میری تکلیف کا کیا عالم رہا ہوگا۔ میں اسی عالم کرب واضطرار میں سراسیمہ پھر رہا تھا اور بیشمار روحیں مجھے اپنے خط و خال کی حرکت سے تکلیفیں پہونچا رہی تھیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات مجھے یہ بھی نظر آئی کہ ایک میری ہی روح اس طرح مضطرب نہ تھی بلکہ اور بھی بہت سی روحیں آوارہ

پھر رہی تھیں جن کے جسم پر خبیث روحوں کا قبضہ ہوگیا تھا اور انھیں مطلقاً خبر نہ تھی کہ اُن کے جسم کہاں اور کس کے قبضہ میں ہیں ۔

آخر کار میں ایک ایسی جگہ پہونچا جہاں چند ایسی ہی روحیں جمع تھیں میں نے بھی اُن کے اندر ملکر نگاہ کی تو نیچے ایک روشن کمرہ نظر آیا جہاں چار پانچ مرد تھے اور ایک خاتون سیاہ لباس میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا سر پیچھے کی طرف لٹکا ہوا تھا، میں چونکہ اخباروں میں اس کی تصویر دیکھ چکا تھا اس لئے سمجھ گیا کہ یہ وہی خاتون ہے جو پروفیسر ہنکاری کے معمول ہونے کی حیثیت سے اس قدر مشہور ہے ۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اُس وقت خاتون کی وہ دماغی آنکھ بیدار تھی، اس وقت وہ کچھ کہتی جاتی تھی اور ایک ہاتھ سے لکھتی بھی جاتی تھی ۔ جتنی روحیں یہاں جمع تھیں وہ سب کوشش کر رہی تھیں کہ اس وقت اس کے بیدار دماغ کی روشن فضا کو چھولیں چنانچہ جس کسی روح کی رسائی وہاں تک ہوتی تھی تو اسی قسم کی تحریر اُس کے ہاتھوں سے نکلنے لگتی تھی ۔ اس لئے اُسکے پیغامات بہت اُلجھے ہوئے تھے، کبھی کوئی ٹکڑا کسی روح کے پیغام کا کبھی دوسرا ٹکڑا دوسری روح کے پیغام کا اس لئے میں اب سمجھا کہ یہ خاتون روحوں کا پیغام اہل دنیا تک پہونچاتی ہے اور میں نے بھی کوشش کی کسی طرح اس کے خانۂ دماغ تک پہونچکر اپنی تکلیف و اذیت کا علم آپ لوگوں کو کراؤں ۔ لیکن مجھے اس میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ اور روحین مجھے وہاں تک پہونچنے نہ دیتی تھیں ۔ آخر کار میں گھبرا کر پھر وہاں سے نکلا کہ دیکھوں میرے جسم کی کیا حالت ہے اور اس وقت تک اُس پر کیا مصائب گزر چکے ہیں ۔ دیر تک تلاش کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ جسم ایک برقی ستون کے نیچے نہایت خستہ حالت میں پڑا ہے ۔ اور گرنے کے صدمہ سے ہاتھ پاؤں اور پسلی کی دو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں ۔ اور وہ خبیث روح ابھی تک اندر موجود ہے اور بہت برہم تھی کہ کیوں میرا جسم اس قدر تڑپ رہا ہے ۔

اس کے بعد میں پھر اُس خاتون کے کمرے میں گیا لیکن اسوقت ایک شخص اس کے پاس گھڑی لئے اس انداز سے دیکھ رہا تھا کہ اس سے معلوم ہوتا تھا اب اس کا معمول رہنا ختم ہونے والا ہے ۔ یہ دیکھکر بہت سی روحیں جو وہاں جمع تھیں مایوس ہو کر واپس ہوئیں ۔ یہ محسوس کرکے میں نے اپنی ساری قوت صرف کردی کہ کسی طرح اس کے پاس پہونچکر آخری چند لمحوں سے کام لوں اور میں اس میں کامیاب ہوا چنانچہ وہ چند بے ربط الفاظ جو تم تک پہونچے اسی کوشش کا نتیجہ تھے ۔

یہ پیغام پہونچانے کے بعد میں پھر اُس ستون تک پہونچا لیکن وہ روح ابھی اُس کے اندر موجود تھی ۔ میں بھی وہاں کھڑا ہوا اپنے جسم کی کرب و اضطراب کا تماشہ دیکھتا رہا ۔ یہانتک کہ صبح کو دفعتہً دماغ روشن ہوا اور وہ خبیث روح باہر نکل آئی میں اسی لمحہ کا منتظر تھا فوراً اپنے جسم میں پہونچ گیا ۔ اور اس طرح روح و جسم کی مفارقت کا یہ دہشت ناک دور ختم ہوگیا ۔

(مختار)

نیاز فتحپوری

ہنس کی چال

(از جناب سدرشن)

(۱)

کچھ زمانہ گزرا - کانپور میں ایک بڑے زبردست اور رنگین بیان شاعر رہتے تھے منشی ایشور سرن خیاؔل - عمر تو کچھ زیادہ نہ تھی - لیکن جب قلم ہاتھ میں لیتے - تو سماں باندھ دیتے تھے - اُن کی ترکیبیں، اُن کی بندشیں - اُن کی تخیئل سب اچھوتی تھی - لوگ اُن کی نظمیں سنکر تڑپ اُٹھتے تھے ناممکن تھا - کہ کوئی مشاعرہ ہو - اور اُس میں حضرت خیاؔل کو مدعو نہ کیا جائے - اُن کے ایک ایک مصرع پر تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوتی تھیں - وہ محفل کو زیر و زبر کر دیتے تھے - اُن کے بعد کسی دوسرے کا رنگ نہ جمتا تھا - اِسلئے اُن کی باری سب کے بعد آتی تھی یون تو کسی چینی کے کارخانے مین ملازم تھے تنخواہ بھی زیادہ نہ تھی - صرف چالیس پینتالیس پاتے تھے - اور اسی پر شاکر تھے - اکثر کہا کرتے تھے - یہ دولت نہین تو کیا ہوا - قدرت نے دنیائے سخن کی دولت بے بہا دینے مین تو بخل و تنگدلی سے کام نہین لیا - اب دنیا کی ہر ایک شے ہر ایک آدمی کو میسر آجائے - جب بازار مین نکلتے اور لوگ اُنہین دیکھہ دیکھہ کر سرگوشیان کرتے - کہ یہ خیاؔل صاحب جا رہے ہین - تو جناب پر وارفتگی کا عالم طاری ہو جاتا - اُسوقت اُنہین ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ آسمان کی بلندیون مین اُڑے چلے جا رہے ہین - اور دنیا کے دوسرے لوگ بہت نیچے حقیر کیڑون کے مانند رینگ رہے ہین - بادہ

شہرت کا نشہ کتنا تیز، کیسا مخمور کر دینے والا ہے - لیکن اُن کو ایک امر کا بے حد ملال تھا - اُن کی شریک حیات اُن کی اِس شہرت کی حصہ دار نہ تھی دلسے بھاگیرتھی پر جان دیتے تھے - اُسے دیکھکر اُن کے بجر دل مین سرور و انبساط کی موجین اُٹھنے لگتی تھین - اُس کی آواز اُنکے لئے نغمۂ روح تھی اُس کی مسکراہٹ اُن کے دل کا صبر و قرار - کہتے، بھاگیرتھی! میری نظمون کی رنگینی اور دلکشی اور جدت کا سرچشمہ تو ہے - لیکن بھاگیرتھی کا یہ سرچشمہ تنویر ایشور سرن کیلئے تھا - اپنے لئے نہ تھا - جیسے چراغ دوسرون کو روشنی دیتا ہے - لیکن اُس کے تلے سدا تاریکی چھائی رہتی ہے - ایشور سرن چاہتے تھے - بھاگیرتھی بھی شعر کہے اُسکی نظمین اخبارات و رسائل مین شائع ہون اور وہ دیکھ دیکھ کر مسرور و شادان ہون - اُن کے احباب کہین - یار! خوش نصیب ہو - جو ایسی بیوی ملی - واہ وا! کیا خوب لکھتی ہے - پڑھکر آنکھین کھل جاتی ہین - ادھر ہماری عورتین بھی ہین - کہ کبھی کوئی شعر پڑھ دین - تو منہ تاکنے لگتی ہین - یہ خیال کیسے روح پرور تھے - کیسے نشاط انگیز - ایشور سرن اُس دن کیلئے تڑپ رہے تھے وہ اِس کیلئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو بھی آمادہ تھے -

مگر بھاگیرتھی نظمین سمجھتی تھی - کہتی نہ تھی - اُس کے باپ کو تعلیم دلانے کا شوق تھا - بھاگیرتھی کو اُنھون نے ہندی اردو کی اعلےٰ تعلیم دلائی تھی

بھاگیرتھی - لیکن لکھنا آتا ہو جب نا۔

ایشورسرن آتا کیوں نہیں جب تم مجھے خط لکھتی ہو۔ تو اُس مین کیسا زور کیسی رنگینی کیسی موہنی ہوتی ہے - پڑھ کر دل کا کنول شگفتہ ہو جاتا ہے بس اُنہیں جذبات کو نظم کر دو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔

بھاگیرتھی - یہ کام مردون کا ہے عورتون کا نہین -

ایشورسرن - واہ! عورتون کا کیسے نہین بتاؤ حیا عورت ہو کر نہین کیسا اچھا لکھتی ہے -

عورت کسی کی تعریف اُس وقت تک سن سکتی ہو جب تک اُس کے خاوند سے مقابلہ نہ ہو۔ خاوند کے ساتھ مقابلہ ہونے پر اُسکی ساری خوبیان مٹی مین مل جاتی ہین اُس وقت وہ اُس کی زرا سی تعریف بھی برداشت نہین کر سکتی

بھاگیرتھی نے کہا مین تو جانتی ہون اُس کے خاوند نے لکھکر اُس کے نام سے چھپوا دی ہوگی - تم چاہو۔ تم بھی لکھ دو۔ منع کر دون تو جو کالے چور کی سزا وہ میری۔

ایشورسرن - مذاق چھوڑو! کہو، لکھو گی یا نہین ؟

بھاگیرتھی - تم لکھ دو - مین نقل کر کے اپنے نام سے بھیج دون گی -

ایشورسرن - یہ سبق مجھے اُستاد نے نہین پڑھایا -

بھاگیرتھی - لوگ کہین گے - بھاگیرتھی دیوی برج کماری سے بھی بڑھ گئی -

ایشورسرن خیالی پلاؤ پکا پکا کر خوش ہو لو -

بھاگیرتھی - ایڈیٹرون کی تعریف پڑھ کر لطف آجائے گا -

ایشورسرن - پہلے لکھ تو لو - پھر لطف بھی آجائے گا -

بھاگیرتھی - ارے - اپنے لئے اتنی نظمین لکھتے ہو - کیا میرے لئے ایک بھی نہ لکھو گے ؟ سوچتے ہو گی یہ بھی مشہور ہو گئی - تو پھر مجھے کون پوچھے گا

ایشورسرن - مین تو چاہتا ہون - تم مجھ سے کئی درجہ اچھی نظمین لکھو

بھاگیرتھی - تم ہی لکھو گے - مین تو دستخط کر دون گی -

ایشورسرن - کتنی آسانی سے شہرت خریدنا چاہتی ہو!

بھاگیرتھی - مین اب تمھارا پیچھا نہ چھوڑون گی - لکھوا کے رہونگی

ایشورسرن نے بھاگیرتھی کی طرف شکوہ آمیز نگاہون سے دیکھا اور آہ سرد بھر کر چپ ہو رہے -

(۴)

اب بھاگیرتھی کے سر پر ایک ہی دُھن سوار تھی - ہر وقت ایشورسرن سے لڑا کرتی - تم کیسے مرد ہو - ایک نظم بھی نہین لکھ دیتے - اپنے لئے نت نئی لکھتے ہو - میرے لئے ایک بھی نہین لکھ سکتے - بڑا بیاہ رچایا کرتے ہین جانو مجھ سے بیزار ہین کسی کا خیال ہی نہین - لیکن زرا سی بات کہی ہے وہ بھی نہین مانتے - مین نظمین کہنا جانتی - تو گن کر آدھی نظمین تمہارے نام سے چھپوا دیتی - ایشورسرن کہتے - بھاگیرتھی! تم کہین پاگل تو نہین ہو گئی ہو مجھ سے نہ کچھ ہو نہ ہو گا - ناموری کی ہوس ہے - تو محنت کرو - یہ کیا کہ دکھ سہے بی فاختہ اور انڈے کوا کھائے - دماغ سوزی مین کر کے شہرت تم کماؤ - بھاگیرتھی یہ سنتی اور رونے لگتی ایشورسرن خاموش ہو جاتے مگر منہ کی خاموشی سے دل خاموش نہ ہوتا - ایک وہ دن تھا جب وہ بھاگیرتھی سے تقاضے کرتے تھے - اور بھاگیرتھی بچتی پھرتی تھی - اب بھاگیرتھی تقاضے کرتی تھی اور ایشورسرن بچتے پھرتے تھے - سوچتے تھے کیسی حماقت کی اسے یہ خیال نہ دلاتا - تو آج ہاتھ کیون ملتا - ایشورسرن نے جسے کمبل سمجھتا تھا وہ ریچھ نکلا - اب وہ کمبل کو چھوڑتے تھے - کمبل اُنہین نہ چھوڑتا تھا - ایک طرف کوی ہٹ تھی دوسری طرف تریاہٹ - کئی دن کی کشمکش کے بعد وہی ہوا جو اِس نیلگون آسمان تلے ہوتا آیا ہے - مرد کا انکار عورت

کی ضد کے سامنے پانی پانی ہو گیا۔ برف کا ٹکڑا کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ آفتاب کی نرم وگرم شعاعوں کے سامنے کب ٹھہرا ہے!

ایک سال بعد بھاگیرتھی دنیائے شاعری میں خاص وقار رکھتی تھی اس کی نظمیں دیکھ کر شاعر لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ یہ عورت کون ہے؟ چند ہی ماہ میں کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ آج سے ایک سال قبل اس کا نام بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ آج چاروں طرف بھاگیرتھی کا غلغلہ ہے۔ اس کی نظموں کے لیے لوگ چشم براہ رہتے تھے۔ جس پرچے میں اس کا ایک بند بھی شائع ہو جاتا۔ اس کی مانگ بڑھ جاتی تعلیم نسواں کے حامی کہتے۔ دیکھا۔ ایک عورت نے سارے مردوں کے دانت کھٹے کر دئے۔ کیا اب بھی وہی دقیانوسی تان لگائے جاؤ گے کہ فطرت نے عورت کو محض گھر کے آنگن کیلئے مخصوص کیا ہے۔ مخالفین جواب دیتے سچ پوچھو۔ تو ان نظموں میں دھرا ہی کیا ہے ایسی نظمیں مرد ہر روز لکھتے رہتے ہیں۔ کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ عورت کا نام ان کی سب سے بڑی خوبی ہے اسی عورت کی ایک نظم لیکر اسکے نیچے کسی مرد کا نام لکھ دو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ کوئی پرواہ ہی نہ کرے۔ اور جناب ہمارا تو یہ بھی خیال ہے۔ کہ یہ کسی منچلے دل مرد ہی کے کارنامے ہیں۔ ورنہ عورتوں کو چولھے توے سے فرصت ہی کب ملتی ہے؟۔

اُدھر بھاگیرتھی کے پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے جس اخبار کو ہاتھ میں لیتی۔ اسی میں اپنی تعریف پاتی۔ اس وقت اسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کسی نے تخت پر بٹھا دیا ہو۔ ایشورسرن کو اب وہ پہلے سے بھی زیادہ چاہتی تھی۔ بات بات میں خوشامدیں کرتی۔ اور منا تی۔ ایشورسرن بیجا غصہ کرتے جب بھی چپ چاپ برداشت کر لیتی۔ وہ دودھ دینے والی گائے کی لاتیں بھی سہتا پڑتی ہیں۔ لیکن ایشورسرن اس سے خفا ہوتے تھے۔ اخبارات ورسائل میں اپنی بھاگیرتھی کی تعریف پڑھتے۔ تو پھولے نہ سماتے۔ ہم اپنی تعریف سنکر اسقدر خوش نہیں ہوتے جبقدر اپنی بیوی کی تعریف سنکر ہوتے ہیں۔ اغیار کے منہ سے اپنی بیوی کی قابلیت کا تذکرہ سنکر ہم پر جذبے کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ ہمارا دل کسی درخشاں دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی بھاگیرتھی کسی نامعلوم خوف سے کانپ اٹھتی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں آسمان کی لامحدود بلندیوں سے گرنے والی ہوں۔ میرا راز فاش ہونے والا ہے۔ تنہائی میں بیٹھتی۔ تو سوچتی۔ کوے نے مور کے پر لگا رکھے ہیں لیکن تابکے۔ اس وقت ناچتا ہے۔ خوش ہوتا ہے اور دوسرے پنچھی اس کی طرف رشک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس جھوٹے حسن کی بقا کی کے گھڑیاں ہیں۔ اس فریب، اس مکر کی عمر کتنے دن ہے؟ لیکن اس کے باوجود وہ نظموں کیلئے شوہر سے برابر تقاضے کرتی رہتی تھی۔ اور لکھوا لیتی تھی جیسے شرابی شراب کو برا سمجھ کر بھی اُسے نہیں چھوڑ سکتا شہرت کا نشہ شراب کے نشے سے بھی تیز ہے۔

مگر بھاگیرتھی کون ہے، یہ منشی ایشورسرن کے سوا کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ اس کی نظمیں پڑھنے والے ہزاروں تھے۔ اسے جاننے والا کوئی بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ اخبارات کے ایڈیٹروں کو کچھ علم نہ تھا۔ انہیں نظمیں مل جاتی تھیں اور وہ شایع کر دیتے تھے۔ پر شہرت زیادہ دیر پردے میں نہیں رہتی۔ جس طرح پنچھی کا بچہ پنکھ نکلنے پر گھونسلے میں نہیں ٹھہرتا۔ شہرت کے بھی پنکھ ہوتے ہیں۔ آخر یہ راز کھل گیا۔ کہ بھاگیرتھی منشی ایشورسرن کی بیوی ہے۔ اخبارات کو نیا مضمون مل گیا منشی صاحب کو اس خوش نصیبی پر مبارکباد دیں ملنے لگیں لیکن وہ دل ہی دل میں کانپ رہے تھے ایک راز کھل گیا۔ کیا دوسرا بھی

کھل جائے گا؟ -

(۵)

اسی زمانہ مین منشی ایشور سرن کو شوگر مل کے کسی کام سے پنجاب کی طرف جانا پڑا۔ بھاگیرتھی اداس ہوگئی۔ اس کی آنکھوں مین آنسو بھر آئے محبت جدائی سے بہت گھبراتی ہے۔ جدائی کو سامنے دیکھکر اس کا خون خشک ہوجاتا ہے۔ بھاگیرتھی سوچنے لگی۔ اکیلی کیسے رہون گی۔ یہ ہجر کے دن کیونکر کٹین گے؟ منشی جی کا دفتر سے آنے کا وقت ہوتا۔ تو دروازے مین جاکر کھڑی ہوجاتی تھی۔ اب کیا کرون گی؟ لیکن ملازمت کا سوال تھا۔ بغیر گئے چارہ نہ تھا۔ منشی صاحب نے کہا۔ چند ہی دن کی بات ہے۔ مین بہت جلد لوٹ آؤن گا۔

بھاگیرتھی بولی۔ ایک عہد کرو۔ جب جانے دون گی۔

ایشور سرن۔ کیا؟

بھاگیرتھی۔ یہ کہ ہر جگہ سے چٹھی لکھون گا۔ اور ہر روز لکھون گا۔ اداس دل انتظار مین بہلتا رہے گا۔ اور نہ سہی روز کا آسرا تو ہو جائے گا

ایشور سرن۔ بڑی بے ڈھب شرط ہے۔ لیکن خیر منظور! کچھ اور۔

بھاگیرتھی۔ ہند وکنیا پاٹ شالہ کا جلسۂ تقسیم انعامات قریب ہے اس روز مسز لال بہاری لال آئی تھین۔ کہتی تھین۔ اس موقع پر تمہارے ہاتھ سے انتظام تقسیم ہوگا۔ مین نے بہت انکار کیا۔ کہ مین اس قابل نہین ہون۔ لیکن وہ نہ مانین مجبوراً ہان کہنا پڑا۔ اب وہان کوئی نظم پڑھنی ہوگی۔

ایشور سرن کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ مسکرا کر بولے۔ تو آپ وہان بنوگی؟ تم نے مجھ سے پہلے کیون نہ ذکر کیا؟

بھاگیرتھی۔ کیا کرون۔ میرا تو دل گھبرا دیا ہے۔ مسز لال بہاری لال ایک نہین سنتین۔

ایشور سرن۔ مگر دل مین خوش ہو رہی ہوگی۔

بھاگیرتھی۔ مین جھوٹ نہین بولتی۔ گنگاجی کی قسم! میرا دل کانپ رہا ہے۔ وہان اتنے مجمع مین زبان بھی نہ کھلے گی۔ مرد ہون گے۔ کیسے بولون گی۔

ایشور سرن۔ دستخط کرلینا کتنا آسان تھا؟ کیون

بھاگیرتھی۔ اب بھگوان ہی ہے جو لاج رہ جائے۔ مردون سے ڈرآتا ہے۔

ایشور سرن۔ خوب رہے گی۔ اب تو عورتین مردون مین لکچر دینے لگین تم نظم بھی نہ پڑھ سکوگی کیا۔ دیکھو بھاگیرتھی! مردون اور عورتون مین کتنا فرق ہے۔ ہم کئی سال سے نظمین کہہ رہے ہین۔ کسی نے تحفہ بھی نہ دیا تمہاری چار نظمین اخبارات مین شائع ہوئین۔ تم جلسون مین پڑھنے لگی

بھاگیرتھی نے محبت کی نگاہون سے شوہر کی طرف دیکھا۔ اور کہا سچ کہتے ہو۔ یہ اعزاز تمہارا ہے یا میرا؟

ایشور سرن۔ تمہارا ہی ہے میرا کاہے کو ہے مین تو چاہتا ہون پرماتما آئندہ جنم مین مجھے بھی عورت ہی بنائے۔ لوگ تعریف تو کرین گے۔ خیر یہ اب مجھے کیا حکم ہے؟

بھاگیرتھی۔ چلو مین تم سے نہ بولون گی۔

ایشور سرن۔ اچھا غلطی ہوئی۔ معاف کردو۔

بھاگیرتھی۔ کوئی عمدہ سی نظم بھیج دینا۔ اور ذرا جلدی۔ کہین ایسا نہ ہو۔ تم بھول جاؤ۔ اور یہان بنا بنایا کھیل ہی بگڑ جائے۔ رومال مین گرہ دے لو۔

ایشور سرن۔ رومال مین گرہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہان دل پر

نوٹ ہو گیا۔

اسکے بعد ایشور سرن نے بھاگیرتھی کو گلے لگایا۔ اور باہر نکل آئے۔ بھاگیرتھی دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اور اشک آلودہ نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھتی رہی۔

چند دن کے بعد نظم آگئی "قوم کی بیٹیوں سے خطاب" اسے پڑھ کر بھاگیرتھی خوشی سے اُچھل پڑی۔ یہ نظم معمولی نظم نہ تھی۔ اس میں جذبات تھے۔ اس میں جذبات کی روح تھی۔ اس میں تخئیل تھی۔ اس میں زور تھا۔ بھاگیرتھی کو یقین ہو گیا۔ کہ تقسیم انعامات کے دن میرا رعب ہر دل پر طاری ہو جائے گا۔ اور جب یہ نظم کہیں شائع ہو گی۔ تو شور مچ جائے گا میرے نام سے نظمیں بہت شائع ہوئی ہیں۔ لیکن ایسی پُر کیف، ایسی سحر آگین ایسی دل و دماغ کو وجد میں لے آنے والی نظم آج تک شائع نہیں ہوئی۔ یہ نظم نہیں، روحِ نظم ہے۔ اِسوقت اُسے شوہر کی روحانیت کا پورا پورا احساس ہُوا۔ پتہ نہیں۔ کتنی محنت سے لکھی ہو گی۔ اِس کیلئے کس قدر دماغ سوزی کی گئی ہو گی اس خود غرض دنیا میں ایسی چیزیں کون کسی کو دے دیتا ہے۔ لیکن محبت ایثار کی ماں ہے۔ جہاں جاتی ہے۔ بیٹی کو ساتھ لے جاتی ہے۔ بھاگیرتھی نے دل ہی دل میں اپنے عالی حوصلہ شوہر کو پرنام کیا۔ اور نظم کو سینے سے لگا لیا۔

جلسے کے دن ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ فرش، گیلری، پلیٹ فارم سب بھرے ہوئے تھے۔ اس سے پیشتر جلسوں میں مرد کم تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن اس سال مرد عورتوں سے بھی زیادہ تھے۔ اور اگر عورتوں کا اُٹھانا ممکن ہوتا تو جو عورتیں بیٹھی تھیں۔ مرد اُن کو بھی اُٹھا دیتے۔ لیکن سب لوگ بھاگیرتھی کی نظم سننے آئے تھے یہ غلط ہے۔ تو بھی نصف سے بھی زیادہ تعداد ایسے مردوں کی تھی جو محض بھاگیرتھی کو دیکھنے آگئے تھے۔ کہ چلو دیکھیں تو سہی کیسی عورت ہے جو نظمیں لکھتی ہے۔

---

(۹)

آخر ایک طرف سے شور اُٹھا۔ لوگ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ جو بیٹھے بیٹھے تھے۔ وہ کھڑے ہو گئے۔ جو کھڑے تھے وہ آگے کھسکنے لگے۔ ارکان جلسہ نے چلا چلا کر کہا۔ بیٹھ جایئے! لیکن نقارخانے میں طوطی کی صدا کون سنتا ہے؟ اس کا چند ان اثر نہ ہوا۔ جلسہ گاہ میں بدنظمی پھیل گئی۔ کوئی کہتا تھا۔ بھاگیرتھی دیوی آگئیں۔ کوئی کہتا تھا۔ ہجوم کا ریلا ہے۔ باہر بازار تک آدمی ہی آدمی کھڑے ہیں۔ جگہ کم ہے۔ آدمی بہت ہیں۔ ان کو وسیع جگہ کا انتظام کرنا چاہئے تھا۔ ایک بنچ پر بہت سے آدمی چڑھ گئے وہ ٹوٹ گئی۔ عورتوں کی صف میں کئی بچے رونے لگے۔

یکایک ہال میں سناٹا چھا گیا۔ لوگوں نے دیکھا۔ مسز لال بہاری لال کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی کشمیری ساری پہنے آرہی ہے۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ نہایت احتیاط کے ساتھ بچا بچا کر پاؤں دھرتی تھی۔ اُس کے چہرے پر انکسار تھا لیکن یہ انکسار غرور سے بھی زیادہ متکبر تھا۔ لوگوں نے پرجوش تالیوں سے ہال سر پر اٹھا لیا۔ یہی بھاگیرتھی دیوی تھیں وہی عورت جس کا نام سب کی زبان پر تھا۔

باقاعدہ تجویز اور تائید کے بعد بھاگیرتھی دیوی کرسی صدارت پر آکر بیٹھیں اور انعام تقسیم کرنے لگیں اس موقع پر اس کے قلب کی جو حالت تھی۔ اُسے وہی جان سکتا ہے جسے خود کبھی یہ اعزاز نصیب ہوا ہو۔ عوام اِسے محسوس نہیں کر سکتے خدا خدا کر کے یہ وقت جو پاٹشالہ کی انعام لینے والی لڑکیوں اور اُن کے والدین کے سوا اور کسی کو بھی مرغوب نہ تھا ختم ہوا۔ اور بھاگیرتھی دیوی تقریر کرنے کیلئے کھڑی ہوئی۔ اب اس کے چہرے پر وہ گھبراہٹ نہ تھی۔

اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ اور تب وہ کہنا شروع کیا۔ جو ایسے موقع پر ہر ایک آدمی کہتا ہے۔ آپ نے مجھے جو اعزاز بخشا ہے۔ میں اس کی اہل نہ تھی اس کانپور میں مجھ سے قابل عورتیں موجود ہیں جن کے سر کے بال عورتوں کی خدمت میں سفید ہو گئے۔ میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ جو آپ نے خاک کی چٹکی کو سر پر چڑھا لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں نے چلا کر کہا۔ نظم۔

"میرے خیال میں یہ وقت نظم کیلئے موزون نہیں۔

لوگ بولے "بہت موزون ہے۔ ہم دیوی جی کی نظم سنکر جائیں گے"

اب بھاگیرتھی نے نظم نکالی لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ بھاگیرتھی نے پڑھنا شروع کیا۔ مجمع پر جادو ہو گیا۔ ایک ایک مصرع پر واہ وا کے فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے۔ جو نہ سمجھتے تھے، وہ بھی جھومتے تھے۔ مبادا لوگ انہیں نالائق تصور کریں۔ بھاگیرتھی کے دل میں جو وسوسے، جو اندیشے تھے، سب بے بنیاد ثابت ہوئے۔ ایسی شاندار کامیابی کی اُسے خواب میں بھی امید نہ تھی۔ وہ اپنی نظم کو اور بھی جوش، اور بھی سرگرمی سے پڑھنے لگی۔ ہم جوں جوں کامیاب ہوتے جاتے ہیں۔ ہماری سرگرمیاں بڑھتی جاتی ہیں۔

اتنے میں بھاگیرتھی کی نگاہ مسز لال بہاری لال کی طرف گئی۔ جو ایک کاغذ کے ٹکڑے کو نہایت غور سے دیکھ رہی تھی۔ بھاگیرتھی کا خون خشک ہو گیا جیسے پھولوں کے ڈھیر میں ناگ نظر آ جائے۔ یہ ایشوری کا خط تھا جو اُنہوں نے پٹیالہ سے نظم کے ہمراہ بھیجا تھا جس میں انہوں نے اپنی نظم کی تعریف کی تھی۔ اور اُسے بھاگیرتھی کے نذر کیا تھا بھاگیرتھی کو اس کاغذ کو الگ کرنے کا خیال نہ رہا۔ نظم پڑھنے کے جوش میں پن نکل گیا۔ اور کاغذ نیچے گر پڑا۔ اور اب یہ۔ از......

بھاگیرتھی کا سر گھومنے لگا۔ اس نے نظم ختم کی اور پلیٹ فارم سے نیچے اتر آئی مرد جوش سے تالیاں بجا رہے تھے۔ عورتیں "پتھر ہی جیسی" مگر "دوسری قسم" کی ایک عورت کے چہرے کی طرف رشک سے دیکھ رہی تھیں۔ اور بھاگیرتھی کا دل خوف، رنج، اور ندامت سے دھڑک رہا تھا۔ جب لوگ منتشر ہو گئے۔ تو وہ مسز لال بہاری لال کو گھسیٹ کر پاس کے کمرے میں لے گئی۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی "میری لاج اب تمہارے ہی ہاتھ ہے خواہ رکھو خواہ مٹی میں ملا دو"

مسز لال بہاری لال نے بھاگیرتھی کو وہ چٹھی واپس دیتے ہوئے کہا "میری زبان سے اِس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ نکلے گا" اور مسز لال بہاری لال نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ لیکن بھاگیرتھی کی نظمیں اب کہیں شائع نہیں ہوتیں۔ نہ وہ شوہر سے نئی نظموں کیلئے تقاضے کرتی ہے۔

(سُدرشن)

کلام اثر

(جناب خانصاحب مرزا اصغر علیخان صاحب اثر لکھنوی بی اے ڈپٹی کلکٹر)

جیسے غم ہوش کیا — غم کو طرب جوش کیا — چرخ نے تارے کو مرے — زیب نبا گوش کیا
نیم تبسم نے ترے — داغ کو گلپوش کیا — ذوق تحیر نے اثر
یاد وہ آتے ہیں بہت — دل سے فراموش کیا — بے خبر ہوش کیا

شکست بے صدا

(از جناب مجنوں گورکھپوری)

(۱)

ایک دل جلے مصنف کا قول ہے کہ اب تک دنیا میں نہ جانے کتنے بے بنیاد افسانے سنگین تاریخی واقعات بنا کر پیش کئے جاچکے ہیں اور نہ جانے کتنے واقعات ہیں جنکو محض افسانہ بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور دنیا والے تنقید و تفحص کے عنصر سے کچھ اس قدر عاری ہوتے ہیں کہ اُن کو جو چیز جس صورت میں بھی ملی اسکو بجنسہ قبول کر لیا بشرطیکہ صورت دل کش اور نظر فریب ہو۔ اسی خیال سے ابتک میں ناصری کی سرگزشت عوام کے سامنے پیش کرنیسے گریز کرتا رہا کیونکہ پڑھنے والے اس کو بھی زیادہ سے زیادہ میری پرواز تخیل کا ایک کرشمہ سمجھ لینگے اور اگر انتہائی دریا دلی سے کام لیا تو میری کاوش اور خامہ فرسائی کے صلہ میں یہ کہدیں گے کہ "خوب لکھا گیا ہے" لیکن میرے احباب کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ صلہ میرے دل کو خون کر دینے والا ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ تو ناصری میرے دماغ کی پیداوار ہے اور نہ اُس کی زندگی میں ایسے واقعات ہیں جو کسی دلچسپ افسانہ کے لئے مواد بن سکیں۔ وہ بھی اسی "گوشت پوست" کا انسان ہے جس سے ہم آپ سب بنے ہیں۔ وہ بھی اسی کثیف دنیا میں سانس لے رہا ہے جس کو "دار المحن" "سجن المومنین" اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا ہے۔ البتہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے وہ ایک عجیب و غریب چیز ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بہت کم ہستیاں ایسی نکلیں گی جو اس کی ہمسر بن سکیں۔ ناصری کی یہی نمایاں حیثیت ہے جس نے عرصے سے میرے دل میں یہ خیال پیدا کر رکھا ہے کہ اس کی ایک "سیرت" تیار کی جائے جسکا وہ یقیناً حقدار ہے۔

میں بچپن سے ناصری کا غائبانہ طور پر گرویدہ تھا جب سے مجھ میں تھوڑا بہت علمی و ادبی شوق پیدا ہوا ناصری کی طرز تحریر نے میرے دل و دماغ پر اپنا سکہ جما لیا تھا۔ مجھے بھی حوصلہ تھا کہ ناصری کی طرح سحر نگار بن جاؤں۔ ہندوستان میں اردو اور انگریزی کا شاید ہی کوئی رسالہ ہو جسمیں اُس کے مضامین نہ چھپتے ہوں۔ اور میں ہر اس رسالہ کو منگایا کرتا تھا جس کے قلمی معاونین کی فہرست میں ناصری کا نام ہوتا۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ ناصری صرف اہل قلم ہی نہیں ہے بلکہ مقرر بھی ہے۔ اس کی تقریروں میں بھی وہی جادو ہوتا تھا جو اُس کی تحریروں میں تھا۔

میں نے ناصری کے مضامین کا غائر مطالعہ کیا تھا جن سے بہت کچھ اُسکی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ میرے خیال میں حیثیت صاحب قلم کے اُس کی زندگی کے چار دور ہو سکتے ہیں۔ ایک تو ابتدائی دور جسمیں اُس نے صرف نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ غزلیں اُس کی عموماً تڑپا دینے والی ہوتی تھیں۔ نظموں میں "تخلیق کائنات" اور "شاعر کی دنیا" اس کی شاعری کی بہترین یادگاریں ہیں جنکی

کسی زمانے میں بڑی دھوم ہو گئی تھی اُن کے علاوہ اور بھی کئی نظمیں ہیں جن کا تعلق جذبات سفلی سے ہے اور جو بری طرح انسان کے اعصاب میں تلاطم برپا کرسکتی ہیں مگر تو ہر نظم کے زاویے میں جو ناصری کو دوسرے شعراء سے ہمیشہ ممتاز رکھیں گے۔ دوسرا دور وہ ہے جسمیں اس نے زیادہ تر افسانے لکھے اور اردو افسانہ نویسی میں ایک نئی طرح ڈال کر اپنے کو افسانہ نویس تسلیم کرالیا۔ اُس کو بحیثیت اردو افسانہ نویس ایسی شہرت ملی کہ لوگ اس بات کو بھول گئے کہ اُس نے کبھی شاعری بھی کی ہے۔ یوں تو اس کا ہر افسانہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک اچھوتی چیز ہوتا تھا۔ لیکن اُس کے دو افسانے "حدیثِ آرزو" اور "پراگندہ دل" مجھکو خصوصیت کے ساتھ یاد رہیں گے "حدیثِ آرزو" میری نگاہوں میں اس لئے ممتاز ہے کہ وہ بہت کچھ میری اپنی زندگی کا نقشہ ہے مجھے یاد ہے کہ اُس کے ایک ایک ٹکڑے نے مجھکو کس طرح بیچین کردیا تھا۔ مثال کے طور پر ایک ٹکڑا لیجیے! میرا خیال ہے کہ اردو ادبیات میں جدتِ خیال اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے۔

"آپ میری زندگی کی اس شق کو لیجیے جو عورت اور محبت سے تعلق رکھتی ہے یا یوں سمجھئے کہ سب سے پہلے کہ میں اپنی زندگی کا وہ رُخ پیش کرنا چاہتا ہوں جو زرلینہ کو اور مجھکو دوش بدوش رونما کرتا ہو۔

فریبِ عشق بازی می دہم اہلِ تماشا را

اور اسی سلسلے میں دنیا کو معلوم ہو جائیگا کہ میں بحیثیت مجموعی کس قسم کا جانور ہوں — سچ پوچھیے تو عشق اور محبت رومانیت اور شعریت کا کوئی خاص مفہوم میرے دماغ میں نہیں ہے۔ میری رائے میں یہ سب مہمل الفاظ ہیں۔ کم از کم اُس عاشقی کا تجربہ تو مجھے بالکل نہیں ہے جسمیں وصل اور ہجر کی حسرت بالشان [illegible] [illegible] کھاتی ہیں اور ہم اپنی ساری عمر تمنائے وصل اور شکوۂ ہجر میں بسر کردیتے ہیں۔ صبر و سکون کھو بیٹھتے ہیں۔ دن رات کرب و اضطراب میں مبتلا رہتے ہیں دنیا کا کوئی کام نہیں کرسکتے اور آخر کار خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔ ہاں تو کہنا یہ تھا کہ زرلینہ کے ساتھ مجھے محبت نہیں تھی اگر محبت کا مفہوم وہی ہے جو عوام نے سمجھ رکھا ہے اور یہ کہ دفعتہً پہلی نگاہ میں مجھے اس کے ساتھ وابستگی پیدا ہوئی جیسا کہ عموماً محبت کی ابتدا ہوا کرتی ہے ایک طویل مدت تک ہم دونوں کو ایک دوسرے کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کے رفیق بن گئے۔ مجھے اس کے ساتھ موانست پیدا ہو گئی اور اُس کو میرے ساتھ۔ اور یہ موانست زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ شغف و انہماک کی اُس حد تک پہنچ گئی۔ جہاں دو ہستیوں کے محسوسات ایک ہو جاتے ہیں۔ وہ تو خیر اس جنس سے تعلق رکھتی ہے جسے آپ لطیف نازک اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں مگر خود میں بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ برسوں اُس کے ہنسنے پر ہنستا اور اُس کے رونے پر روتا رہا۔ باوجود اس کے کہ میری جنس کرخت اور عورت کے مقابلہ میں بلید الحس قرار دیگئی ہے مختصر یہ کہ آپ میری زندگی کے اس باب پر تبصرہ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں۔

کہ اندکے بہ ادا ہائے عشق مانند است"

دوسرا افسانہ "پراگندہ دل" ہے جس کا اثر مجھ پر ایک مدت تک رہا ہے۔ اس عجیب و غریب افسانے نے ناصری کی شخصیت کا اندازہ کرنے میں میری بڑی مدد کی۔ مجھے یقین ہے کہ "پراگندہ دل" محض ایک نقاب ہے جسمیں اُس نے اپنی ہستی کو چھپانے کی کوشش

کی ہے۔ شروع سے آخر تک اس کا ایک ایک جملہ پڑھنے والے کے دل میں ایک ہیجان پیدا کر سکتا ہے۔ اور کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی اگر اکثر کم ظرف اور خام کار نوجوان اس کو پڑھ کر گمراہ ہو جائیں ایک جگہ لکھتا ہے:۔

"میں بھی اپنی رو میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہوں جس سے میرے حواس کی بے ربطی کا کافی پتہ چلتا ہوگا لیکن میرے دوستوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ میں کوئی داستاں نہیں سنا تا رہا ہوں میری زندگی کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ ہے بھی نہیں۔ جس کو داستان بناؤں میں بس یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ مجھ جیسے لوگوں کیلئے مرنے سے پیشتر دنیا میں کیا "اجر جمیل" ہوا کرتا ہے۔ میں کسی کو دھوکا دینا نہیں چاہتا کوئی یہ نہ سمجھے کہ نفسانیت کی زندگی سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ میں نے آسودگی تلاش میں ایک مدت تک اپنے نفس کی غلامی کی ہے۔ ایک عمر آلودگیوں میں گزار چکا ہوں۔ میں کوئی واعظ یا پند گو نہیں ہوں۔ آسکر وائلڈ کی طرح میں بھی گناہ کو ارتقائے انسانی کا لازمی عنصر سمجھتا ہوں۔ پارسائی کے لفظ سے مجھے چڑ ہے وہ تمامتر مجھکو ڈھکوسلا معلوم ہوتی ہے خیر و شر کی حیثیت میرے نزدیک اضافی ہے یعنی ایک ہی فعل جو ایک موقع پر گناہ ہے کسی دوسرے موقع پر عین ثواب ہوگا۔ بہر حال ایک عرصے تک میں بھی اس قسم کی زندگی بسر کرتا رہا ہوں جو عام طور پر گمراہی اور ضلالت کی زندگی سمجھی جاتی ہے۔ میرا بھی مقصد صرف سکون حاصل کرنا تھا معلوم نہیں اور لوگ کبھی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے یا نہیں لیکن میں تو بری طرح مایوس ہوا۔ سکون ملنا تو ایک طرف میری سرمستیوں اور ہوسناکیوں نے میری غیر واضح بے چینی اور اضطراب میں اضافہ کر دیا۔ سنا کرتا تھا کہ شراب ایک کیف خود فراموشی پیدا کر دیتی ہے اور اس کے پینے والے اپنی ناکامیوں کے دردناک احساس کو بھول جاتے ہیں۔ مگر قسمت کی اس ستم ظریفی کو کیا کہوں کہ جب اسی غرض سے میں نے شراب پی تو خودی کا احساس مجھ میں اور تیز ہو گیا بھولی ہوئی ناکامیاں یاد آگئیں اور اس طرح میری بیتابیاں بڑھتی گئیں گویا نشہ کی حالت میں مجھ پر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جیسے آپ لوگ "خمار" کہیں گے آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ کوئی مجذوب کی بڑ نہیں کسی کی واقعی زندگی ہے"

اسی سلسلہ میں آگے چلکر لکھتا ہے۔

"ولس (Wells) کا قول ہے کہ ناآسودگی زندگی کی روح رواں ہے برنرڈ شا آسودگی کو موت سمجھتے ہیں بے دل بھی عالم آسودگی کی ہوا" کو جنوں خیز بتاتے ہیں میرا تجربہ بھی یہی ہے کہ انسان کا زندگی میں سکون کی تمنا کرنا ایک فعل عبث ہے۔ ممکن ہے سکتہ یا سبات کے مریضوں کو کبھی کبھی آسودگی نصیب ہو جاتی ہو مگر ان کے سوا کوئی صحیح و توانا آدمی ایسا خوش نصیب نہیں ہو سکتا۔

مطلبے گر دو دار ہستی ہیں آزاد بود
ورنہ در کنج عدم آسودگی بسیار بود

اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ اپنا رونا بھی نہ روئیے"

ناصر کی ادبی زندگی کا تیسرا دور وہ ہے جس میں اُس نے زیادہ تر فلسفیانہ اور تنقیدی مضامین لکھے اس میں بھی اس نے اپنی طرز تحریر اور انداز تنقید کو ممتاز رکھا شوپنہار اُس کا فلسفہ تصوف اور افلاطون کا نظریہ تصورات" شرح ویدانت" اور "عرفان حیات" اس دور میں اس کی بہترین یادگاریں ہیں۔

چوتھا دور سیاسیات و اقتصادیات کا ہے جبمیں ناصری نے عموماً انگریزی زبان میں مضامین لکھے اور بڑے بڑے مشاہیر پر اپنا سکہ جما لیا۔ اس زمانے میں مشکل سے اُس نے دو چار مضامین اردو میں لکھے ہوں گے۔ میں نے بالالتزام ناصری کے ہر دور کا غائر مطالعہ کیا تھا اور اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ یہ شخص اتنی مختلف کروٹیں صرف ایک اس لئے بدل رہا ہے کہ اُس کو ایک کروٹ چین نہیں ملتا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی رگ رگ میں جو فساد و انتشار ہے وہ اس کو متاثر رہیگا لیکن دو تین سال سے ناصری نے اپنی علمی و ادبی زندگی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہدیا تھا۔ اس دوران میں اُس نے نہ ایک حرف انگریزی میں لکھا تھا اور نہ اردو میں۔

طرح طرح کے وہم میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ میں سوچتا تھا کہ یا خدا ناصری کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح بلا کسی تمہید کے دفعتہً اُس نے سکوت اختیار کر لیا۔ ایک عرصے تک مجھے اس کی کوئی خبر نہ مل سکی لیکن آخر کار خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ خلاف اُمید میرا اُس کا شب و روز کا ساتھ ہو گیا اور میری وہ آرزو جس کو مدت سے اپنے دل میں پرورش دے رہا تھا پوری ہو گئی۔

(۲)

میں جو کچھ بطور تمہید کے لکھ چکا ہوں۔ اُس سے بہت کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ناصری کے ساتھ غائبانہ مجھے کس حد تک اُنس تھا چنانچہ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب مجھے معلوم ہوا کہ لکھنؤ کے جس کالج میں میں انگریزی کا پروفیسر ہو کر جا رہا ہوں اسی میں ناصری دو سال سے فلسفہ کی پروفیسری کر رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ جو شخص ناصری کی طرح سے آزادروی اور جولانی کا خوگر رہا ہو اُس کا یوں پابہ دامن ہو کر بیٹھ رہنا کم از کم میری سمجھ میں کیطرح نہ آتا تھا۔ بہر حال میں نے فوراً ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی حیلے سے لکھنؤ میں ناصری کے زیر سایہ رہوں گا اور اس کی صحبت سے جو کچھ فیض حاصل کر سکوں گا کرونگا۔ خود میری زندگی میں کچھ ایسے واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا کہ میں سکون و طمانیت سے محروم ہو چلا تھا۔ شب و روز آشفتگی و انتشار میں بسر کر رہا تھا اور ان دنوں ناصری مجھے خصوصیت کیساتھ یاد آ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایسے وقت میں اگر کوئی مجھے سکون دے سکتا ہے تو وہ "حدیثِ آرزو" اور "پراگندہ دل" کا مصنف۔ میں لکھنؤ روانہ ہو گیا ناصری کی صحبت کا خیال میری روح میں بالیدگی پیدا کر رہا تھا۔

لکھنؤ پہنچکر میں نے ایک ہوٹل میں عارضی طور پر قیام کیا۔ شام کو نہا دہو کر پرنسپل سے ملنے سیدھا کالج گیا۔ وہاں اُس سے آدھ گھنٹے تک ضروری معاملات پر گفتگو ہوتی رہی اُس نے مجھے کچھ ہدایتیں دیں جنپر مجھے عمل کرنا تھا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اُسی سے ناصری کا پتہ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ گولہ گنج میں رہتے ہیں۔ میں نے احاطہ سے باہر آ کر فوراً ایک تانگہ کرایہ پر کیا اور ناصری کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔ جولائی کا مہینہ تھا۔ بات کی بات میں بادل گھر آئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ لیکن مجھے تو اپنے "ہیرو" کی دُھن تھی۔ میں پانی پتھر سے کیا گھبراتا کچھ دیر تانگہ پر ادہر اُدہر سرگرداں پھرنے کے بعد مجھکو اُس کا مکان ملگیا جو تھا تو مختصر لیکن اپنی وضع قطع کے لحاظ سے نہایت خوشنما تھا برآمدہ میں ملازم تھا۔ میں نے اطلاع کرنے کو کہا وہ گیا اور فوراً واپس آ کر مجھے بلا لے گیا۔ ایک جھل سالہ میانہ قد دُبلا پتلا شخص جو

اپنی کتابوں سے گھرا ہوا ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اپنی نگاہوں کو یکسر سوال بنائے ہوئے میرے استقبال کو اُٹھا اور مصافحہ کرکے مجھکو سامنے کی کرسی پر بٹھا لیا۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ ناسازگار اتفاقات کے ہاتھوں بُری طرح مٹ چکا ہے۔ جس کا اثر اس کی صحت جسمانی پر بھی پڑا ہے۔ آنکھوں میں ایک ناقابل بیان گہرائی تھی جس کی تشریح تو ممکن نہیں۔ اتنا کہدینا کافی سمجھئے کہ مجھے ناصری کی آنکھیں وحشت انگیز معلوم ہوئیں۔

ناصری سے پہلی گفتگو جو ہوئی وہ بڑی حد تک مایوس کن تھی اور میری امیدیں برباد ہوتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص میں کیسے کے ساتھ خلوص و ہمدردی رکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ میں کسی غرض کو لیکر اس سے ملنے گیا تھا تو اُس نے ایک نہایت نرم لہجے میں جو مصنوعی معلوم ہوتا تھا کہا "آپ کے دل کو جو تعلق میری ذات سے ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ شکریہ میں میں بھی ایسی ہی محبت کا اظہار کروں لیکن آپ کو غلط فہمی نہ ہونی چاہئے اگر میں کہوں کہ میں اپنے اندر وہ جذبات نہیں پاتا جن کو محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ان جذبات کی کوئی اصلیت نہیں۔ کم از کم میرے لئے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ میں اور مجھ میں عمر کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ ممکن ہے آگے چلکر اپنے تجربات سے آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ مجھ میں اور آپ میں رفاقت نہیں ہو سکتی۔ آپ بے تامل ہوٹل سے اپنا سامان قیام یہاں لے آئیے اور رہئے۔ آپ کے ذوقِ علم و ادب سے اُمید ہے کہ آپ میری "تکان" بھی دور ہوتی رہیگی۔ صرف اس قدر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس رفاقت پر نہ مجھکو پورا اعتماد کرنا چاہئے نہ آپ کو۔ انسان کی طبیعت تغیر پذیر ہے۔ تلون انسان کے خمیر میں ہے۔ اور مجھ میں اور آپ میں بھی منافقت پیدا ہو جانا کوئی حیرتناک امر نہ ہوگا۔ ایسے وقت کے لئے ہم دونوں کو تیار رہنا چاہئے۔ لیکن اُس سے ہماری موجودہ صحبت کو بدمزہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ ان باتوں کو اگر آپ سمجھ کر میرے ساتھ رہیں گے تو دونوں کی اسمیں فلاح ہے۔ اب آپ جائیے اور بستر وغیرہ لے آئیے۔"

ناصری نے اپنی تقریر کا سلسلہ ختم کیا تو میں اُس کا منہ تکتا رہ گیا مجھے اس کے انداز گفتگو سے کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی مگر مایوسی ضرور ہوئی۔ اسپر ناصری کے ساتھ جو شیفتگی مجھکو پہلے سے تھی اس نے مجھکو مجبور کیا کہ اُسی کے ساتھ رہوں اور بلا کچھ سوچے سمجھے آکر ناصری کے مکان میں رہنے لگا۔ ناصری کے مکان کا نصف حصہ مجھے دیدیا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ اُس نے کرایہ میں میری شرکت گوارا نہ کی مجھے اس خیال سے تکلیف ہو رہی تھی۔ ناصری نے فیصلہ کن لہجے میں کہدیا تھا "اگر میرے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا تھا تو آپ کو ہوٹل ہی میں رہنا چاہئے تھا" میرے لئے سوا خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا۔

ناصری سے میں روز بروز زیادہ مایوس ہوتا جاتا تھا میں نے غائبانہ اُس کی بابت جو رائے قائم کر رکھی تھی وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ خیالی ناصری اور اصل ناصری بعد المشرقین نظر آرہا تھا۔ میں نے ناصری کو اُس کی نظموں اور فسانوں سے عشق مجسم

سمجھ رکھا تھا اور اس لئے اُس سے میری بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں محبت کے متعلق اُس کے نت نئے نظریے جو میری نگاہ سے گزر چکے تھے اُن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ یہ شخص کسی "بُرہا دِ محبت" کو محبت کے رموز سے آگاہ کر کے از سر نو بنا سکتا ہے لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ایسی چیزوں کا ذکر کرنا بے محل ہے۔ دو تین ماہ مجھے ناصری کے ساتھ رہتے ہوگئے تھے اس درمیان میں صرف ایک بار محبت کا ذکر آیا تھا۔ ناصری نے جس دلخراش اور حقارت آمیز لہجے میں اس موضوع پر بحث کی اُس سے میرا دل بیٹھ گیا۔ ناصری کے سینے میں یا تو محض دل کی جگہ "برف کی کوئی قاش" تھی یا پھر وہ کوئی ایسی ہستی تھا جس کو ہم لوگ سمجھ نہ سکتے تھے۔ مجھے اب بھی ایک حد تک یقین تھا کہ ناصری "اہل دل" ہے اگرچہ وہ کسی نہ کسی وجہ سے اپنے کو برافگندہ نقاب منظر عام پر لانا نہیں چاہتا تھا۔ اگر یہ یقین نہ ہوتا تو ناصری کی صحبت میرے لئے عذاب ہو جاتی۔ مجھے اُس کے متعلق یہ حسن ظن کیوں تھا؟ اُس کے مختلف اسباب تھے۔ ایک تو شاعر۔ افسانہ نویس اور نقاد ناصری کا جو نقش پہلے سے میرے دل پر بیٹھ چکا تھا وہ کسی طرح نہ مٹتا تھا۔ اس کے علاوہ اُس کی موجودہ زندگی بھی اُس کی "حسن شناسی" اور ذوقِ جمالیت" کا کافی پتہ دیتی تھی۔ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ آج تک میں نے اس کے بالوں کو کبھی درست نہیں دیکھا حجامت بنانے میں اس کا کوئی معمول نہ تھا۔ اکثر میں دبی زبان سے کہہ دیتا تھا "آپ کی حجامت بہت بڑھ گئی ہے بنا ڈالئے" کبھی تو وہ میرے کہنے پر بلا تامل عمل کر لیتا تھا اور کبھی میری صلاح کو قابل توجہ بھی نہ سمجھتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس معاملہ میں وہ پورا "لاُابالی" تھا۔ لیکن اِن سب "بے ندرتوں" کے باوجود اُس کا کمرہ جس سلیقہ سے آراستہ رہتا تھا وہ اُس کی حس لطیف کی بین دلیل تھی۔ روز صبح کو وہ اپنی کتابوں کو خود جھاڑن سے صاف کرتا تھا اُس کام میں ناصری کو کسی اور پر اعتماد نہ تھا۔ اس کے کمرے میں جتنی تصویریں تھیں وہ عامیانہ مذاق کی نہ تھیں بلکہ صناعی کی بہترین مثالیں تھیں۔ اِن سب باتوں کو بھی جانے دیجئے۔ ناصری جس وقت شاعری کے فلسفہ سے بحث کرنے لگتا تھا یا کسی مشرقی یا مغربی شاعر پر تنقید کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف شاعری کے راز سے آشنا ہے بلکہ زندگی کی کنہ پر بھی عبور رکھتا ہے۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ وہ "شعاع" جو زندگی کی روحِ رواں ہے مغربی شاعر کی گرفت سے بچکر نکل جاتی ہے اس لئے کہ وہ اپنی "استدلالیت" کا پھندا ڈال کر اُس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ یہی "شعاع" خود بخود اپنے کو مشرقی شاعر کی آغوش میں ڈال دیتی ہے۔ کیونکہ وہ کبھی اس کو پکڑنے کی کوشش نہیں کرتا جو پکڑنے کی چیز ہی نہیں۔ مشرقی شاعر کی امتیازی خصوصیت "وجدانیت" ہے اور مغربی شاعر کی "عقلیت"۔

ناصری اکثر غیر ارادی طور پر اشعار پڑھا کرتا تھا۔ یہ اشعار نہ صرف اُس کی نقادی کی بلند معیاری پر دلالت کرتے تھے بلکہ اُس کی ہستی کی پوشیدہ ترین تہوں کو کھول کر رکھ دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جو زمانہ ناصری پر سے گزر چکا ہے وہ اپنا ایک بھوت چھوڑ گیا ہے جو ناصری سے ہر وقت لپٹا رہتا ہے میرا یہی یقین کرنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ عشق و محبت کا پُتلا ہے

اور اُس کا دل صرف جذبات کے گداز سے تیار ہوا ہے۔ مگر اِس یقین کو قوی کرنے کے لئے مجھے کوئی ظاہری وجہ نہ ملتی تھی۔ بلکہ برخلاف ناصری نے ہمیشہ محبت اور حسن سے اپنی بیگانگی ہی ظاہر کی میں عجیب کشمکش میں تھا۔ وہ مجھ سے عمر میں بہت بڑا تھا میری ہمت نہ پڑتی تھی کہ اُس سے کسی دن صاف صاف گفتگو کروں اس کی طرز تنقید سے بھی ڈرتا تھا کہ اپنی جارحانہ بحث سے کہیں میرا دل نہ دکھا دے۔

ہاں تو وہ واقعہ جب محبت کی بحث چھڑ گئی تھی یوں تھا:۔

یوں تو کالج میں ہر پروفیسر ناصری کی قابلیت اور ذہانت کا قائل تھا لیکن عموماً لوگ اُس سے جلتے تھے۔ اُس کا بہت بڑی حد تک ناصری خود ذمہ دار تھا۔ اُس کو جب کبھی موقع ملتا تو وہ کسی پر اعتراض کر بیٹھنے میں مطلق دریغ نہ کرتا۔ اُسکو کسی کی دل شکنی کی پروا نہ تھی۔ میرے سوا اگر کوئی تھا جو ناصری کو واقعی چاہتا تھا تو وہ شیام منوہر تھے جو نفسیات کے پروفیسر تھے وہ خود بھی بے انتہا قابل تھے لیکن ناصری کو ہر حیثیت سے برتر مانتے تھے۔ ان کی عمر اٹھائیس سال کی تھی مجھ سے ایک سال بڑے تھے۔ اُن کو شاعری سے بڑا شغف تھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور اچھا کہتے تھے۔ شادی اب تک نہیں ہوئی تھی مجھ میں اور اُن میں سب سے زبردست مشترک عنصر یہی تھا۔ ایکسپروفیسر تھے جو ناصری سے بے تکلف تھے اور تم کہکر مخاطب کرتے تھے۔ ناصری کو بھی اس سے خاص تعلق تھا۔ شیام منوہر روز ہمارے مکان پر آتے تھے اور گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ مختلف مباحث پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ناصری اپنے اچھوتے خیالات سے اُن کو مسرور کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا تھا اور دونوں جھگڑ بیٹھتے تھے۔ یا پھر ہم تینوں ساتھ سنیما چلے جاتے تھے اور وہاں ناصری کی نقادی خاص چیز ہوا کرتی تھی۔ ماجرا (پلاٹ)، افسانہ کی نوعیت۔ تصویروں کی صفائی۔ ایکٹنگ۔ ہر چیز ہی پر وہ اپنی رائے دیدیتا تھا اور ہم لوگوں کے خیالات میں اس سے کچھ نہ کچھ ترمیم یا اضافہ ضرور ہوتا تھا۔

ایک روز شیام منوہر پانچ بجے شام کو آئے اور کہنے لگے "چلو سینما دیکھ آئیں" آج وہ کسیقدر افسردہ و ملول نظر آ رہے تھے ناصری نے اُن کے لب و لہجہ میں ایک غیر مانوس پژمردگی پائی اور پوچھا "کیوں منوہر آج کچھ متفکر سے کیوں ہو؟"

شیام منوہر نے جواب دیا "کچھ نہیں۔" مگر ان کے "کچھ نہیں" سے پایا جاتا تھا کہ بہت کچھ ہے میں کہہ چکا ہوں کہ ناصری کو شیام منوہر سے بڑا اُنس تھا۔ اُس کو کسیقدر تشویش ہوئی اس لئے کہ شیام منوہر کی شگفتگی ضرب المثل تھی اُن کی صحبت دوسروں کو شگفتہ کر دیتی تھی۔ آج انکا چہرہ اترا ہوا تھا۔ یہ تشویش کی بات تھی۔ مگر ناصری اپنی تشویش کو بہت زیادہ نمایاں نہیں کیا کرتا تھا اُس نے کہا "ممکن ہے تمھیں دھوکا ہوا ہو۔" پھر مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا "ظہیر تم بتاؤ یہ فکرمند ہیں یا نہیں؟" میں نے کہا "ہاں کچھ معلوم تو ہوتے ہیں۔" شیام منوہر خاموش رہے۔ ناصری نے چائے منگائی۔ چائے پیتے ہوئے وہ بار بار ایک اچٹتی ہوئی نگاہ شیام منوہر کے چہرہ پر ڈال لیتا تھا اور کچھ جاننا چاہتا تھا۔ شیام منوہر ہماری باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ وہ کسی خیال میں رہ رہ کر گم ہو جاتے تھے۔ ناصری

کبھی میری طرف دیکھتا تھا کبھی ان کی طرف۔ کچھ دیر یونہی گزری ہوگی کہ شیام منوہر نے خود بخود کہا:۔

"ناصری! مجھے تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اگر آج کی کیفیت سے تم کو آگاہ کروں تو تم مجھکو اپنی جرح و تعدیل سے خراب کر دوگے۔ اگر رسکن اور کارلائل کے دقیق خیالات نہ سمجھ میں آتے ہوں تو تم سے سمجھے۔ روسیو، ورڈسورتھ اور رومی کا تصوف تم سمجھ اور سمجھا سکتے ہو۔ افلاطون سے لیکر ابتک جتنے حکما گزرے ہیں اُن سب کے نکات تم بتا سکتے ہو۔ شیلی اور بیدل کی ناآسودگی کا راز تم کو معلوم ہے لیکن ...."

شیام منوہر رک گئے۔ ناصری نے مسکرا کر کہا:۔

"معلوم ہوا اور کہیں آنکھ لڑی ہے"

اور اسمیں شک نہیں کہ اُسکی مسکراہٹ دل دکھا دینے والی تھی۔ شیام منوہر جوش میں تو تھے ہی۔ اُنکو جلال آگیا۔ کہنے لگے:۔ "ہاں لڑی ہے اور بُری طرح لڑی ہے۔" آج مجھے معلوم ہوا کہ ایک بار دیکھنے کے بعد دوسری بار دیکھنے کی ہوس کیونکر ہو سکتی ہے۔ رات بھر میں نے جس کرب و اضطراب میں بسر کی ہے اُس کا حال میرا دل جانتا ہے ......"

ناصری نے بات کاٹ کر پوچھا "آخر کیا ایسا دیکھا جسکے دیکھنے کی دوبارہ ہوس ہے اور جسنے سکون سے آپ کو اس طرح محروم کر رکھا ہے بتائیے ممکن ہے کچھ حاتمی" آپکے ساتھ کیجا سکے"۔ شیام منوہر نے کسیقدر تندی سے کہا "آپ اپنی حاتمی" اپنے پاس رکھئے۔ یہی بہت ہو کہ میرے جذبات کے ساتھ تمسخر نہ کیجیے۔ کل میں بدنصیب شام کے وقت بنارسی باغ جانکلا پھر جو کچھ دیکھا اس کے بیان کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں۔ پورے ایک گھنٹے تک ایک زہرۂ ارضی کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی بار بار میری طرف دیکھتی رہی

غالباً میری محویت کو محسوس کر رہی تھی۔ جب وہ وہاں سے اُٹھکر چلی گئی تو تھوڑی دیر تک مجھے ہر چیز دھندلی نظر آرہی تھی۔ رات بھر اسی کی صورت مجھکو ستاتی رہی۔ مجھے یہ ایک نیا تجربہ ہوا جو باوجود اپنی تلخی کے دلکش اور روح افزا معلوم ہوتا ہے۔ یہ تجربہ میرے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک متمول تعلیم یافتہ کھتری گھرانے کی لڑکی ہے جسنے اُسی سال بی اے پاس کیا ہے۔"

ناصری واقعی بڑا اجلا دکھا کہنے لگا۔ اچھا یہ بتاؤ تم اپنی الگن پری کو بغیر دیکھے ہوئے کبتک اس بیتابی اور ہوس کو قائم رکھ سکتے ہو؟"

خیام منوہر کا ضبط جاتا رہا۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ آواز بھرا گئی۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ناصری تم انسان نہیں حیوان ہو میں نے یہ کب دعویٰ کیا کہ میرے جذبات کی شدت میں کبھی تخفیف نہ ہوگی یا امتداد زمانہ کا اثر مجھ پر نہیں ہوگا۔ لیکن اِس کے معنے یہ تو نہیں ہوئے کہ محبت کوئی چیز نہیں!۔ ناصری نے فوراً کہا:۔ ہاں اِس کے بھی معنے ہوئے جب آپ حادثات زمانی و مکانی کے ہاتھوں اس طرح مجبور ہیں تو آپ پھر کسی چیز کو ایسی غیر معمولی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ جہاں ہر چیز فنفی و گزشتنی ہو وہاں محبت بھی فنفی و گزشتنی ہے جہاں ہر چیز مایہ ہو وہاں محبت بھی مایہ ہو زنا کی فتح قطعی ہے تو پھر آپ محبت کا نام کیوں لیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ اپنی نفسیات کی اصطلاح میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک خاص ہیجان ہے جو ایک قسم کا ہیجان آپ کے اعصاب میں پیدا کر رہا ہے سو میرا خیال ہے کہ یہ ہیجان ہر عورت پیدا کر سکتی ہے اور ہر عورت اُسکو آسودہ کر سکتی ہے کیونکہ یہ ہیجان متعلق ہے بقائے نسل کی خواہش سے۔ یہاں حسن و عشق کا کام نہیں آپ اِس جذبہ کو کسی خاص ہستی سے کیوں وابستہ کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ زرا آپ سوچئے تو کہ اگر

آپ کو یہ اُمید نہ ہوتی کہ اس "زہرۂ ارضی" پر قابو پانا ممکن ہو تو کیا اس حالت میں بھی آپ اُس کے اسی طرح گرویدہ ہو سکتے تھے؟ آخر آپ کسی حسین اور دلکش تصویر یا مجسمے کے لئے کیوں نہیں تڑپتے۔ کیوں نہیں اپنا دل دکھاتے۔ فرض کیجئے کہ اسی عورت کو کسی تصویر کی صورت میں دیکھتے اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ محض ایک تصویر ہے یعنی اس کی اصل کا کہیں وجود نہیں ہے تو کیا آپ اُسوقت بھی اس کی محبت میں گھلنے کا دعویٰ کر سکتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر یہ محبت کی افترا پردازی کیوں "خرافاتِ یونان" میں ایک بادشاہ کا افسانہ ہے جسکا نام پگمیلیں تھا وہ سنگ تراش تھا اپنی دلچسپی کے لئے مجسمے تیار کیا کرتا تھا۔ ایک بار اُس نے ایک ایسی حسین وجمیل عورت کا مجسمہ بنایا کہ خود اُسپر فریفتہ ہوگیا اور دن رات اُسی کی پرستش میں مبتلا رہنے لگا۔ اس عشق و محبت کا میں قائل ہو سکتا ہوں مگر اس کا کوئی وجود نہیں یہ تو صرف ایک شاعر کے دماغ کی پیداوار ہے۔ اسپر بھی انسان کی مادہ پرستی دیکھئے کہ ایک صناع کو بھی آخرکار اُس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اس کا مجسمہ ایک چلتی پھرتی عورت میں تبدیل ہو جائے اُس کے لئے اُس نے حسن کی دیوی زہرہ کی کیسی کیسی خوشامدیں کیں اور آخر کار جو چاہتا تھا اُسے حاصل کر کے چھوڑا۔ مختصر یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ محبت کس بلا کو کہتے ہیں مجھے تو سب ڈھکوسلا نظر آتا ہے۔"

ناصری نے بڑی بے رحمی کے ساتھ محبت کو افترا پردازی ثابت کر کے رکھ دیا۔ شیام منوہر نے سکوت اختیار کر لیا مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا "آپ تو ان واردات وکیفیات کو جو انسان کے نازک ترین حصے یعنی دل سے متعلق ہیں اس طرح لغو ثابت کیے چلے جاتے ہیں کہ گویا آپ کے سینے میں دل ہی نہیں۔"

ناصری کو شاید مجھ سے ان کلمات کے سننے کی امید تھی۔ وہ ایک بار کسیقدر متحیر ہوا مگر پھر اپنے ابروؤں کو درست کر کے ایک ترش تبسم کے ساتھ جواب دیا:-

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

شیام منوہر عاجز ہو چکے تھے جھنجلا کر بولے "اس جراحی سے بہتر ہے کہ آپ اب خاموش رہئے۔" ناصری خاموش ہوگیا اور بڑی دیر تک خاموش رہا یہاں تک کہ شیام منوہر اُٹھ کر چلے گئے سنیما کا وقت نکل گیا تھا۔ اور کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ ناصری کسی خیال میں محو ہوگیا تھا۔ میں بھی اپنے کمرے میں چلا آیا اور سوچنے لگا۔ یا خدا یہ کس قسم کا انسان ہے جو باوجود اپنی شاعری اور نازک خیالی کے ان جذبات سے یکقلم عاری معلوم ہوتا ہے۔ جو انسان اور خصوصاً ایک شاعر کی روحانی غذا بتلائے گئے ہیں۔" ضدین کا یہ اتصال کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ شیام منوہر کی روداد محبت میں اور کچھ کہنا نہیں ہے۔ صرف اس قدر بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے بڑی سرگردانیوں اور ریشہ دوانیوں کے کے بعد اپنی الگن پری سے شادی کر لی۔ ناصری سے اور اُن سے جو بدمزگی ہوگئی تھی وہ دیرپا نہ تھی۔

(۳)

مجھے لکھنؤ میں رہتے ہوئے ایک سال سے کچھ زیادہ ہوگیا تھا اس درمیان میں مجھکو ابتک نہ موقع ملا اور نہ ہمت ہوئی کہ ناصری کی زندگی کے حالات خود اُس سے دریافت کروں۔ دوسروں سے صرف اس قدر معلوم ہو سکا تھا کہ پانچ برس ہوئے کہ اُس کی بیوی

مرگئی اور وہ ایک مدت سے اپنے ماں باپ اور خاندان کے تمام لوگوں کو چھوڑے ہوئے ہے۔ کبھی بھول کر بھی گھر کی طرف رخ نہیں کرتا لوگوں کا قیاس تھا کہ شاید باپ وغیرہ سے کچھ بگاڑ ہے اس سے زیادہ میں ناصری کے متعلق کوئی اور خاص بات نہ جانتا تھا رفتہ رفتہ مجھپر یہ منکشف ہو چکا تھا کہ ناصری میرے خلوص اور قلبی لگاؤ کی قدر کرتا ہے اور کم از کم ان جذبات کو وہ فضائل انسانی میں شمار کرتا ہے۔ اگرچہ پہلے دن اُس کے انداز گفتگو سے ٹپکتا تھا کہ وہ ان جذبات کو بھی آنی و فانی سمجھتا ہے اور اُن کو کوئی خاص وقت دینا نہیں چاہتا۔ میں نے اب یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی دن جب اُسکو شاعری کی لطیف دنیا میں محو پاؤنگا تو میں اُس سے اُس کی زندگی کے سارے واقعات دریافت کرونگا اور میری جو قدر و منزلت اُس کی نگاہ میں تھی اُس سے مجھے امید تھی کہ وہ میری خواہش کو رد نہ کرے گا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میرے نام ہندوستان کا ایک مشہور اردو رسالہ آیا اسمیں ایک افسانہ چھپا تھا جس کا عنوان "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" تھا۔ افسانہ اپنی خاص نوعیت رکھتا تھا اسلوب بیان بھی دلکش تھا بہرحال مجھے بے انتہا پسند ہوا۔ میں نے سوچا کہ ناصری کو چلکر سناؤں اور اُس سے پوچھوں کہ کیسا افسانہ ہے جاڑے کا موسم تھا شام ہو چکی تھی۔ ناصری اپنے کمرے میں میز پر بیٹھا ہوا "رباعیات سرمدؒ" پڑھ رہا تھا۔ مجھکو دیکھکر کہا "آؤ ظہیر میں ابھی تم کو بلانے والا تھا۔ تم میں صلاحیت شعری اس قدر ہے کہ جب کوئی کسی شعر پر وجد کرتا ہوں تو جی چاہتا ہے تم بھی ساتھ ہو اور ساتھ وجد کرو۔" آج وہ عجیب عالم میں تھا اور جس طرح آج اُس نے مجھکو سرفراز کیا کبھی اور نہیں کیا تھا اس کے بعد سرمدؒ کا یہ شعر پڑھا:۔

از شامتِ غفلت نہ رسیدم بوصال　　عمرم ہمہ در دورئ جاناں بگذشت

شعر سنکر مجھ پر بھی ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ ناصری نے کہا "یادی النظر میں کتنا معمولی شعر ہے۔ کیسی بات کہی ہے۔ ہم آپ روز اس قسم کے گلے کیا کرتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہم واقعی روتے ہیں "دورئ جاناں" کو سمجھتے ہیں کہ واقعی مٹا دینے والی چیز ہے اور اس لئے اُس سے اس طرح ڈرتے ہیں کہ گویا کوئی آسمانی بلا ہے۔ برخلاف اس کے شاعر کو دیکھئے کہ اس دورئ جاناں میں اپنا سارا سرمایۂ زندگی لٹا کر رکھ دیا اور پھر اس لہجے میں اس کا ذکر کرتا ہے کہ گویا جس چیز کو آپ بربادی سے تعبیر کرتے ہیں اُس چیز نے اُس کی روح میں ایک ایسی بالیدگی پیدا کر دی ہے جس نے اُسکو داستان فخر و ناز کے ساتھ بیان کرنے کے قابل بنا دیا اس وقت مجھے خواجہ حسن اللہ بیاںؔ کا ایک شعر یاد آگیا اس میں بھی خصوصیت ہے کہتا ہے:۔

ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خاک　　پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

شاعر کے تیور کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی پامالی کی سرگزشت کو قابل احترام سمجھتا ہے۔ شاعر کی یہی ادا ہے جو اُس کو عوام الناس سے ممتاز رکھتی ہے جو لذت اُس کو اُلٹی سانسوں میں ملتی ہے وہ تم کو جنت کی ہواؤں میں بھی نہیں مل سکتی تم بھی دوسروں کی طرح سمجھتے ہو گے کہ میں عشق و محبت کی قدر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لیکن ظہیر میں کسی کے جذبات محبت کی داد دوں۔ میں تو بس شاعر کے عشق کو عشق سمجھتا ہوں جو قیود مکانی و زمانی سے آزاد ہے جس کے لئے مادیات کی حاجت نہیں جو وصل کا پابند نہیں جسمیں اگر ہجر کا گلہ بھی ہوتا ہے تو وہ اس لہجے میں کہ گویا شکریہ ہے ایسا عاشق کہ ہر حال میں مسرور رہتا ہے اس کا یہ قول سرمدؒ ایمان یہ ہوتا ہے کہ

سودا کہ دلم کرد تمامش سوداست

یہ عشق دنیا میں نایاب ہے اور میں کسی اور عشق سے مرعوب نہیں ہوتا"
ناصری نے اپنی پرجوش تقریر کا سلسلہ ختم کر دیا۔ آج وہ مجسم سوز و گداز
تھا میں نے اُسکو اس سے پہلے اس عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے
بعد اُس نے سرمد کی روداد عشق پر سرسری طور پر کچھ کہا جس سے معلوم
ہوا کہ وہ اُس کے سوداۓ محبت کا دل سے احترام کرتا تھا۔

اس سلسلے میں ناصری کی زبان سے یہ الفاظ سنکر میرے دل کو بڑی
تسکین ہوئی "عشق تو در اصل وہ چیز ہے جو انسان کو ملائکہ سے بھی
زیادہ برگزیدہ بنا سکتی ہے۔ اس سے انسان کی ہستی جلا پاتی ہے
لیکن انسان نے بھی اپنے کو کیسا آلودہ بنا ڈالا ہے۔ لوگ جب محبت کا
ذکر کرتے ہیں تو میں حیرت سے اس لئے جاتا ہوں کہ وہ خوانخواہ ایک
"گوشت و پوست" کے ہیجان کو محبت کہتے ہیں۔

جنوں نداری و آشفتہ خطاب اینجاست

آج بہترین موقع تھا کہ میں ناصری کے متعلق جو کچھ اتنی مدت سے
جاننا چاہتا تھا اُس کو کماحقہ جان لوں عشق و محبت کے بارے میں
تو اُس نے خود میرے شبہات رفع کر دئے تھے مگر اُن حوادث سے
میں بالکل ناواقف تھا جنھوں نے اُس کو اس قدر پختہ مغز بنا دیا
تھا۔ میں اُسکے سامنے اپنا سوال پیش کرنے والا ہی تھا کہ اُس نے
میرے ہاتھ میں رسالہ دیکھکر پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا "اسمیں
ایک افسانہ شائع ہوا ہے جس کو آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ عنوان
"ئیں ہوں اپنی شکست کی آواز" ہے۔

عنوان سنکر اُس نے کہا "آپ مجھے اُسکو نہ سنائیے۔ میرے لئے
اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی" میں نے پوچھا کیوں؟
اُس نے جواب دیا "شکست کی آواز کا مجھ پر کوئی اثر ہوتا ہی نہیں
اور نہ اسمیں کوئی اثر ہوا کرتا ہے یہ تو انسان کی کم ظرفی کی دلیل ہے
میں تو "شکستِ بے صدا" سے متاثر ہو سکتا ہوں جب کبھی غالب کا یہ مصرع
میرے ذہن میں آتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ بیدل کا یہ مصرع بھی یاد
آجاتا ہے:-

شکستن ہم نمی ارزد از شیشۂ من بے صدائیہا

یہ شکست البتہ ایسی ہے جسپر ناز کرنا چاہیئے"۔

میں یہ سنکر بیتاب ہو گیا۔ اب زیادہ دیر تک صبر کرنا میرے بس کی
بات نہ تھی۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ناصری صاحب آپ مجھ سے بزرگ ہیں
اس لئے ابتک آپ سے اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا۔ لیکن خدا کے
لئے اب مجھکو زیادہ عرصے تک دھوکے میں نہ رکھئے میں آپ کے پاس
اس لئے آیا تھا کہ شاید آپ کے تجرباتِ زندگی سے مجھے بھی کچھ
سکون ہو۔ مجھکو نہ جانے کیوں یہ یقین تھا کہ اگر مجھکو کوئی تسلی دے سکتا
ہے تو وہ آپ ہیں۔ میں بھی خدا کے سیکڑوں بندوں کی طرح اطمینان
قلب سے محروم ہو چکا ہوں جس ہستی کو اب تک اپنی زندگی کا حاصل
سمجھتا تھا جس سے جدا ہو کر مجھے یقین تھا کہ میں کبھی سانس نہیں
لے سکتا اُس کو سپرد خاک کئے چلا آرہا ہوں اور زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے
کہ جی رہا ہوں۔ ناصری صاحب میں آپ کی زندگی کے حالات
جاننا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے ان سے میں خود کچھ سیکھ سکوں اور آخرکار
اُس سکون کو حاصل کر لوں جس سے محروم ہو چکا ہوں۔ اُس کے بعد
میں نے اپنی سرگزشت مختصراً بیان کر دی۔ ناصری نے میرے ہر لفظ
میں پورے خلوص پائی وہ مجھکو تھوڑی دیر تک غور سے دیکھتا رہا
پھر پوری ہمدردی کے ساتھ بولا۔ ظہیر میرا دل کہتا تھا کہ تم بھی کسی
نہ کسی طرح سے مٹ چکے ہو مجھے تعجب ہوتا تھا کہ تم میں اس قدر گھلاوٹ

کہاں سے آئی تم نے غلطی کی جواب تک اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ میری زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں جسمیں ہر شخص کو دلچسپی پیدا ہو سکے مگر تم اُس کو جانتے کے آرزومند ہو تو ضرور تم کو اپنی رام کہانی سناؤنگا لیکن آج مجھکو معذور سمجھو۔ "سنائینگے جو کبھی دل پر اختیار رہا"

میں ناصری کو حیرت سے دیکھنے لگا کیا ناصری کو عام طور سے اپنے دل پر اختیار نہیں رہا کرتا؟ کیا درحقیقت اُس کا سکون ہنگامہ بہ آغوش رہتا ہے؟ مجھے تو اس کے "بُت در آستین" ہونیکا شروع ہی سے یقین تھا اگرچہ اُس کا "لباسِ دیں" رہ رہ کر مجھکو دہوکا دیدیتا تھا۔ میں نے بھی اُسوقت ناصری سے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور صبر کے ساتھ اُس گھڑی کا انتظار کرنے لگا جب وہ خود اپنی داستان سنانے کے قابل ہو جائے

(۴)

ناصری ایک نحیف الجثہ آدمی تھا۔ اُسپر تندرستی بھی بہت خراب تھی روز کوئی نہ کوئی شکایت لگی رہتی تھی۔ مگر اُس کو اس کی کوئی فکر نہ تھی۔ مجھے اس کی صحت کی طرف سے ہمیشہ اندیشہ لگا رہتا تھا اور آخر کار میں جس بات سے ڈرتا تھا وہ ہو کر رہی۔ ایک بار ناصری کو تقریباً ایک ہفتہ تک شدید تپ چڑھی رہی۔ اُس کے بعد ہلکی سی حرارت رہنے لگی۔ کھانسی کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے کالج سے رخصت لیکر آرام کرنا بہت ضروری ہے ناصری نے مسکرا کر کہا "اب میں عنقریب ہمیشہ کے لئے آرام کرنے والا ہوں"۔ اُس کے اس جملہ سے یاس و حسرت ٹپک رہی تھی۔ اگرچہ وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔

ایک مہینہ گزر گیا اور ناصری کی حرارت نہ اُتری۔ غذا صرف نام کو رہ گئی تھی ضعف رفتہ رفتہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ اب وہ پلنگ سے اُتر کر مشکل سے چار قدم چل سکتا تھا۔ ایک دن صبح چھ بجے کے جبکہ میں سو ہی رہا تھا ناصری نے مجھکو پکارا میں اُٹھ بیٹھا اُس نے کہا نوکر سے کہدو کہ چائے وغیرہ لے آئے۔" نوکر چائے لے آیا میں نے ایک پیالی بنا کر اُس کو دی ایک خود پینے لگا۔ ناصری نے چائے پیتے ہوئے کہا:۔

"ظہیر! یہ روگ موت کا روگ ہے۔ مجھے اب زیادہ دنوں تک اس دنیائے گردوباد میں رہنا نہیں ہے۔ میں آج چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے واقعات تم سے بیان کروں جن کے سننے کے تم اتنے دنوں سے مشتاق ہو۔"

میں نے خود اب تک اُسکو بے محل سمجھا تھا کہ ناصری کو اس کا وعدہ یاد دلاؤں۔ آج وہ خود اپنا وعدہ وفا کرنا چاہتا تھا۔ میرے لئے اس سے زیادہ دلچسپی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ مگر اس کی صورت پر جو حسرت برس رہی تھی وہ میرے اعصاب کو بے قابو کر رہی تھی۔ ناصری کا ضبط و تحمل میرے دل میں گھر کر چکا تھا جتنا ہی زیادہ وہ ضبط و تحمل سے کام لیتا اُتنا ہی میرا دل اُسپر رویا کرتا۔

میں نے کہا ناصری صاحب کہیں آپ کو تکان نہ ہو جائے۔ رہنے دیجئے جب طبیعت روبہ صحت ہوئے تو سنا دیجئے گا۔ اُس نے جواب دیا "صحت کا تو ذکر نہ کرو۔ اور نہ میں صحت کا طلبگار ہوں لیکن آج میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو اپنی زندگی سے آگاہ کروں"۔ یہ کہکر اُس نے دوسری پیالی چائے کی مانگی اور پھر یوں شروع کیا۔

"قبل اس کے کہ میں اُس مسموم زمانے کا مفصل ذکر کروں جسمیں زندگی کے راز سے آگاہ ہوا ضروری یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ابتدائی عمر سے

لیکر اب تک کی زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالوں اور یہ بتاؤں کہ بچپن سے میرے دماغ کی نشو و نما کیسی ہوئی. غالباً اس کو ماننے میں تمکو کوئی عذر نہ ہوگا کہ بچپن سے میری طبیعت انوکھی تھی. میری سرشت میں بغاوت اور سرکشی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا ہوش سنبھالتے ہی جو بات سب سے پہلے میرے ذہن میں بیٹھی وہ یہ تھی کہ جس خاندان میں اور جس ماحول میں پیدا ہوا ہوں اُس میں صرف وہ بدبخت پیدا ہوتے ہیں جن کو اپنے پچھلے جنم کی بدکرداریوں کے لئے سزائیں بھگتنا ہوتی ہیں۔ اور اس سے بغاوت نہ کرنا بجائے خود ایک ایسا گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں اور میرے گھر والوں میں کوئی مناسبت نہ تھی۔ میں جس قدر سریع الحس اور نازک خیال تھا اُسی قدر وہ لوگ بے حس اور خیالات کے لحاظ سے بھدے تھے میرے جذبات جس قدر لطیف اور غیر ملوث تھے اُسی قدر اُن کے جذبات کثیف اور عامیانہ تھے۔ بلکہ یوں سمجھے کہ جن کو وہ لوگ جذبات کہتے تھے وہ میری اصطلاح میں جذبات نہ تھے بلکہ محض چند رسمی پابندیاں تھیں جو انسان کی روح کو مردہ کر دیتی تھیں۔ تم اُس کو شاعری یعنی مبالغہ نہ سمجھنا یہ کسی دل جلے کے وارداتِ قلب ہیں۔ میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ میں اُن دنوں بھی اُنھیں اصطلاحات میں سوچا کرتا تھا۔ میں بچہ تھا اور میری قوت فکر اس قدر پختہ نہ تھی لیکن یہ دردناک احساس کہ میں غلط جگہ پیدا ہوا اُسی وقت سے میری ساری ہستی پر چھایا ہوا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کمسنی اور بے شعوری کے زمانے میں بھی اکثر رنج و غصہ کی حالت میں میرے مُنھ سے بے ساختہ نکل گیا ہے کہ اللہ میاں نے نہ جانے کیوں مجھے اِس گھر میں پیدا کیا! یہ بغاوت اور سرکشی مجھے باپ کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ میرے والد تھے تو نہایت تعلیم یافتہ مگر اُن کی زندگی سرتاسر بے عنوانیوں پر مشتمل تھی اور قیامت یہ کہ وہ کسی دوسرے کی بے عنوانی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ میرے اندر ضد اور خود رائی کا جو عنصر تھا اُس کو مٹانے کے لئے وہ ہر وقت کوشش کرتے رہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ میری ضد بڑھتی گئی۔ میرے والد میری طبیعت کو سمجھکر مجھ پر تشدد کرتے تھے۔ مجھے اُن سے نفرت شروع ہو گئی۔ اُن کو سارے خاندان سے دشمنی تھی مجھے ساتھ ہی ساتھ اُن سے بھی دشمنی ہو گئی اور یہ دشمنی روز بروز بڑھتی گئی۔

میرا خاندان مالی حیثیت سے خوش حال تھا اور میرے لئے ہر قسم کی مادی آسائش موجود تھی مگر میں بے چین رہتا تھا۔ میں ایک نامعلوم چیز کے لئے بیتاب رہا کرتا تھا۔ نہ جانے کیا چاہتا تھا۔ شیلی کی طرح ایک ناقابل بیان تشنگی میری ساری ہستی کو جلاتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ میں بعض مرتبہ دل سے دعا کرتا تھا کہ یا خدا مجھے اس ناز و نعمت کی دنیا سے محروم کر دے اور مجھکو فلاکت و گداگری میں مبتلا کر دے۔ یہ میں اُس وقت کی حالت بیان کر رہا ہوں جبکہ میری عمر ۱۲ سال کی تھی اور میں اسکول میں پڑھتا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ اس عمر میں جس کی پراگندہ دلی کا یہ عالم رہا ہو اُس کی زندگی کیسی مصیبت میں رہی ہوگی۔ اُس وقت جس نے کچھ دنوں کے لئے میری گرتی ہوئی حالت کو سنبھال لیا وہ میری پھوپھی کی لڑکی زبیدہ تھی جو مجھ سے عمر میں ایک سال بڑی تھی اور خوبصورت ہونے کے علاوہ نہایت ہوشمند اور دور اندیش تھی۔ سب سے پہلے مجھ میں وہ شورش جسکو دنیا محبت کہتی ہے۔ زبیدہ ہی نے پیدا کی۔ نہ جانے مجھ میں اُس نے کونسی بات دیکھی کہ وہ میری طرف

مائل ہوگئی۔ ان دنوں میرا معمول تھا کہ اپنی فرصت کا بیشتر حصہ کتب بینی میں صرف کرتا تھا یا پھر شہر سے بہت دور جمنا کے کنارے کنارے نکل جاتا میں آگرہ کے تمام شہر میں "ویرانہ پرست" مشہور تھا۔ ظہیر! میں اپنے وطن میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا تھا۔ نہ کوئی میرا دوست تھا نہ ساتھی۔
شروع شروع میں نے زبیدہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اُس سے بھاگتا رہا اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ وہ بھی اُسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس کو میں جہنمی سمجھتا تھا۔ لیکن زبیدہ نے رفتہ رفتہ مجھ پر یہ اثر ڈالنا شروع کیا کہ میری طرح اُس کی طبیعت بھی خاندان والوں سے مختلف ہے اور پھر میرا اس طرح تعاقب کرتی رہی کہ آخر کار مجھکو رام کرکے چھوڑا۔ پھر تو میں اُس کے ساتھ اس قدر محو ہوا کہ مجھے خود اپنے وجود کا بھی احساس نہیں رہا۔ یہ میرے لئے ایک نئی چاشنی تھی۔ میں زبیدہ کے اشاروں پر چلنے لگا اور یہ روش میرے لئے بڑی خیر و برکت کی چیز ثابت ہوئی۔ کچھ دنوں کے لئے میں اپنی اندرونی شورش۔ اپنی روح کے غیر واضح خروش کو بالکل بھول گیا۔ پانچ سال اسی مدہوشی میں گزر گئے۔ زبیدہ کہا کرتی تھی "جب تک کہ مقلب القلوب میرے سینے میں اس دل کی جگہ کوئی دوسرا دل نہ رکھ دیگا میں تم کو اسی جوش کے ساتھ چاہتی رہونگی میری زندگی اگر کسی اور کے سپرد کی گئی تو میں مٹ کر رہجاؤنگی اس "پیمانِ وفا" نے مجھے دین و دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اب میں اپنی زندگی میں کوئی کمی محسوس کروں گا اور نہ بے چین رہونگا۔ لیکن یہ سب ایک بے بنیاد طلسم سے زیادہ پائدار نہ تھا۔
مقلوب القلوب نے زبیدہ کے سینے میں دوسرا دل رکھ ہی دیا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ اُس کو دراصل مجھ سے محبت نہ تھی بلکہ وہ اب تک مجھ سے صرف کھیل رہی تھی اس لئے کہ وہ اور کسی صورت سے اپنا دل نہ بہلا سکتی تھی۔ اُس کی شادی کا ذکر ہونے لگا میرے دل میں ہوکیں اُٹھنے لگیں مگر میں نے دیکھا کہ زبیدہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ بدستور گھر میں ہنستی کھیلتی پھرتی تھی اُس نے مجھ سے ایسا تجاہل برتا کہ گویا کبھی مجھ سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ یہ وہ صدمہ تھا جس نے میری رگ رگ کو ہلا دیا۔ میری تمام پُرانی شورشیں پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ عود کر آئیں اور میں کہیں کا نہ رہا۔ زبیدہ کی شادی ہوگئی اور وہ اس طرح خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگی کہ میں اُس کو بددعائیں دینے لگا۔ ظہیر! اُس کے بعد میں نے اس کی صورت بھی نہیں دیکھی اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اُس کو اس کی مطلق پروا نہ تھی۔ مجھے دنیا میں صرف دو آدمیوں سے نفرت ایک تو زبیدہ سے دوسرے اپنے باپ سے میں ان دونوں کو بدترین خلائق سمجھتا ہوں"۔
ناصری نے سلسلہ توڑ دیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر کہا "چاء اور منگاؤ کچھ تکان سی محسوس ہو رہی ہے"۔ چائے آئی اُس نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لیکر پھر کہنا شروع کیا:۔
"جس سال زبیدہ کی شادی ہوئی اُسی سال میں نے انٹرنس پاس کیا۔ میں یونہی ہر وقت گھبرایا کرتا تھا۔ ۲۴ گھنٹے میں ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرتا تھا جس میں مضمحل اور غمگین نہ رہتا ہوں میری اذیت روز بروز بڑھنے لگی۔ اُس پر والد نے دوسرا ظلم یہ کیا کہ زبیدہ کی شادی کے چھ مہینے بعد میری طبیعت کے خلاف زبردستی میری شادی بھی کر دی۔ میں مجبور تھا۔ کچھ کر نہ سکتا تھا۔ ورنہ جی تو یہ چاہتا تھا کہ باپ کا کام تمام کر دوں۔ میں خود سکون سے محروم تھا۔ آخر اس کے کیا معنے تھے کہ ایک اور ذی روح کی زندگی خراب کیجائے اور کسی سے تو میں اپنا انتقام لے نہ سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے بیوی سے نفرت

پیدا ہوگئی۔ حالانکہ اُس کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ اب میری زندگی اور بھی تلخ ہونے لگی اور اگر میں شب و روز مطالعہ اور فلسفیانہ غور و فکر میں مشغول رہنے لگتا تو یہ تلخی ناقابل برداشت ہوجاتی۔ سب سے زیادہ مصروفیت کے ساتھ شاعری میں نے اسی زمانہ میں کی ہے۔ اُس کے بعد میں نے جو زندگی شروع کی اُسکو مبہم طور پر صرف "اوباشی" کہوں گا گزشتہ ناہموار و متلاطم زندگی کا اثر میری صحت پر کافی پڑ چکا تھا۔ اب تازہ بے عنوانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری صحت مستقل طور پر خراب رہنے لگی یہاں تک کہ ایف۔ اے پاس کرنے کے بعد سلسلۂ تعلیم مجھے منقطع کردینا پڑا۔

دو سال میں بُری طرح بیمار رہا جب حالت کچھ رو بہ اصلاح ہوئی تو میں نے چاہا کہ پھر پڑھنا شروع کروں لیکن عین اسی موقع پر باپ سے اور مجھ سے لڑائی ہوگئی اور میں ترک وطن پر مجبور ہوگیا۔ گزر اوقات کے لئے میں نے شاہجہاں پور میں ایک اسکول میں ملازمت کرلی اسی زمانہ میں مجھکو افسانہ نویسی کا شوق ہوا۔ کتب بینی اور اوباشی سے جو فرصت ملتی تھی اُس میں میں افسانہ لکھا کرتا تھا۔ وہ ۰۰ افسانے جن کے آپ اس قدر مداح ہیں اسی دور کے کارنامے ہیں تین سال کے بعد میں نے گھر بیٹھے بیٹھے بی اے پاس کیا۔ چونکہ مجھکو وظیفہ ملا اس لئے شوق ہوا کہ ایم اے بھی کروں اس ارادے سے لکھنؤ آیا اور نام لکھا کر پوری محویت کے ساتھ مطالعے میں مشغول ہوگیا میں اپنی اوباشی سے بھی عاجز آ گیا تھا میرا خیال تھا کہ خود فریبی سے ممکن ہو کہ میری ناآسودگی میں کچھ کمی ہوجائے مگر میرا خیال غلط نکلا اور سرگردانی سے میری روح اور زیادہ محروم سکون ہوگئی۔ بہرحال میرے مذاق میں ایک نیا تغیر ہوا۔ میرا رجحان فلسفہ اور تنقید کی طرف ہوا اور آہستہ آہستہ یہ ذوق میرے اندر ایسا رچ گیا کہ مجھے خود اپنی فوقیت کا احساس ہونے لگا۔ میری ناقدانہ سنجیدگی مشہور ہوگئی میں نے اُس زمانہ میں فلسفیانہ اور تنقیدی مضامین کثرت سے لکھے پروفیسر اور طلبہ مجھکو رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ لکھنؤ آئے ہوئے تقریباً آٹھ مہینے ہوئے کہ میری زندگی میں ایک اور انقلاب ہوا جس نے مجھکو وہ ناصری بنا کر رکھدیا جو میں اب ہوں۔ مرزا رفیع لکھنؤ کے مشہور رئیس اور بیرسٹر ہیں۔ مغربی تعلیم و تربیت کئی پشت سے اُن خاندان میں چلی آرہی تھی۔ بالخصوص اُن کے بھائی محمد شفیع بے انتہا آزاد اور روشن خیال تھے۔ وہ اپنی عورتوں کو بھی باہر نکالتے تھے۔ اُن کی لڑکی طلعت اُس وقت بی اے میں پڑھتی تھی طلعت حسن اور قابلیت کے لحاظ سے سارے لکھنؤ میں مشہور تھی۔ میں نے ابھی تک اُس کو دیکھا نہیں تھا۔ مرزا رفیع میرے باپ کے قدیم دوست تھے اور دلی دوست تھے وہ اکثر آگرہ آیا کرتے تھے اور میرے ہی مکان پر ٹھہرتے تھے۔ میری بڑھی ہوئی ذہنیت اور ذکاوت کی وجہ سے وہ مجھ سے محبت کرتے تھے میرے والد کی بے عنوان زندگی سے وہ کچھ خوش نہ تھے لیکن دوستی چونکہ پرانی تھی اس لئے حسن اسلوب کے ساتھ نباہ رہے تھے۔ میں جب لکھنؤ آیا تو قصداً اُن کی ملاقات سے پہلو بچاتا رہا۔ لیکن اُن سے ملاقات ہوگئی۔ وہ مجھکو اپنے گھر لیگئے واقعات معلوم ہونے پر انھوں نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تم نے بُرا کیا جو مجھے اب تک اس کی اطلاع نہ دی اب تم یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے۔ یہیں آکر رہو اور اطمینان کے ساتھ پڑھو۔ تمھارے والد نے جتنی کار آمد صلاحیتیں اُن کے اندر تھیں اُس کو مٹا ہی ڈالا۔ نہ خود اپنی ذات کو کوئی فائدہ پہنچایا نہ کسی اور کو۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ تم کو بھی اپنا سا بنا کر رکھدیں مجھے مرزا رفیع سے اس ہمدردی کی اُمید نہ تھی۔ میری ہمت نہ پڑتی

کہ اُن کی خواہش کو رد کروں۔ مجبوراً اپنا سارا سامان لیکر اُن کے مکان میں چلا آیا۔

اس مکان میں مجھکو لیکر چار لڑکے تھے۔ ایک مرزا رفیع کا لڑکا شوکت جو انٹرنس میں پڑھتا تھا۔ دوسرا اُنکی بہن کا لڑکا خورشید جو میرا ہم سن تھا اور بی اے میں پڑھتا تھا۔ تیسری طلعت تھی۔ طلعت کو جب میں نے پہلی بار دیکھا ہے اُسی وقت میرے سارے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی میں پہلی ہی نگاہ میں اُس کی طرف مائل ہو گیا اور میرے قلب نے ایک نیا سرور محسوس کیا جس کی مجھکو بڑی ضرورت تھی مگر جو مجھکو آج تک میسر نہ ہوا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے بہت جلد مانوس ہو گئے اس لئے کہ ہماری دلچسپیاں مشترک تھیں۔ اُس کو بھی ادبیات کا سودا تھا اور مجھکو بھی۔ انگریزی شعرا میں کیٹس کی وہ بڑی دلدادہ تھی۔ اس جواں میر کی شاعری پر وہ اکثر مجھ سے بحث کیا کرتی تھی اور میری تنقید سُن سُن کر بہت خوش ہوتی تھی۔ وہ میری گرویدہ ہو چلی تھی۔ مجھکو "علم کا دیوتا" کہا کرتی تھی۔ خورشید کو طلعت کی میرے ساتھ گرویدگی گوارا نہ تھی۔ وہ خود ہماری صحبتوں میں شریک ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا ہم دونوں کو جب کبھی وہ ایک ساتھ دیکھتا تو بہت جلا کرتا۔ وہ طلعت کو حریفانہ نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا۔ طلعت کو اس کا احساس بھی تھا میں طلعت کی یہ روش دیکھکر مطمئن تھا۔

طلعت کے ساتھ میری شیفتگی روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ میں دل ہی دل میں اُس کی پرستش کرنے لگا تھا۔ ظہیر طلعت نے مجھکو وہ چیز دی جس کے بغیر مجھے زندگی وبال تھی یعنی سکون و آسودگی لیکن میں اپنے جذباتِ محبت کو علمی و ادبی موانست کے نقاب میں چھپائے ہوئے تھا میں ایک دفعہ دھوکا کھا چکا تھا اور عہد کر چکا تھا کہ کسی عورت سے کبھی مغلوب نہ ہوں گا۔

کہتے تھے دل نہ دینگے کسی کو تمام عمر — مجبور ہو گئے مگر اک دلستاں سے ہم

لیکن اب میں نے یہ قسم کھائی کہ اپنے دل کے راز اظہار کرونگا اور نہ اظہار کی کوئی ضرورت محسوس کرتا تھا میرا اعتقاد یہ تھا کہ اگر اپنے جذبات کو دل ہی میں پوشیدہ رکھ لیا جائے تو اُن کی الوہیت بڑھ جاتی ہے۔

بہر حال میں نے طلعت کو اپنے دل کی حالت سے آگاہ نہیں کیا حالانکہ اُس کے ساتھ میرا شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی اتفاق سے ۲۴ گھنٹے اُس سے جدا رہتے گزر جاتے تو میرا دم گھٹنے لگتا تھا۔ میری اس خودداری اور ضبط نے مجھکو تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا مگر آہ! طلعت کو نیست و نابود کر کے رکھدیا۔

پورے ایک سال اس طرح گزر گئے کہ مجھکو احساس بھی نہ ہوا۔ مجھ پر ہر وقت ایک بیخودی سی طاری رہنے لگی تھی۔ میری کلفتوں کی دنیا بہت پیچھے چھوٹ گئی تھی۔ میں ایسا محسوس کرنے لگا تھا کہ جس نامعلوم چیز کے لئے میری روح بیتاب رہا کرتی تھی وہ مجھکو ملگئی ہے۔ طلعت مجھکو واقعی بیحد چاہتی تھی۔ جب کبھی میں کسی سے ملنے چلا جاتا اور گھر دیر میں آتا تو وہ مجھ سے شکایت کرنے لگتی تھی۔ میری غیر حاضری میں اُس کے اوقات گراں گزرا کرتے تھے میں اُس کی زندگی کا ایک "جزو لازم" ہو کر رہگیا تھا۔ میں اس کو محسوس کرتا تھا۔ خود طلعت کا قیافہ اس شکستگی کا اعتراف کر رہا تھا۔ لیکن میں اپنے جذبات نمایش کا اظہار کرنے سے گریز ہی کرتا رہا۔ اظہار محبت کو میں غیر ضروری بھی سمجھتا تھا۔ کیونکہ اگرچہ میں بھی عشق کو شیفتہ کی طرح انسان کی "تہذیب نفس" کے لئے ضروری سمجھتا ہوں لیکن بقاے عشق کے لئے یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ مناکحت یا کسی دوسری رسمی زنجیر میں جکڑ کر خواہ مخواہ

محبوب کو اپنی ملکیت بنایا جائے۔ طلعت نے میری اس روش کو غلط سمجھا۔ اُس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میں اس کی محبت کی پذیرائی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ رفتہ رفتہ یہ خیال اس طرح جڑ پکڑ گیا کہ وہ آزردہ اور دلگیر رہنے لگی۔ میں اُس کی دل گرفتگی کے سبب سے مطلق آگاہ نہ تھا۔ طلعت کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی فکر میں گھل رہی ہے۔ کچھ دنوں تک تو وہ بدستور میرے ساتھ اُٹھتی بیٹھتی رہی اور حسب معمول علمی و ادبی تذکروں میں دلچسپی کا اظہار کرتی رہی لیکن پھر روز بروز اُس کو جو انہماک میرے ساتھ تھا اُس میں بھی کمی ہونے لگی اور میری حیرت کی انتہا نہ تھی جبکہ میں نے دیکھا خورشید سے آہستہ آہستہ مانوس ہو رہی ہے۔ وہ خورشید جسکو ابتک وہ قابل اعتنا بھی نہ سمجھتی تھی۔

میں یہ بتانا بھول گیا کہ اگرچہ طلعت کبھی خورشید کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی اور اگرچہ شفیع صاحب نے خورشید کی ماں سے صاف کہدیا تھا کہ خورشید اور طلعت کا کوئی جوڑ نہیں ہے اور دونوں کی شادی نہیں ہوسکتی تاہم خورشید اپنی چال سے بے خبر نہ رہتا تھا۔ اُس کو جب کبھی موقع ملتا تو وہ طلعت سے کچھ باتیں ضرور کر لیتا تھا میں اُس وقت نہیں جانتا تھا کہ وہ طلعت سے کیا کیا کہا کرتا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی شیفتگی اور محبت جتایا کرتا تھا۔ ایک روز جبکہ گھر کے سب لوگ اکٹھا تھے طلعت کو مجھ سے معلوم ہو گیا کہ میری شادی ہو گئی ہے اُس دن سے اُس کے برتاؤ میں نمایاں فرق ہو گیا۔ وہ مجھ سے کھنچتی گئی اور خورشید سے مانوس ہوتی گئی میں نے سمجھا "چلو یہ دوسرا دھوکا تھا" مگر طلعت کو اسی طرح پوجتا رہا اس لئے کہ میں نے بلا کسی تحریک کے اُس کو چاہنا شروع کیا تھا اور سچ پوچھو تو یہ میری پہلی محبت تھی۔

قصہ کو زیادہ طویل کرنا نہیں چاہتا۔ میں ایم اے پاس ہو گیا طلعت بھی بی اے میں اول آئی۔ گھر میں بڑی خوشیاں منائی جا رہی تھیں مگر طلعت کے چہرے سے یاس و حرماں ہی ٹپک رہا تھا۔ میں نے اُس سے کئی بار پوچھا کہ آخر اس غمگینی کا سبب کیا ہو سکتا ہے مگر وہ ٹالتی رہی تقریباً دو ماہ کے بعد ایک روز صبح کو معلوم ہوا کہ طلعت کا کہیں پتہ نہیں اور اور اُس کے ساتھ خورشید بھی غائب ہے۔ تمام گھر میں ہلچل مچ گئی اُس کا ذکر بیکار ہے۔ لیکن میری حالت کا ہر شخص اندازہ نہیں کر سکتا معلوم ہوتا تھا کہ سارا جسم مفلوج ہو گیا ہے۔ میں نے کچھ دنوں تک اس کی کوشش کی کہ طلعت کو ایک معمولی مغلوب الاعصاب عورت سمجھکر بھول جاؤں مگر میری کوشش بیکار تھی۔ اُس کی یہ معیوب حرکت بھی میری نگاہ میں اس کی منزلت کو گھٹا نہ سکی۔ آخرکار میں نے طلعت کے خیالی پیکر سے اپنا دل بہلانا شروع کیا۔ دو تین مہینے بعد طلعت کا باپ کے نام خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ خورشید کی بیوی ہو گئی ہے اور خورشید کو کوئی سرکاری ملازمت مل گئی ہے۔ طلعت کے ساتھ مجھکو سچی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کرو کہ اُس وقت بھی میرے منہ سے طلعت کے لئے دعا نکلی۔

اب لکھنؤ میں میرے لئے کوئی دلبستگی نہ تھی۔ میں نے لکھنؤ چھوڑ دیا اور کلکتہ میں جاکر ایک انگریزی اخبار کی اڈیٹری کرلی۔ اب میرا میلان سیاسی زندگی کی طرف ہوا۔ پھر کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ قید فرنگ کی بھی سیر کر آیا۔ طلعت کی محبت نے مجھکو کیا نہیں دیا۔ سب سے بڑی دولت جو اس نے دی وہ روحانیت تھی جس نے مجھکو زندگی کے راز سے آگاہ کر دیا۔ مجھکو معلوم ہو گیا کہ اطمینان در اصل کس کو کہتے ہیں اور اُس کو کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میرا عقیدہ اب یہ ہے کہ وہ محبت ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو ابدیت کی چاشنی سے آگاہ کر کے اُس کے

قلب کو سکون و طمانیت سے معمور کر سکتی ہے۔

تین سال کے بعد مجھکو خبر ملی کہ خورشید نے اپنی ہوس پوری کر کے طلعت کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا کہ وہ لکھنؤ واپس آئی ہے مگر اپنے والدین کے ساتھ نہیں ہے بلکہ لڑکیوں کے کالج میں پروفیسر ہے اور علحٰدہ مکان لے کر رہتی ہے۔ یہ سنکر میں کلکتہ سے فوراً اُس سے ملنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب جسطرح ہوگا طلعت سے اپنے دل کی کیفیت بیان کر کے اُس کو اپنا بنا لوں گا۔

طلعت نے پہلے تو مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ مگر میں نے کہا میں عمر بھر اسی در پر کھڑا رہوں گا اور بلائے ہوئے نہ جاؤں گا۔" وہ مجبوراً مجھ سے ملی ظہیر میں نے آج بھی اُس کو اتنا ہی معصوم پایا جتنا کہ وہ اپنی افتادگی اور پستی سے پہلے تھی۔ میں ہمیشہ محسوس کیا کرتا تھا کہ اُس کی آنکھیں فضا کو معصومیت سے معمور کر رہی ہیں اور آج بھی وہ اپنی نگاہوں سے گرد و پیش کی چیزوں کو اُسی طرح منزہ کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ دیر تک تو طلعت نظر نیچی کئے ہوئے خاموش بیٹھی رہی۔ لیکن جب دیکھا کہ میں سکوت میں ہوں تو دبی ہوئی زبان سے پوچھا۔ "کہئے آپ کس غرض سے آئے ہیں؟ آپ کو اب مجھ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے؟"

میں اس سوال کے لئے تیار نہ تھا۔ میں کچھ گھبرا گیا مگر پھر اپنی طبیعت کو سنبھال کر جواب دیا۔" طلعت مجھکو جو سروکار تم سے ہمیشہ تھا وہ اب بھی ہے میں تم کو ہمیشہ چاہتا رہا۔ نہیں بلکہ پوجتا رہا اور اب بھی پوجتا ہوں اب میں اس غرض سے آیا ہوں کہ تم کو اپنی پناہ میں لے لوں جس کی تم کو سخت ضرورت ہے۔"

طلعت نے طنز سے کہا۔" آپ نے اُس وقت مجھکو پناہ میں لینے کا ارادہ کیا ہے جبکہ در اصل نہ مجھکو پناہ کی ضرورت ہے اور نہ میں کسی کے پناہ کی مستحق ہوں۔ کیوں ناصری صاحب آخر آپ نے اُس وقت اسی سادگی اور خلوص کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیوں نہ کر دیا تھا جبکہ میں آپ کی زبان سے ایک حرف اس قسم کا سننے کے لئے بیتاب رہی تھی۔ مجھے تو اس کا پورا علم ہے مگر آج آپ کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں فی الحقیقت خورشید کی نہیں بلکہ آپ کی مٹائی ہوئی ہوں جبتک میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا آپکی ساحرانہ گفتگو نہیں سنی تھی جبتک محبت اور اُس کے اثرات سے یکقلم بیگانہ تھی۔ خورشید مجھ سے برابر اظہار تعشق کیا کرتا تھا مگر اُس کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ یہ سب جادو آپ نے آکر چلایا۔ آپنے میرے اندر ایک طلب ایک خلش تمنا پیدا کر دی جسکو آپ آسودہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ میں نے بہت چاہا کہ آپکے جذبات کو اُبھاروں لیکن میری کوشش کارگر نہ ہوئی یہاں تک کہ مجھکو یقین ہو گیا کہ آپ محض ایک "منطقی جانور ہیں" اور زیادہ سے زیادہ آپ کا احترام کیا جا سکتا ہے۔ آپ محبت کی چیز نہیں۔ خورشید برابر مجھ سے اپنی محبت جتا رہا تھا۔ اسی دوران میں مجھکو معلوم ہو گیا کہ آپکی شادی ہو چکی۔ میری رہی سہی اُمید بھی منقطع ہو گئی۔ ادھر میں نے دیکھا کہ جو آگ آپنے میرے اندر بھڑکائی ہے۔ اُس کو خورشید بجھانے کے لئے تیار ہے۔ پھر اُس کے بعد جو کچھ ہوا اُس کے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔"

طلعت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میری رگوں میں خود ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ میں ضبط نہ کر سکا اور بیتابانہ طلعت کو لپٹا کر کہا۔" تو کیا ہماری محبت بلا ازدواج بلا کسی قسم کی آلودگی کے قائم نہ رہ سکتی تھی؟ محبت کا تعلق تو روح سے ہے اُس کو مادی علائق سے کیا نسبت؟"

طلعت نے ایک تلخ مسکراہٹ سے کہا۔" عورت ایسی محبت نہیں کیا کرتی

یہ مردہی کا کام ہے کہ محبت کو روحانیت۔ تصوف۔ فلسفہ۔ شاعری اور تمام دنیا کے خرافات کے رنگ میں رنگ کر اپنے گوں کی چیز بنالے۔ مرد میں عقل کی زیادتی ہوتی ہے اس لئے اُس کی محبت بھی "معقول" ہوتی ہے، عورت میں وجدانیت کا عنصر غالب ہے۔ وہ محبت کو محبت سمجھتی ہے۔ اور محبت نام ہے دو ہستیوں کے ہر لحاظ سے ایک ہوجانیکا۔ میں خود آپ کی ہونا چاہتی تھی اور آپ کو اپنا بنانا چاہتی تھی۔"

میں نے مجرمانہ لہجے میں کہا "تو یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ پچھلی باتوں کو بھول جاؤ تو تلافی مافات ہوجائے!"

طلعت نے کہا "اس کے جواب میں آپ کا یہ مصرع ہے۔

دوش من دیر نشیں لائق زنار نماند

ناصری صاحب۔ اب میں آپ کے لائق نہیں۔" یہ کہکر اُس نے میری پیشانی پر ایک بوسہ دیا اور پھر کہا "آپ آپ پھر مجھ سے نہ ملئے گا جائیے جس طرح آپ ہر چیز کو مایا سمجھتے رہے اسی طرح محبت کو بھی مایا سمجھئے۔ لیکن میری آخری خواہش یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی کو جسکا دل آپ اتنے دنوں سے دکھاتے رہے ہیں اب زیادہ نہ خراب کیجئے اُس کو اپنے ساتھ لیجائیے اور رفیقانہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کیجئے" میں اُس بوسے کی لذت کبھی نہیں بھولونگا جس نے مجھکو غیر فانی بنادیا۔ طلعت نے مجھکو فوراً رخصت کردیا۔ دوسرے دن سارے لکھنؤ میں یہ خبر اُڑ گئی کہ طلعت نے خودکشی کرلی میرے دماغ میں پھر انتشار شروع ہوا جس کی بنا پر میں تین سال اور خاک بسر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر پھر مجھکو طلعت کی وصیت یاد آئی۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ میرے دل دماغ میں کچھ یوں بھی انقلاب پیدا ہوگیا تھا میری بغاوت اور سرکشی میں وہ جوش نہ تھا۔ میں آگرہ گیا اور بیوی کو لے کر چلا آیا۔ اُسوقت سے آج تک میں پھر نہ کبھی آگرہ گیا ہوں اور نہ اپنے عزیزوں کی کبھی صورت دیکھی۔ میری بیوی کی صحت بہت خراب ہوچکی تھی۔ میری بے توجہی نے تو اُس کا دل چھلنی کرہی ڈالا تھا۔ اسپر میرے گھروالوں کی بے توجہی نے اور بھی اُس کو خراب و خستہ کرڈالا۔ ہندوستان بھی عجیب جگہ ہے جہاں عورت اپنا کوئی ذاتی وجود نہیں رکھتی۔ جب تک شوہر اُس کی دلجوئی کرتا ہے جبتک سب ہی دلجوئی پر آمادہ رہتے ہیں شوہر کے منحرف ہوتے ہی ساری دنیا بیچاری سے برگشتہ ہوجاتی ہے مختصر یہ کہ میری بیوی نے مشکل سے تین سال گزارے ہوں گے کہ اُس کو موت کے گھاٹ اتر نا پڑا۔ یہ میری عمر کا پینتیسواں سال تھا۔ اب میں دنیا میں یکہ و تنہا تھا۔ ہر طرح کی زندگی سے اُکتا گیا تو یہاں آکر پروفیسری کرلی۔ اس لئے کہ اس سے بڑھ کر امن و امان کی زندگی ممکن نہ تھی میں نے لکھنا پڑھنا بالکل بند کردیا ہے اس لئے کہ اب میرے واردات قلب تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔

کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

میں نے محبت کی اور اُس کو کھو بھی چکا ہوں مگر محبت کی لذت ابتک مجھکو مل رہی ہے۔ ظہیر کیا تم یقین کروگے اگر میں کہوں کہ میں ستاروں کی چمک میں۔ آفتاب کی تابش میں چاندنی کی صباحت میں۔ صبح کے کافوری نور میں، شام کی شفق میں غرض کہ ساری کائنات میں طلعت ہی کے جلوے دیکھتا ہوں۔ میں ہر لمحہ اُس کو اپنے سے قریب پاتا ہوں۔ تم اُس کو طلعت کی یاد کہوگے۔ میں اُسکو طلعت سمجھتا ہوں۔"

ناصری نے اپنی عبرتناک داستان ختم کردی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر مجھ سے کہا "بس جاؤ تمھاری دیرینہ آرزو بھی پوری ہوگئی میری طبیعت کا ایک بوجھ بھی ہلکا ہوگیا۔" ناصری تھک گیا تھا۔ اس لئے

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پلنگ پر لیٹ کر سو گیا۔

(۵)

ناصری کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی۔ ڈاکٹر مایوس ہو نے لگے اُس کو دق ہو گئی تھی وہ اب زیادہ تر غفلت کے عالم میں پڑا رہتا تھا۔ اکثر خواب میں طلعت! طلعت! پکارا کرتا تھا۔ مجھے اُس کی صورت دیکھکر رونا آ جاتا تھا۔ میں سوچتا کہ یا خدا یہ بھی کیسے ظرف کا انسان ہے اتنی مدت تک ایسے ہنگامے کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ اور دیکھنے والوں کو اپنے ظاہری سکون سے دہوکے میں ڈالے ہوئے تھا"

پورے ایک سال اور تین مہینے بیماری کی سختیاں جھیل کر ناصری نے اِس کنج محنت آباد سے رحلت کی اور اپنی طلعت سے جا ملا اُس وقت اُس کی عمر اکتالیس سال کی تھی۔

" شد ختم بہ خاموشی افسانہ چنیں باید"

اپنی داستان بیان کر کے اُس نے مجھکو بھی سکون اور آسودگی کے راز سے آگاہ کر دیا۔ سکون کبھی خارجی اسباب سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ خود اپنا پیدا کیا ہوتا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ان نامساعد واقعات سے بھی سکون حاصل کر سکتے ہیں۔ جو عموماً باعثِ آشفتگی بتائے جاتے ہیں۔ اگر انسان میں صلاحیت ہو تو اس کو گویا میں وہ راحت ملجائے جو ساحل نشینوں کو کبھی خواب میں نہ میسر ہو۔

مجنوں گورکھپوری

جذباتِ کیفی

(جناب علامہ کیفی چریاکوٹی)

دمِ نزع بالیں پہ وہ آگیا — میں گم ہو چکا تھا مجھے پا گیا
کلیجا مرا منھ کو کیا آگیا — مزا زندگانی کا میں پا گیا
نہیں قدر رکھتی ہے جب کائنات — گیا دل اگر عشق میں، کیا گیا
خزاں ابکی لائی ہے تازہ بہار — کہ دل میرے پہلو میں مرجھا گیا
دکھاتا تھا میں داغ دل حشر میں — برابر سے وہ آنکھ دکھلا گیا
کھنچ آئی ہے یہ زندگانی کی روح — لہو میری آنکھوں میں کیا آگیا
سرِ طور اُس نے اٹھا دی نقاب — نئی شان سے شکل دکھلا گیا
مری زندگانی تھی مستی کا جوش — ہوئی بند آنکھیں تو ہوش آگیا
نظر میں تھا اُس کی، مرا شوقِ دید — جو آئینہ دیکھا تو شرما گیا
دلِ عاشقاں تیرا مسکن نہیں — بتا اے سکوں تو کہاں آگیا
کوئی چاہئے تھا دمِ اضطراب — نہیں آئے جب تم تو غش آگیا
ان آنکھوں نے دیکھا زمانے کا رنگ — مگر حال دل کا نہ دیکھا گیا

میں کیا اہل دنیا کو کیفی کہوں
گیا جو یہاں سے وہ اچھا گیا

قبرستان کے کتبے

(از جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں ایم۔اے۔ ایل ایل بی وکیل اناؤ)

مجھے اُسکی محبت کا سودا تھا۔ یہ آخر ہم کیون محبت کرتے ہین۔ کیا یہ تعجب کی بات نہین ہے۔ کہ ساری دنیا مین ہم صرف ایک فرد واحد کو اپنے لیے منتخب کرلین۔ وہی ایک خیال ہمارے دلمین جاگزین ہو۔ وہی ایک خواہش ایک آرزو ہمارے دلمین ہو۔ وہی ایک نام ہماری زبان پر رہے۔ وہی ایک ہستی پانی کے سوتے کیطرح ہماری روح کی گہرائیون سے اُبل اُبل کر ہمارے ہونٹھون پر آئے۔ اور وردِ زبان ہوجائے۔ ہر وقت ہر جگہ ہم اُسی ایک نام کی مالا جپتے رہین۔

ہم تمہین اپنا قصہ تفصیل کے ساتھ سنانا نہین چاہتے۔ کیونکہ محبت کی داستان مین ہر جگہ ہر زمانہ مین ایک ہی تفصیل ہے اُسمین نہ کوئی اختلاف ہے نہ تنوع۔ وہ یہ کہ ہماری باہم ملاقات ہوئی۔ رفتہ رفتہ محبت ہوئی۔ عشق ہوگیا۔ اور بس۔ ہماری داستان کی تو یہی تفصیل ہے تم کہوگے کہ اب آگے کیا کہنا چاہتے ہو فی الحقیقت داستان ختم ہوگئی لیکن ایک بات اور سُن لو۔

ایک سال تک اُسکی محبت اُسکی آغوش۔ اُسکی نگاہین۔ اُسکے لباس۔ اُسکے الفاظ۔ یہی میری کائنات ہستی کا جزو اعظم تھے اُسنے میرے اوپر جادو کر دیا تھا۔ وہ مجھپر حاوی ہوگئی تھی ہر چیز جو اُسکے متعلقات و تصرفات کی تھی۔ میرے لئے زنجیر کا کام کرتی تھی میری ہستی پر وہ بالکل قابو پاگئی تھی۔ اور اُسکی کیفیتون نے مجھے مسحور کرلیا تھا۔ یہ نوبت پہونچ گئی تھی۔ کہ مجھے نہ رات دن زندگی موت، حواس مدہوشی، دنیا اور عدم دنیا مین امتیاز باقی نہ رہا تھا۔

ایک دن معلوم ہوا کہ وہ مرگئی۔ کیا واقعات پیش آئے مجھے معلوم نہین اور اب تو مجھے کچھ بھی یاد نہین۔ برسات کا زمانہ تھا۔ ایک دن شام کو وہ بالکل تر بتر میرے مکان آئی۔ دوسری صبح کو اُسے کچھ کھانسی کی شکایت پیدا ہوگئی۔ اور ایک ہفتہ تک۔ وہ اس مرض مین مبتلا رہی۔ چارپائی سے بھی نہ اُٹھ سکتی تھی۔ پھر اُسکے بعد کیا ہوا۔ مجھے یاد نہین آتا۔ ڈاکٹر لوگ آئے انہون نے نسخے لکھے اور یاس اور امید بھری باتین کرکے چلے گئے۔ دوا خانون سے دوائین بھی آئین۔ عورتین جو تیمارداری کے لئے معین تھین اُنھون نے دوائین پلائین۔ اُسکے ہاتھ کچھ گرم رہتے تھے۔ اور پیشانی سے تو جیسے شعلے نکلا کرتے تھے اُسکی آنکھون کی روشنی یا چمک بڑھ گئی تھی اور ایک غم انگیز نورانیت پیدا ہوگئی تھی۔ مین نے اُس سے کبھی کبھی ہوش عالم مین بات چیت بھی کی۔ اور اُسنے بھی مجھسے وقتاً فوقتاً کچھ کہا لیکن یہ بات چیت کس موضوع پر تھی۔ کیا تھی۔ اب مجھے یاد نہین آتا۔ بالکل بھول گیا ہون۔ ہان قطعی بھول گیا ہون۔ اُسنے دم توڑا۔ اور اُسکی آخری مایوس نگاہ محبت سے لبریز نظر میری تخئیل کا جزو بن گئی۔ تیمارداروں نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ مجھے سمجھانے کی بھی کوشش کی تسلی بھی دی۔ لیکن مین اُسکا انجام اور اپنا انجام خوب سمجھتا تھا۔ اُسکے بعد میری زندگی کا ورق

بالکل سادہ ہے۔

پھر بعد کی رسمین شروع ہوئین - مین نے ایک پادری کی خدمت مین حاضری دی - جسنے اُسکو میری محبوبہ کہکر یاد کیا - لیکن اس عنوان مین مجھے اہانت معلوم ہوئی - اب جب وہ مرچکی تھی - کسی کو یہ حق نہ تھا کہ یہ دریافت کرے یا زبان سے کہے کہ میرے اُسکے تعلقات کیا تھے - مین نے اُس سے یہ سلسلہ منقطع کردیا - دوسرے صاحب آئے - جو اُن سے زیادہ سمجھدار تھے - اُن مین ظرافت بھی تھی - اور معاملہ فہمی کا مادہ بھی تھا - اُنہون نے مجھسے ایسے الفاظ مین بات چیت کی - کہ مبیاختہ میری آنکھون سے آنسو نکل آئے - وہ خاموش ہوگئے - اُنکی خاموشی معنی رکھتی تھی - تجہیز و تکفین کے سلسلہ مین بہت سی رسمین ادا کی گئین - اب مجھے یاد نہین ہے - لیکن دو باتین مجھے بالکل ٹھیک یاد ہین کہ اُسکی نعش صندوق کے اندر رکھکر بند کردی گئی - اور ڈھکنے مین کیلین جڑدی گئین - ارے توبہ محض یاد ہی کرکے میرے دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہین -

وہ دفن کردی گئی - دفن کردی گئی - وہ - میری محبوبہ - میری مایۂ حیات اُس گور کے گڑھے مین ہمیشہ کیلئے ڈالدی گئی اُسکے چند عزیز و اقربا بھی موجود تھے - مجھسے وہان نہ رہا گیا - مین اُس جگہ سے چلا گیا اور گھنٹون دیوانہ وار گلیون مین پھرتا رہا - مکان - وہ مکان جسمین اُسکے نورانی حسن کی شعاعین پھیلی رہتی تھین - اُس مکان مین پلٹنے کی مجھے ہمت نہ ہوتی تھی دوسرے دن مین ایک طولانی سفر کیلئے روانہ ہوگیا -

کل ہی مین ایک مدت کے بعد پھر پیرس واپس آیا ہون جب مجھے میرا سامان نظر آیا - میرا کیون ہمارا کمرہ ہماری مسہری - ہماری کرسیان ہماری میزین یا الغرض تمام گھر مین ہر چیز نے میرے دلمین اُسکی یاد تازہ کردی - ایک مرتبہ میرے اوپر دیوانگی کا سا غلبہ ہوا - اور مین نے قریب قریب پکا ارادہ کیا کہ مین تیسری منزل کی کھڑکی سے نیچے پتھر کی سڑک پر گرکر اپنی جان دیدون - اُس مکان مین رہنا میرے لئے ناممکن سا تھا مجھے یہ معلوم ہوتا تھا - کہ اُسکے جسم سے نکلے ہوئے ذرات نور، خوشبو مین اور اُسکے گوناگون احسانات سے مجھے ہر طرف گھیرے ہوئے ہین - پریشان ہوکر مین مکان سے باہر نکلا جب مین نے بڑے کمرے کا صدر دروازہ کھولا - تو میری نظر اُس قدِ آدم آئینے پر پڑی جو اُسنے وہان اِس غرض سے رکھوا دیا تھا - کہ جب کبھی وہ باہر جانے لگے - تو اپنے کو سر سے پاؤن تک ایک نظر دیکھ کر مطمئن ہوے کہ اُسکی پوشاک کے انداز اور بناؤ پر حرف گیری ناممکن ہے - اُس آئینے کے سامنے مین بالکل دم بخود کھڑا ہوگیا - اتنی مرتبہ اُسنے اپنی صورت اِس آئینے مین دیکھی تھی - کہ مین نے خیال کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ اُسکی تصویر آئینے مین اُتر نہ آئی ہو - میرے ہاتھ پاؤن مین رعشہ پیدا ہوگیا - اور اسے دیوانگی ہی سمجھنا چاہئے - لیکن چونکہ واقعہ ہے اسلئے کہتا ہون کہ مین نے آہستہ سے اُس آئینہ کو چھوا لیکن اُسکے خلاف وہ سرد تھا - اور میرے مس کو ایک سختی محسوس ہوئی - افسوس دل شکن ہیبت ناک - اور یا ایں ہمہ حیرت انگیز آئینہ تجھکو نہین معلوم کہ تو نے کیا سلوک میرے ساتھ کیا تیرا بھی دل کوئی دل ہے - کاش میرا دل بھی تیرے ہی طرح ہوتا کہ جسمین عکس پڑتا - لیکن تصویر تاثیر باقی نہ رہتی - کیا خوش نصیب ہوگا وہ آدمی جسکے دلمین آئینے کی سی خاصیت ہو - تصویر تو کجا - گزری باتون کی یاد بھی باقی نہ رہے -

مین مکان سے باہر نکلا - اور بالکل دیوانہ وار مجذوبیت کے عالم مین اُسکی قبر پر پہونچا - مین نے اُسکی قبر دیکھی سنگ مرمر کا ٹکڑا - اُسکی قبر پر لگا تھا اور اُسمین یہ الفاظ کھدے تھے "وہ اُسنے محبت کی اُس سے محبت کی گئی - وہ

مرگئی اُسی پتھر کے نیچے وہ دبی ہوئی ہے - اب اُسکی ہڈیون کا بھی پتہ نہو گا"

اس خیال نے میرے دلمین ایک ہیجان پیدا کر دیا - مین نے اپنا سر جھکا لیا اور سسکیان بھرنے لگا - بڑی دیر تک مین وہان ٹھہرا رہا - یہان تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ شام ہو گئی - میرے دلمین ایک جذبہ ایک وحشت ناک خواہش پیدا ہو گئی - کہ مین ایک رات ایک آخری رات اُسکی قبر پر اپنی محبوبہ کی قبر پر رو کر گزار دون - مجھے معلوم تھا اگر قبرستان کے نگہبان مجھے دہان دیکھ لینگے تو مین باہر نکال دیا جاؤنگا - اب مجھے کیا کرنا چاہئے - مین اس خیال سے پریشان تھا - مایوس دل مین مکاری کی ایک فطرت پیدا ہو جاتی ہو اُسی فطرت کے تابع مین اُٹھا - اور شہر خموشان کی سیر کرنے لگا - مین گھومتا پھرتا رہا - افسوس اُس شہر کے مقابلہ مین جو زندون کی بستی ہے یہ مُردونکی بستی کسقدر چھوٹی ہے کیسی بے انصافی کی بات ہے گو کہ زندون کی بہ نسبت مُردون کی تعداد کتنی زیادہ ہوگی - کیسا اندھیر ہے - زندون کے لئے زندگی ہی بھر کیواسطے بڑے بڑے مکانات بھی ہونے چاہئے چوڑی چوڑی سڑکین بھی ہونی چاہئین - اور یہ سارا اہتمام - زیادہ سے زیادہ سو برس کیلئے لیکن مُردون کی اُس لاتعداد کیلئے بعد دیگرے جانیوالے جلوس کیلئے کتنی چھوٹی جگہ مخصوص کیگئی ہے - ایک کھیت بھر جگہ کافی سمجھی گئی - زمین اُنکو اپنے اغوش مین لے لیتی ہے - گمنامی کی گہری تاریکی مین وہ سما جاتے ہین دھنس جاتے ہین - غرق ہو جاتے ہین اور پھر کبھی نہین اُبھرتے -

گورستان کے اُس حصے سے ہٹ کر جو حقیقتاً صرف مین آتا ہے مین اُس حصے مین بھی گیا - جسے زمانے نے نئی قبرون کے لئے تیار کر دیا تھا - جہان پرانی قبرین - مدت مدید گزرنے کیوجہ سے کھل گئین تھین - اور کتبے پڑھے نہ جاتے تھے - جہان شاید کل دوسری قبرین کھودی جائینگی - کیسا اندھیر ہے - اُن قبرون کے باشندون کے لئے اتنی جگہ بھی محفوظ نہین رہنے پاتی - گلاب کے پھول جا بجا لہلہا رہے تھے اور سرو کے درخت اس عبرتناک منظر کو دم بخود دیکھ رہے تھے - تمام باغ مین ایک غموم تازگی تھی - اور کیسے نہ ہوتی جہان آدمی کی خاک پر آدمی کے گوشت کی کھاد پاکر درخت سرسبز ہوئے ہون - وہان کی مغمومیت کا کیا کہنا - وہان کی تازگی کا کیا کہنا - مین بالکل تنہا تھا - اور ایک گھنے درخت کی آڑ مین ایک تنے سے چمٹا ہوا اسطرح بیٹھا رہا - جیسے کوئی کشتی شکستہ ایک لکڑی کے ٹکڑے کے سہارے موجون کے تھپیڑون سے بچتا ہوا اپنی زندگی کے باقی لمحے زندہ بچ جانیکی اُمید مین کاٹ رہا ہو -

جب تاریکی بالکل مسلط ہو گئی - مین اپنے اُس گوشۂ عافیت سے نکلا - اور آہستہ دبے پاؤن چورون کیطرح اُس خاموش بستی مین پھرنے لگا - ایک ایک قبر پر مین نے ٹھوکرین کھائین لیکن مجھے اپنے محبوبہ کی قبر ڈھونڈھے نہ ملی - ہاتھ پھیلائے ہوئے آنکھین پھاڑ پھاڑ کر مین نے چارون طرف دیکھا - اور چلتا رہا - یہان تک کہ میرے ہاتھ پاؤن گھٹنے سینہ - اور سر سب مجروح ہو گئے - مردون کے ساتھ مجھے اس بیہودہ گستاخی کی سزا مل گئی - مین نے آخری کوشش یہ شروع کی - کہ کتبون پر اُنگلی پھیر کر نامون کو پڑھنا شروع کیا - کیسی رات تھی کیسی بھیانک رات تھی - مین نے اُسکی قبر ڈھونڈھے نہ پائی - ماہتاب کیا ستارون کی بھی روشنی نہ تھی - اب مجھپر خوف غالب ہو چلا - آگے پیچھے داہنے بائین - قبرین ہی قبرین تھین اُس نامحدود بستی مین صرف مین جاگ رہا تھا - اور سب سوتے تھے - میرے پاؤن کام نہ دیتے تھے - اور انتہائے مایوسی مین مین ایک قبر پر بیٹھ گیا - اس سناٹے اور خاموشی مین مجھے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دیتی تھی کچھ دیر مین ایک اور آواز سنائی دی - میرے قریب ہی کچھ گڑبڑ معلوم ہونے لگا - مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہے - اُس منجمد تاریکی مین میرا پریشان دل

اور خوف زدہ دماغ طے نہ کر سکتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ مین نے اپنے چارون طرف غور سے دیکھنا شروع کیا۔ تاریکی کے اتھاہ سمندر مین مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اب میری یہ حالت تھی۔ کہ کبھی حواس باختہ ہو کر مین چیخنے کا ارادہ کرتا تھا۔ اور کبھی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرے ہاتھ پاؤن مین موت کی سنسنی پھیل رہی ہے۔ دفعتًا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جس قبر کے سنگ مرمر کے ٹکڑے پر مین بیٹھا تھا۔ اُسمین جنبش پیدا ہو ئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی نیچے سے اُٹھ رہا ہے اور پتھر اُبھر رہا ہے۔ بجلی کیطرح تڑپ کر مین قریب کی قبر پر جا بیٹھا اور اپنی آنکھون سے مین نے دیکھا کہ پتھر کا ایک حصہ اُٹھ گیا۔ اور ایک آدمی اُسمین سے برآمد ہوا۔ ہڈیون کا ڈھانچہ تھا۔ لیکن پتھر کو اُسنے اپنی طاقت سے اُٹھا لیا۔ رات بہت اندھیری تھی لیکن قبر کا کتبہ مین نے نہایت صاف پڑھا۔

یہان پر جیک اُوَلی وان کی قبر ہے۔ اُسنے ۵۱ سال کی عمر مین دنیا کو خیرباد کہا۔ وہ ایک مہربان باپ تھا۔ اور ایک قابل خاوند۔ بے حد نصاف پسند۔ خدا ترس۔ اور اللہ کی رحمتون سے مالا مال" مردہ خود بھی اپنا کتبہ غور سے پڑھ رہا تھا۔ پڑھکر وہ کسیقدر متحیر ہوا۔ اور گلی سے ایک نوکیلا پتھر کا ٹکڑا اُٹھا لایا۔ آہستہ آہستہ اُسنے اُن حروف کو مٹانا شروع کیا۔ یہان تک کہ اُسنے اُسے بالکل صاف کر دیا اب خالی جگہ کو اُسنے اپنے خالی آنکھون سے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اور اپنی انگشت شہادت کی ہڈی سے بجائے اُس کتبہ کے روشن حروف مین اُسنے حسب ذیل کتبہ لکھا۔

"یہان جیک اُوَلی وان کی قبر ہے۔ ۵۱ سال کی عمر مین اُسنے دم توڑا۔ اسکا شدید اور نامہربان برتاؤ اُسکے باپ کی قبل از وقت موت کا باعث ہوا۔ یہ برتاؤ اسلئے تھا کہ وہ اسکی جائداد کا وارث بننا چاہتا تھا۔ اپنے بیوی بچون کے ساتھ اُسکا سلوک جابرانہ تھا اپنے پڑوسیون کو اُسنے ہمیشہ دھوکا دیا جب کبھی ممکن ہوا۔ اُسنے دوسرون کا مال اُڑا لیا۔ اور ایک بے ایمان۔ بدمعاش کی موت مرا"

جب وہ اپنا کتبہ لکھ چکا۔ تب دیر تک وہ اُسکو بغور دیکھتا رہا۔ اب مین نے ایک حیرت کی نگاہ چارون طرف ڈالی۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب مین نے یہ دیکھا کہ سب قبرین کھلی ہوئی ہین اور ہر قبر سے مردے نکل کر اپنے رشتہ دارون کے لکھوائے ہوئے کتبون کو اسیطرح مٹا کر حقیقت سے بدل رہا ہے۔ مین نے یہ دیکھا کہ اُن مین سے ہر ایک نے جو دفن تھے اپنے خاندان والون کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ جانور بھی ایسے بدسلوکیان نہین کر سکتے۔ یہ کا سب بے شرم خودغرض جھوٹے بدمعاش چغلخور حاسد۔ دغاباز۔ بے ایمانون کی جماعت تھی اُنھون نے چوریان کی تھین دغابازیون کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور دنیا کا کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جسکے وہ صحیح طور پر ملزم نہ قرار دیے جا سکتے ہون یہ لوگ جنکی بابت لکھا تھا کہ بچون کو پیار کرنے والے باپ محبت کرنے والے خاوند۔ اور ماں باپ کی عزت کرنے والے بچے تھے باعصمت لڑکیان بے لوث کام کرنے والے ایماندار تاجر۔ بے عیب خلیق اور شریف مردون اور عورتون کی یہ حقیقت تھی جو اوپر بیان کی گئی لیکن اب یہ پوری جماعت بلا ارادہ اپنی سکونت دوام کے آستانہ پر یہ حقیقت یہ خوفناک دلشکن اور صاف حقیقت لکھ رہے تھے جس سے دنیا والون نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی تھی۔ اب میرے ذہن مین یہ خیال گزرا کہ کیون میری محبوبہ نے اپنی قبر کے کتبہ مین کیا تبدیلی کی میرا خوف رخصت ہو چکا تھا۔ اور مین ان کھلی ہوئی قبرون۔ ان برہنہ ہڈی کے ڈھانچون سے ٹکراتا ہوا کودتا۔ پھاندتا اسکی قبر کی طرف دوڑا۔ مجھے یقین تھا۔ کہ آج میری اور اُسکی ملاقات ہو جائیگی مین نے دیکھا کہ وہ اپنا منھ چھپائے ہوئے ہے لیکن اُسکے اندازِ قدسی مین نے دُور ہی سے اُسکو پہچان لیا۔ تھوڑی دیر پہلے اُسکی قبر پر مین نے جو کتبہ پڑھا تھا وہ یہ تھا۔ "اسنے محبت کی اور محبت کی گئی۔ اور اُسنے دنیا کو خیرباد کہا" اب جو کتبہ میری نظر کے سامنے تھا وہ یہ تھا۔ "ایک روز وہ اپنے عاشق کو دھوکا دیکر اور دھوکا دینے کے لئے باہر گئی ہوئی تھی کہ اُسکو زکام ہو گیا۔ بھیگ کر سردی کھا گئی اور اسیطرح اُس بیوفا کی موت ہوئی" لوگون نے مجھے بتایا کہ دوسرے دن صبح کیوقت مین ایک قبر کے پاس بیہوش پایا گیا۔

ترجمہ از ——— موپاسان۔

تین بجلیاں

(از جناب مولانا احسن سہمی صاحب معاونِ مدیر رسالۂ زمانہ کانپور)

مسٹر گھوشال بنگال کے ایک باکمال مصور تھے۔ اُن کے والد ایک معزز خاندان کے رکن تھے لیکن حسنِ مغرب کی بے حجابیوں اور عشق مجبور کی شورشوں نے انھیں خدا کے بیٹے جناب مسیح کے سایۂ عاطفت میں پہونچا دیا تھا، چونکہ مسٹر گھوشال کی ہستی اسی معرکہ ناز و نیاز کی یادگار تھی اس لئے انھیں شاعری اور مصوری کے علاوہ حسن پرستی بھی ورثہ میں ملی تھی جس کے بغیر فنونِ لطیفہ کی تکمیل ناممکن ہے، اُن کی رگوں میں ایسا خون گردش کر رہا تھا جس میں ایشیا اور یورپ کی تمام لطیف خصوصیات موجود تھیں اور اس نسبت سے اُن کی مصوری بھی مغربی و مشرقی لطافتوں کی ایک مجموعۂ مشترک تھی۔

وہ ایک غائر نظر سے دیکھ لینے کے بعد کسی شخص یا کسی منظر کی پوری تصویر کھینچ دیا کرتے تھے درانحالیکہ تصویر کھینچتے وقت وہ اپنے نگارخانے میں بالکل تنہا ہوتے اور کوئی ایسی چیز اُن کے سامنے نہ ہوتی جسکو دیکھکر مصوری میں اُنھیں کچھ مدد ملے، فطرتاً اُن کے دماغ کی ساخت ایسی تھی کہ وہ جس چیز کو غور سے دیکھ لیتے اُس کی تصویر اُن کے دماغ میں اُتر آتی اور تنہائی میں اُسی تصویر کو وہ کرچ کے تختے پر نمایاں کر دیتے تھے۔

مسٹر گھوشال کی بنائی ہوئی تصویریں ملک کے تمام اخبار و رسائل میں نہایت اہتمام سے شائع ہوتی تھیں اور دیکھنے والے ان تصویروں کو نہایت دلچسپی سے دیکھتے تھے۔ ان کی تصویروں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ظاہری خط و خال باطنی جذبات کا آئینہ ہوتے تھے۔ یہی خصوصیت تھی جسکی بدولت مسٹر گھوشال کو زبانِ تحسین و ستائش کے علاوہ تصویروں کا معاوضہ ہمعصر مصوروں سے زیادہ ملتا تھا، بعض صورتوں میں اُن کی تصویریں اُن چھپے ہوئے جذبات کو بھی نمایاں کر دیا کرتی تھیں جن کو شاعری کی مرصع بندشیں بھی بخوبی ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

مسٹر گھوشال کا نگارخانہ شہر سے باہر ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔ شہر کے اکثر نفیس مزاج حضرات شام کے وقت وہاں تفریح کے لئے جایا کرتے تھے۔ نگارخانے سے متعلق ایک باغ تھا جس میں ایشیا اور یورپ کے بہترین پھولوں کے پودے لگائے گئے تھے جن کے کھلنے کا موسم مختلف تھا، یہی سبب تھا کہ کوئی موسم ہو مگر وہاں بہار کا سماں رہتا تھا۔ نگارخانے کے اندر مصوری کے بہترین نمونے دیواروں پر آویزاں تھے۔ اس کا ایک کمرہ مخصوص تھا جس میں مسٹر گھوشال بیٹھکر تصویر بنایا کرتے تھے۔ اس کمرے سے ملحق چند ایسے کمرے تھے جن میں وہ امیدوار کام کرتے تھے جو دور دور سے مصوری سیکھنے کے لئے آئے تھے ان نوآموز مصوروں کے لئے نگارخانے سے قریب ایک دارالاقامہ تھا جس میں قیام و طعام کا معقول انتظام تھا۔

مسٹر گھوشال ان نوآموز مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں پر اصلاح کرتے اور انھیں مصوری کے نکات بتایا کرتے تھے لیکن

امیدواروں کا داخلہ ذرا مشکل سے ہوتا تھا - داخلے سے پہلے مسٹر گھوشال ہر امیدوار کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈال کر اس بات کا اندازہ کر لیا کرتے کہ اس میں تصویر کشی کی کتنی صلاحیت موجود ہے۔ پہلے وہ امیدوار کو نگار خانے کے اندر لیجا کر مختلف تصویریں دکھاتے تھے اور امیدوار کی صورت کو کبھی کبھی دزدیدہ نظر سے دیکھتے رہتے تھے۔ سب سے آخر میں وہ اس قسم کی تصویریں دکھاتے جو حسن انسان کو مختلف صورتوں میں جلوہ گر کرتی ہیں - اس کے بعد وہ اپنے خاص کمرے میں آکر یہ فیصلہ کرتے کہ یہ شخص تصویر کشی کی کتنی اہلیت رکھتا ہے اور اسی فیصلہ پر امیدوار کی تمناؤں کا فیصلہ منحصر تھا۔

ان کا فیصلہ بعض وقت عجیب و غریب ہوتا تھا - کبھی وہ ایسے شخص کو اپنے نگار خانے کے لئے منتخب کر لیتے تھے جو ایک معمولی سی تصویر بنانے میں بھی قاصر ہوتا اور کبھی ایسے امیدوار کو صاف جواب دیدیتے جو بظاہر اچھی اچھی تصویریں بنا لیا کرتے تھے، بہر حال مسٹر گھوشال کا نظر اس معاملے میں حیرت انگیز تھا - کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ وہ امیدوار کے بشرے سے کیا اندازہ کرتے ہیں اور ان کے انکار میں کیا راز مضمر ہے

ایک مرتبہ ایک مسلمان نوجوان ان کے پاس مصوری سیکھنے کیلئے آیا - اُسکا نام یوسف تھا، یوسف فطرتاً ایسا خاموش اور سنجیدہ مزاج تھا کہ بظاہر اُس کی طبیعت فنون لطیفہ سے بیگانہ معلوم ہوتی تھی وہ اچھے شعر سنتا، اچھی تصویر دیکھتا لیکن کیا ممکن کہ اُس کے چہرے سے کسی خاص اثر کا اندازہ ہو سکے، دریا کے کنارے وہ پہروں بت بنا ہوا بیٹھا رہتا، اُس کے ساتھی دریا کی موجوں سے کھیلتے - پانی کے چھینٹے اڑاتے لیکن وہ چپ چاپ متانت سے دو غوطے لگا کر کنارے پر آجاتا اور وہیں سے دوستوں کی ستم ظریفیوں کے تماشے دیکھا کرتا، وہ حسن کا نظارہ کرتا لیکن مسحور نہ ہوتا وہ موسیقی کے سحر طراز نغمے سنتا لیکن بظاہر کچھ اثر نہ لیتا، کہنے والے کہتے "میاں یوسف تم آدمی نہیں ہو پتھر ہو" لیکن وہ مسکرا کے چپ ہو رہتا۔

یوسف جب مسٹر گھوشال کے سامنے آیا تو انھوں نے سر سے پاؤں تک اُسے دیکھا، اس کی ظاہری متانت و پراسرار سنجیدگی پر غور کیا، اور بالآخر نگار خانے میں لیگئے - مختلف تصویریں دکھائیں - حسن و عشق کے پُر لطف نظارے اور راز و نیاز کے دلکش مرقعے پیش کئے لیکن یوسف کے بشرے سے وہی سنجیدگی وہی متانت ٹپکتی رہی، مسٹر گھوشال بار بار اُسکی آنکھوں کی طرف دیکھتے رہے، گویا وہ اس محشر خاموش کا اندازہ کر رہے تھے، جو اُس کے سینے میں سکون و جمود کی حالت میں دبا ہوا پڑا تھا،

جب امتحان داخلہ کے سارے مدارج طے ہو گئے - تو مسٹر گھوشال یوسف کو لئے ہوئے اپنے کمرے میں آئے اور اُس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یوسف میں تمھاری متانت کی قدر کرتا ہوں، تمھاری سنجیدہ فطرت قابل تعظیم ہے، اچھا بتاؤ تم کیا چاہتے ہو۔

یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا، یہی کہ جیسے آپ ہیں میں بھی ویسا بن جاؤں، اُسوقت یوسف کی آنکھیں خلاف معمول چمک رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شوق کی دبی ہوئی آگ دفعتاً بھڑک اُٹھی ہے، تاہم اس کا چہرہ متانت و سنجیدگی کا مرقع بنا ہوا تھا،

مسٹر گھوشال کا بنگلہ نگار خانے سے کچھ فاصلے پر تھا - وہ صبح کے وقت ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے نگار خانے میں آتے، پہلے کچھ دیر تک روشوں پر ٹہلتے - پھولوں کی سیر کرتے اُس کے بعد

دار الاقامۃ کے ضروری انتظامات کے متعلق منیجر سے گفتگو کرتے - پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ جاتے اور کچھ دیر تک باہر سے آئے ہوئے خطوط کو پڑھکر دریافت طلب امور کے جواب لکھا کرتے تھے - اسوقت سوائے ایلین کے ان کے پاس کوئی اور نہ ہوتا تھا، ایلین مسٹر گھوشال کی نازپروردہ لڑکی تھی، اسکا اصلی نام شانتی تھا - مگر مغربی تقلید اور محبت کے جوش میں وہ اُس کو پیار سے ایلین کہا کرتے تھے فطرت نے ایلین کے سراپا میں تمام شاعرانہ خوبیاں ودیعت کر رکھی تھیں وہ خاموشی کی حالت میں گلاب کی ایک ناشگفتہ کلی کی طرح خوبصورت نظر آتی تھی لیکن جب گفتگو کرتی یا ہنستی تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس کے نازک ہونٹوں سے گلاب کے سیکڑوں پھول برس رہے ہیں - اُس کی آنکھوں کا حُسن تشبیہات سے بے نیاز تھا، نرگس شہلا میں حُسن ہے مگر وہ مستی کہاں جام شراب میں مستی ہے مگر وہ روح پرور شوخیاں کہاں کبھی اُس کی آنکھیں متوالوں کیطرح بیباک و شوخ نظر آتیں - اور کبھی لجالو کی طرح آہستہ آہستہ شرم و حجاب کا مرقع بنجاتیں غرض ایلین نہایت ہی خوبصورت لڑکی تھی، مسٹر گھوشال اُس سے بہت محبت کرتے تھے اس کو اپنے ساتھ نگار خانے میں لاتے اور اپنے سامنے بٹھاکر مصوری سکھاتے تھے، صبح کے وقت جب مسٹر گھوشال خطوط کے جواب لکھنے میں مصروف ہوتے اُسوقت ایلین بالکل آزاد ہوتی، کبھی وہ مسٹر گھوشال کے کمرے میں بیٹھکر اپنی بنائی ہوئی تصویروں پر غور کرتی رہتی، اور کبھی نگار خانے کے دوسرے کمروں کی سیر میں مصروف ہوتی اور کبھی کبھی آزاد ہرنی کی طرح باغ کی روشوں پر جاکر پھولوں سے کھیلا کرتی تھی -

مسٹر گھوشال خطوط کے جواب سے فارغ ہوکر شاگردوں کے کمرے میں آتے ہر شاگرد کی بنائی تصویر کو دیکھکر پنسل سے اصلاحی نشانات بنادیتے اور نئی تصویروں کے متعلق ضروری ہدایتیں کرتے تھے اسوقت ایلین اِن کے ساتھ ساتھ رہتی اور اِن تمام باتوں کو سُنا کرتی تھی جو مسٹر گھوشال دوسرے شاگردوں کو بتایا کرتے تھے -

سب سے آخر میں مسٹر گھوشال یوسف کے پاس جاتے تھے، اُس کی متانت آمیز مصروفیت کو دیکھکر بہت خوش ہوتے تھے وہ یوسف کے متین چہرے کو بغور دیکھتے اور پھر اسکی بنائی ہوئی تصویروں کے متعلق ضروری ہدایتیں کرکے اپنے کمرے میں چلے آتے تھے، اب ایلین کی باری ہوتی اور ایلین اپنی بنائی ہوئی تصویر پیش کرتی -

ایک دن مسٹر گھوشال نے ایلین سے کہا "اب تمھاری تصویروں میں باطنی جذبات کی جھلک نظر آنے لگی ہے - اگر تم نے زیادہ غور و فکر سے کام لیا تو منزل پر پہونچنا دشوار نہیں - یوسف کو دیکھو وہ ایک خاموش فطرت کا انسان ہے لیکن یہ صرف میں جانتا ہوں کہ اُس کا دل شاعرانہ جذبات کا سمندر ہے جس میں مصوری کی موجیں اٹھتی رہتی ہیں - اس کے چہرے سے اس کے خیالات و جذبات کا اندازہ ممکن نہیں اسکی بنائی ہوئی تصویروں کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ انسانی چہرے کی ساخت میں دل کے چھپے ہوئے جذبات کی رعایت کسقدر ملحوظ رکھتا ہے - یاد رکھو کہ ایک کامیاب مصور اور شاعر کے لئے جذبات کی ترجمانی اور عکاسی بہت بڑی چیز ہے، صرف چند خوشنما لکیریں کھینچنے سے نہ کوئی مصور ہو سکتا ہے اور نہ چند الفاظ جوڑ دینے سے کوئی شخص حقیقی شاعر بن سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مرتبے فطرت ہی کی طرف سے عطا ہوتے ہیں - یوسف کو دیکھو کیا ایسا خاموش شخص ایسا ہنگامہ آفرین ہو سکتا ہے؟ کیا ایک

فرشتہ انسانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل کر سکتا ہے۔ ظاہر بین حضرات فرشتہ کو انسان سے بہتر سمجھتے ہیں لیکن یہ ایک کھلا ہوا دھوکا ہے انسان کا دل جذبات و احساسات کا بجز و خارجی لیکن فرشتہ اُسکی سطح سے بھی آشنا نہیں، یوسف بظاہر ایک فرشتہ ہے اُس کے ہمنشین اسے سادہ دل سمجھتے ہوں گے - مگر اُسکی فطرت ایک اتھاہ ساگر کی طرح، پرسکون و خاموش ہے، تالاب کی طرح ساگر میں موجیں نہیں اُٹھتیں بلکہ وہ گہرائی میں چھپی رہتی ہیں تاہم دیکھنے والی نگاہیں اُن چھپی ہوئی موجوں کو دیکھ لیتی ہیں لیکن جس طرح چاند کی کشش سے پرسکون سمندر کی سطح مد و جزر کا کھلونا بن جاتی ہے اُسی طرح ممکن ہے کہ جب کوئی خاص چیز اُسے اپنی طرف کھینچے تو اُس قلزم خاموش میں بھی تلاطم کے آثار پیدا ہو جائیں یوسف ابھی چند مہینے سے کام سیکھتا ہے مگر اسی مختصر مدت میں اُسکی تصویریں جذبات کی عکاسی کرنے لگی ہیں۔ ایلن کیا تمنے اس کی بنائی ہوئی تصویروں پر کبھی غور کیا ہے؟"

ایلن تصویر بنی ہوئی اس تقریر کو سنتی رہی۔ اس کے بعد مسٹر گھوشال اس تصویر کی طرف متوجہ ہو گئے جس کو وہ مکمل کرنا چاہتے تھے۔

برسات کا موسم تھا۔ کالے کالے بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں قدرت نے سرمئی رنگ کے گدّے بچھا دیے ہیں، مسٹر گھوشال حسب معمول اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے خطوط کا جواب لکھ رہے تھے۔ ایلن نگارخانہ کے سامنے باغ میں ٹہل رہی تھی اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول تھا۔ دفعتہً بوندیں پڑنے لگیں۔ ایلن نگارخانے کے سائبان میں آکر پانی برسنے کا تماشہ دیکھنے لگی۔ رفتہ رفتہ بارش کے ساتھ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک بھی شریک ہو گئی اور یہ خوشنما منظر کسی قدر ہیبتناک ہو گیا۔ یکایک بڑے زور سے بجلی چمکی ایلن کی آنکھیں جھپک گئیں۔ خوفناک گرج کی آواز سے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ گلاب کا پھول ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور جسم کی بے اختیار جنبش کی وجہ سے ریشمی ساری کا آنچل سر سے نیچے سرک آیا۔ یوسف کسی ضرورت سے اپنے کمرے سے نکل کر سائبان میں آیا تھا اُس نے یہ کیفیت دیکھی اور جب تک ایلن سنبھلے سنبھلے اُسنے زمین سے گلاب کا پھول اُٹھا کر ایلن کے ہاتھ میں دیدیا ایلن ایک ہاتھ سے سر سے ڈھلا ہوا آنچل درست کر رہی تھی۔ لیکن اس کی نگاہیں شرمندگی کے انداز میں یوسف کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ اُس کی زبان سے بیساختہ نکلا، دیکھو یوسف بجلی کس زور سے چمکتی ہے۔ یوسف چپ چاپ سر جھکائے ہوئے اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ ایلن ان پنکھڑیوں کو دیکھنے لگی جو گلاب کے پھول سے ٹوٹ کر زمین پر رہ گئی تھیں۔

اس واقعے کے چند روز بعد ایک روز ایلن یوسف کے پاس آکر کھڑی ہو گئی، یوسف ایک تصویر بنانے میں مشغول تھا اُس کے قریب ہی ایک دوسری تصویر رکھی تھی یہ تصویر گزشتہ واقعہ سے متعلق تھی۔ فضا میں کالے بادل نظر آتے تھے جن میں بجلی کی ایک سنہری زنجیر بل کھاتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ سامنے باغ کی کیاریوں میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن کی پنکھڑیوں پر پانی کے قطروں کے نشانات موجود تھے، سائبان میں ایلن کھڑی سر سے ڈھلا ہوا

آنچل درست کر رہی تھی۔ اُس کے سامنے زمین پر گلاب کی چند
پنکھڑیاں بکھری پڑی تھیں۔ ایلن کے ہونٹوں پر تبسم اور آنکھوں
میں شرمندگی کی جھلک نظر آتی تھی۔

ایلن نے تصویر اُٹھا کر معصومانہ انداز میں کہا، یوسف یہ تصویر
مجھے دے دو۔

یوسف نے اپنی فطری متانت کے لہجے میں جواب دیا۔ لے جائیے
میں نے آپ ہی کے لئے بنائی تھی۔ ایلن تصویر لیکر چلی گئی۔ اور
یوسف اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

ایلن تصویر لئے ہوئے مسٹر گھوشال کے کمرے میں پہنچی
اور کرسی پر بیٹھکر اُسے غور سے دیکھنے لگی۔

اُس کو بجلی کا چمکنا، اپنے پاؤں کا لڑکھڑانا اور گلاب کے پھول
کا ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرنا بخوبی یاد تھا۔ وہ گویا اسوقت بھی
تصور میں دیکھ رہی تھی کہ یوسف گلاب کا پھول دے رہا ہے اور
وہ آنچل سنبھالتے ہوئی کہتی ہے، یوسف دیکھو کتنے زور سے بجلی
چمکی ہے۔

یوسف کی شکل اُس کے سامنے تھی، لیکن اپنی تصویر دیکھکر
اب اس کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اُسکی صورت اسوقت گھبراہٹ میں
کیسی بن گئی تھی، وہ کبھی دل ہی دل میں شرماتی اور کبھی خود بخود
مسکرانے لگتی تھی۔

مسٹر گھوشال نے خطوط سے فرصت پائی تو سر اوپر اُٹھا کر
ایلن کی طرف دیکھا، اور اُس کی محویت دیکھکر بولے ایلن کیا دیکھ رہی ہو؟

ایلن نے کہا کچھ نہیں یوسف کی بنائی ہوئی ایک تصویر ہے۔
مسٹر گھوشال نے ہاتھ بڑھا کر کہا، لاؤ میں بھی دیکھوں۔

ایلن نے تصویر دیدی، مسٹر گھوشال تصویر کو دیکھنے لگے، اُنھیں
ایلن کے چہرے پر پشیمانی۔ شوق، محبت، کے جذبات صاف
صاف نظر آ رہے تھے، لیکن اس کا سبب سمجھ میں نہ آتا تھا، بظاہر
تصویر مکمل تھی، لیکن وہ جس پہلو سے غور کرتے ایلن کی موجودہ کیفیت
کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی، زمین پر پڑی ہوئی گلاب کی پنکھڑیوں کا
وجود بھی ایک معمہ تھا جس کا حل کرنا مسٹر گھوشال کے لئے دشوار
ہو گیا۔ آخر اُنھوں نے اعترافِ عجز کی طور پر ایک لمبی سانس لیکر
کہا "ایلن یہ تصویر نامکمل ہے"

رفتہ رفتہ برسات کا آخری زمانہ آگیا۔ موسم میں تغیر کے
آثار نمایاں ہو گئے۔

ایک روز کالے کالے بادل فضا میں چکر لگا رہے تھے، اور
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیکڑوں مست ہاتھی جنگل میں بھاگتے پھرتے
ہیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سردی کا پیغام سناتے پھرتے تھے۔

۸ بجے رات کا وقت تھا، یوسف اپنی چارپائی پر بیٹھا ہوا کچھ سوچ
رہا تھا، سوچتے سوچتے دفعتاً اُس نے کسی انتشار سے متاثر ہو کر
حبیب کو آواز دی، حبیب بھی نگارخانہ کا ایک نوآموز مصور تھا
نگارخانے میں یوسف اور حبیب قریب قریب بیٹھتے تھے، اور بورڈنگ
ہاؤس میں بھی دونوں کا کمرہ مشترک تھا۔

یوسف کی آواز سنکر حبیب اُس کے پاس آگیا، یوسف نے
اُسے اپنا تمام سامان سپرد کیا، ٹرنک کے اندر جو کچھ تھا اُس کی
زبانی فہرست سنائی، اور کہنے لگا، بھائی آج میں تم سے رخصت
ہوتا ہوں، اور تمھیں سے کیا، اپنے تمام اعزا اور احباب سے

کوئی کشش مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے، مجھے معلوم نہیں کہ میں کہاں جاؤں گا اور اس سفر کا نتیجہ کیا ہوگا۔

حبیب یہ سب کچھ تعجب سے سنتا رہا اس نے یوسف کے منہ سے کبھی اس قسم کی باتیں نہ سنی تھیں گھبرا کر بول اٹھا یوسف یہ کیا کہتے ہو؟

یوسف نے کہا، حبیب تعجب نہ کرو، میرے دل میں اس وقت عجیب و غریب طوفان برپا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اس طوفان کا سبب کیا ہے لیکن میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہوش و حواس درست ہیں اور میں جو کچھ کہتا ہوں جان بوجھ کر کہتا ہوں اچھا لو خدا حافظ، مجھے کوئی کھینچے لئے جاتا ہے۔

حبیب ایک سناٹے کے عالم میں تصویر بنا کھڑا رہا، اور یوسف کمرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔

رات اندھیری تھی ننھی ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں، حبیب اور اُس کے دوستوں نے لالٹین کی روشنی میں آس پاس بہت کچھ تلاش کیا۔ لیکن یوسف کا کچھ پتہ نہ ملا۔ آخر مسٹر گھوشال کو یوسف کی آشفتہ مزاجی اور گم گشتگی کی اطلاع دیکر سب اپنے اپنے کمروں میں آکر سو رہے،

ساری رات ننھی ننھی پھوار پڑتی رہی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے سردی چمک گئی تھی۔ ہوتے ہوتے بارش زرا تیز ہوتی گئی اور ہوا میں بھی تیزی آگئی۔

مسٹر گھوشال اپنے بنگلے کے برآمدے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ اُن کے چہرے سے انتشار و تفکر کے آثار ہویدا تھے، کچھ سوچتے سوچتے وہ کرسی سے اُٹھے اور چپراسی کو آواز دی۔ چپراسی جی حضور کہتا ہوا سامنے آیا مسٹر گھوشال نے کہا، گاڑی لیکر جاؤ اور ڈاکٹر چودھری کو بلا لاؤ،

بوندیں زرا ہلکی ہو گئی تھیں، مسٹر گھوشال کے بنگلے کے سامنے والی سڑک پر موٹر اور گاڑیوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی دفعتہً سامنے سے ایک موٹر نکلا، مسٹر گھوشال کی نظر خود بخود ادھر اُٹھ گئی، سڑک کے کنارے ایک نیم کا درخت تھا، اس کے نیچے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا نظر آیا موٹر نکل گیا۔ لیکن مسٹر گھوشال کی نگاہیں اُس شخص پر جم گئیں۔

یہ یوسف تھا، مسٹر گھوشال کو بھی یوسف کا شبہہ ہوا نوکر کو بھیجکر اپنے شبہہ کی تصدیق کی، جب حقیقت حال کا پتہ نہ چلا تو خود اُٹھکر گئے اور یقین آگیا کہ دراصل یہ یوسف ہی ہے۔ یوسف نے اُٹھکر مسٹر گھوشال کو اسی فطری متانت کے سلام کیا۔

مسٹر گھوشال نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا، یوسف یہ کیا حالت ہے؟

یوسف نے کہا اچھا ہوں فرق صرف یہ ہے کہ پہلے میں اپنے قابو میں تھا اب دل کے قبضے میں ہوں۔

مسٹر گھوشال نے پھر پوچھا، رات کے وقت تم بورڈنگ سے کیوں چلے آئے، اور اب یہاں کیوں بیٹھے ہو۔

یوسف نے جواب دیا، معلوم نہیں کون مجھے کھینچ کر یہاں لایا ہے، میں بورڈنگ سے نکلنے پر مجبور تھا۔ نہ میرا دل میرے قابو میں تھا نہ میرے قدم، یہاں آکر قدم خود بخود رک گئے، دل نے کہا یہیں بیٹھ، چنانچہ بیٹھا ہوں اور خدا جانے کب تک بیٹھا رہوں گا۔

مسٹر گھوشال کا دماغ اسوقت کچھ پریشان تھا، یوسف کے حالات پر کچھ زیادہ غور نہ کر سکے۔ بورڈنگ والوں کو اطلاع

دیدی کہ یوسف میرے بنگلہ کے سامنے ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ شائد اس کے دماغ میں کچھ فتور آگیا ہے میں ایلین کی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان ہوں اس وقت اس معاملہ میں کچھ زیادہ غور نہیں کرسکتا، یوسف کے متعلق مناسب انتظام کرو۔

اس متوحش خبر کو سُنکر، حبیب اور بورڈنگ کے بعض اور طلبا آئے، یوسف کو سمجھایا، بجھایا، ڈرایا دھمکایا، منت سماجت کی لیکن وہ کسی طرح یہاں سے جانے پر رضامند نہ ہوا، بظاہر یوسف کا دماغ صحیح تھا مگر اُس کی ہٹ نے سب لوگوں کو مجبوراً اس خیال پر متفق کردیا کہ یوسف کا دماغ ضرور خراب ہوگیا ہے۔ بورڈنگ والوں نے یوسف کے لیجانے کی آخری کوشش یہ کی کہ ایک پولیس کے سپاہی کو بلا لائے لیکن اس کوشش میں بھی انھیں کامیابی نہ ہوئی اور یوسف جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ انجام کار سب کے سب یوسف کو تقدیر کے سپرد کرکے واپس چلے گئے۔

مسٹر گھوشال کے بنگلہ پر ڈاکٹروں کا تانتا بندھا ہوا تھا ایلین طاعون میں مبتلا تھی اُس کی حالت لحظہ بہ لحظہ خراب ہو رہی تھی۔ چہرہ بخار سے تمتما رہا تھا، وہ آنکھیں جو اپنی بیباک نگاہی سے بجلیاں گرایا کرتی تھیں بخار کی غفلت میں بند تھیں۔ مسٹر گھوشال حسرت سے ایلین کی صورت دیکھ رہے تھے۔

دن بھر آسمان پر ابر محیط رہا۔ وقتاً فوقتاً ترشح بھی ہوتا رہا۔ شام کے وقت ایلین نے آنکھیں کھولیں، بخار میں بھی کچھ کمی ہوگئی، لیکن یہ کیفیت دیر تک قائم نہ رہی، ایک گھنٹے کے بعد پھر بخار تیز ہوگیا، اور غفلت میں ہزیانی کیفیت شروع ہوگئی۔ بارش بھی اس وقت تیز ہوگئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دنیا کو کرۂ زمہریر بنانے میں مصروف تھے۔

ایلین نے کروٹ بدلی اور غفلت میں کچھ ادھورے بول اس کی زبان پر جاری ہوگئے۔ مسٹر گھوشال، اس جانگسل سین کو اضطراب و اضطرار کے ساتھ دیکھ رہے تھے، ایلین نے ذرا صاف لہجہ میں کہا، یوسف میں نے تمھاری تصویر مکمل کردی، اتنا کہکر پھر اسپر بے حسی و غفلت طاری ہوگئی

مسٹر گھوشال نے یہ فقرہ سنا، لیکن دماغ کی پریشانی کی وجہ سے اس پر کچھ غور نہ کرسکے۔ ایلین پر دیر تک بیہوشی کا عالم طاری رہا۔ مسٹر گھوشال مضطربانہ انداز سے کمرے میں ٹہلنے لگے اور کمرے کی ہر چیز کو حسرت سے دیکھنے لگے، دیوار پر ایلین کی بنائی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں جس میز پر ایلین کے مطالعہ کی کتابیں رکھی تھیں اُس کے سامنے دیوار پر ایک تصویر ممتاز طریقہ سے آویزاں نظر آئی، مسٹر گھوشال اسے غور سے دیکھنے لگے۔ یہ وہی یوسف کی بنائی ہوئی تصویر تھی لیکن اب اس میں کچھ اور اضافہ ہوگیا تھا، پہلے صرف ایلین کے سامنے زمین پر گلاب کے پھول کی چند پنکھڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اب ایلین کے سامنے یوسف کھڑا تھا اسکے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا جسکو وہ ایک والہانہ انداز سے ایلین کو دینا چاہتا تھا۔ تصویر دیکھکر مسٹر گھوشال خود بخود بول اُٹھے۔ آج اس راز کا انکشاف ہوگیا، جو پہلے نامکمل تصویر کے پردے میں پوشیدہ تھا۔ وہ کچھ دیر تک تصویر کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد کچھ سوچکر کمرے سے باہر نکلے، اپنے

کمرے میں آکر کھونٹی پر سے برساتی اتاری لالٹین ہاتھ
میں لی اور بنگلہ کے برآمدے میں آگئے۔ بارش ہو رہی تھی
کبھی کبھی بجلی بھی چمک جاتی تھی، سامنے نیم کے درخت
کے نیچے یوسف بیٹھا ہوا بھیگ رہا تھا۔

مسٹر گھوشال نے نوکر سے چھتری منگائی اور برساتی لئے
ہوئے یوسف کے پاس آئے۔ یوسف بدستور اپنے خیالات
مستغرق تھا، مسٹر گھوشال نے کہا۔

یوسف کیوں اپنی جان کے دشمن ہوئے ہو۔ برسوں
رات سے پانی لگاتار تمھارے سر پر برس رہا ہے۔ میں اپنی
پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ خدا جانے تمھیں کسی نے کھانے کو
بھی پوچھا یا نہیں۔

یوسف نے اپنی فطری متانت سے جواب دیا میں
اسی حال میں خوش ہوں یہ گھڑیاں میری زندگی کا حاصل ہیں،

مسٹر گھوشال نے کہا خیر اگر تمھیں یہی منظور ہے تو لو یہ
برساتی اوڑھ کر بیٹھو پانی میں بھیگنے سے کیا فائدہ یہ کہکر
یوسف کو برساتی اوڑھا دی۔ لیکن یوسف نے برساتی
اُتار کر مسٹر گھوشال کے سامنے رکھدی اور کہنے لگا آپ
مجھے اسی حال میں رہنے دیں۔

اتنے میں بجلی بڑے زور سے چمکی اندھیری رات روز
روشن کی طرح چمک اٹھی، مسٹر گھوشال کی آنکھیں جھپک گئیں
اور یوسف ایک طرف اُٹھکر بھاگ گیا۔

مسٹر گھوشال یوسف کو بے تحاشا بھاگتے ہوئے دیکھکر
حیرت میں آگئے، ابھی دو منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ سامنے
سے یوسف اُسی تیزی کے ساتھ آتا ہوا نظر آیا اور آکر پھر
اپنی جگہ پر بیٹھ گیا مسٹر گھوشال نے کہا، یوسف بجلی کی کڑک
اور چمک سے تم اتنا ڈر گئے کہ مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔
سچ ہے اپنی جان کی بہت محبت ہوتی ہے۔

یوسف نے جواب دیا، مجھے اپنی جان کا بالکل خوف نہیں
میں تو یہ دیکھنے گیا تھا کہ آخر یہ بجلی زمین پر آئی کیوں تھی اب
اس کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔

مسٹر گھوشال یہ مجنونانہ جواب سنکر خاموش ہو گئے، اور
برساتی، یوسف کے اوپر ڈالکر چلے آئے۔

یوسف ساری رات بارش سے بھیگتا رہا۔ برساتی سامنے
رکھی ہوئی اُس کے نام کو رو دیا کی صبح ہوتے ہوتے کچھ بوندیں
تھمیں، اور مسٹر گھوشال کے بنگلے سے رونے کی آواز آنے لگی

یوسف نیم کے نیچے سے اُٹھکر بنگلہ کے دروازے پر آگیا
اور دربان کی طرح ایک طرف دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

تڑکے ہی مسٹر گھوشال کے بنگلہ میں، موٹروں اور گاڑیوں
کا تانتا بندھ گیا، معزز حضرات آتے تھے اور مغموم صورت
بنائے ہوئے بنگلہ میں داخل ہو جاتے تھے۔

یوسف بدستور بنگلہ کے دروازہ سے لگا ہوا کھڑا تھا، دربان
نے سہولت سے سمجھایا دھکے دئے، لیکن وہ اپنی جگہ سے
نہ ہٹا۔ آخر دربان کے خوشامد کے لہجے میں کہا۔ میاں تم
یہاں سے چلے جاؤ، صاحب کی لڑکی کا انتقال ہو گیا ہے
ہائے کیسی اچھی لڑکی تھی لوگ آرہے ہیں، تھوڑی دیر میں
جنازہ جائیگا۔ تم کیوں یہاں ناحق کھڑے ہو۔ جاؤ

نیم کے نیچے بیٹھو۔

یہ سنکر یوسف کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ تیز لہجے میں بولا، کیا ایلن مرگئی، ایلن کبھی نہیں مرسکتی وہ زندہ ہے اور زندہ رہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ موت خود مرجائے گی لیکن ایلن نہیں مرسکتی، جب تک میرے دل میں خون کی جھلک موجود ہے جب تک میرے دماغ میں خیال کی موجیں اٹھتی رہینگی جب تک میرا قلم تصویر بنا سکتا ہے، ایلن کو کوئی طاقت مجھسے چھین نہیں سکتی، بجلی چمکے گی، میں ایلن کو گلاب کا پھول دونگا وہ مسکرائے گی، میں تصویر کھینچوں گا۔

دربان یہ سنکر ڈر گیا کہ کہیں اس دیوانے کی گفتگو کوئی اور سُن نہ لے، اس خیال سے اُس نے یوسف کو اپنے حال پر چھوڑ دیا یوسف بھی تھوڑی دیر تک آپ ہی آپ بڑبڑا کر خاموش ہوگیا

دو گھنٹے بعد جنازہ اُٹھا تابوت کا سیاہ ریشمی غلاف پھولوں کے ہار سے دلہن بنا ہوا تھا۔

تابوت موٹر پر رکھا گیا اور موٹر آہستہ آہستہ قبرستان کیطرف روانہ ہوا مسٹر گھوشال کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ چہرے پر حسرت برستی تھی، وہ سر جھکائے ہوئے تابوت کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

یوسف بھی اسی ماتمی جلوس کے ساتھ تھا، آج اس کے بُشرے سے یاس کے آثار نمایاں تھے، اس کی فطری متانت کا قل ہوچکا تھا۔ صبح سے بوندیں تھمی ہوئی تھیں۔ لیکن اس جگر خراش منظر کو دیکھکر ابر پر پھر رقت طاری ہوگئی، ننھی ننھی بوندوں نے تابوت پر گہر باری شروع کردی ابھی جنازہ قبرستان کے تھوڑے فاصلہ پر تھا کہ بارش تیز ہوگئی اور بجلی چمکنے لگی قبرستان کے قریب پہونچکر ایک مرتبہ بڑی آب و تاب سے بجلی چمکی اور اس زور سے کڑک ہوئی کہ پاؤں کے نیچے کی زمین دہل گئی۔ یوسف اس طرف بھاگا جس طرف لہراتی ہوئی بجلی نظر آئی تھی۔

ایلن کو سپرد خاک کرنے کے بعد دو تین دن تک مسٹر گھوشال اپنے آپ میں نہ تھے رفتہ رفتہ طبیعت سنبھلی بھولی ہوئی دنیا پھر پیش نظر ہوگئی نگار خانہ یاد آیا لیکن اب نگار خانہ کی وہ رونق کہاں، یوسف کی بہت جستجو کی لیکن کہیں پتہ نہ ملا معلوم نہیں زمین کھا گئی یا آسمان۔ آخر چند روز کے بعد مسٹر گھوشال پھر نگار خانہ میں جانے لگے۔

اس کے بعد سے نگار خانہ کی تصویروں میں تین اور تصویروں کا اضافہ ہوگیا جو نمایاں طریقہ سے دیوار پر آویزاں تھیں۔

پہلی تصویر یوسف اور ایلن کے مشترکہ جذبات مصوری کی نمونہ تھی۔

دوسری تصویر میں یوسف نیم کے نیچے بیٹھا ہوا دکھایا گیا تھا۔ سامنے زمین پر برساتی رکھی ہوئی ہے۔ جس پر بوندوں کے نشانات نمایاں ہیں کالے بادل میں سنہری لکیر کی طرح بجلی نظر آرہی ہے، مسٹر گھوشال یوسف کے پاس کھڑے حسرت سے اُس کی صورت دیکھ رہے ہیں۔

تیسری تصویر میں قبرستان کے ایک عبرتناک منظر کا

نقشہ پیش کیا گیا تھا' ایک معصوم روح کالے کالے بادلوں سے نیچے جھانک رہی ہے' یوسف از خود رفتگی کے عالم میں ٹکٹکی باندھے اس حسن مجسم کی طرف دیکھ رہا ہے۔

مسٹر گھوشال جب تک زندہ رہے ان تصویروں کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھے رہے لیکن اس سانحۂ عظیم کے بعد ان کے دل و دماغ میں کچھ ایسا انقلاب ہوا کہ پھر ان کی بنائی ہوئی تصویروں میں وہ خاص بات پیدا نہ ہو سکی جو ان کی نمایاں خصوصیت تھی اس لئے کہ جب وہ کوئی تصویر کھینچنے بیٹھتے تو ایلین کے خط و خال سامنے آجاتے اور ایلین کا پیکر موہوم ان کی مصوری کا مرکز لطیف بن جاتا۔ اسی طرح ہر تصویر میں ایک ہی جلوے کی نمائش ہوتی اور ہر مرقع میں ایک ہی جذبہ مختلف رنگ اختیار کر لیتا تھا۔

(اعظمی)

روحِ سخن

(از جناب خان صاحب منشی محمود علیخان صاحب عرف جناب آغا علیخان صاحب متخلص محمود رئیس اعظم و اسپیشل مجسٹریٹ الہ آباد

پیغام محبت کوئی آیا جو کہیں سے　　　عالم کو نیا درس ملا قلب حزیں سے
آرائش عالم کو یہ چھٹکے ہوئے تارے　　　نکلے ہیں شب تار میں کیا تیری جبیں سے
تھا حسن تصور کے قرینے در دل تک　　　میں دیکھتا تھا آپکی صورت کو یہیں سے
قربان ترے انکا یہ ہوں ملنے کے اقرار　　　ہیں سجدے میں ہاں سیکڑوں صرف ایک نہیں سے
کس درجہ مزہ دیتا ہے وہ رنج کو میری　　　جو درد ملا ہے دل مضطر کو کہیں سے
ہٹ جائے بس اب سامنے سے گوشۂ داماں　　　نکلی ہے نئی آہ مرے قلب حزیں سے
حد سے جو محبت میں بڑھا درد محبت　　　فطرت کو نئی روح ملی قلب حزیں سے
وہ دامن الفت پہ بنا پارۂ سیال　　　جو قطرہ کہ ٹپکا تھا تری چین جبیں سے
ہے حسن کی محفل میں جو وہ جلوۂ رنگین　　　پھوٹا ہے نیا رنگ وفا دل کی جبیں سے
اٹھتا ہے لرزتا ہوا جو نغمۂ جانکاہ　　　نکلا ہے زمانے میں کسی قلب حزیں سے
محمود جسے کہتے ہو تم داغ محبت　　　نکلا ہے نیا پھول مرے دل کی زمیں سے

جناب فرخ بنارسی از ناناؤ

خوگر غم کیلئے عیش کا سامان کیا　　　لذت درد سلامت رہے درماں کیا
وہ بھی تھا کوئی زمانہ کہ چمن اپنا تھا　　　اب بلبل اسیر نہیں دو پھول گلستاں کیا
عیش موہوم نے مایوس کی حالت لی　　　اپنے وعدے سے ستمگر ہے پشیماں کیا
عشق میں رسم پرستی بھی ہے کفر اے زاہد　　　دین کہتے ہیں کسے ہوتا ہے ایماں کیا
اپنے دیوانے کو کیوں قید میں سمجھے ہو　　　زندگی خود ہی اسیری ہے تو زنداں کیا
شرم بیمار محبت کی اجل نے رکھ لی　　　تہمت زیست گوارا نہ تھی درماں کیا
میری وحشت نہیں اب جامہ دری کی پابند　　　پیرہن ہی نہیں رکھتا ہوں گریباں کیا
ماہیت اپنی ہی اب تک نہ سمجھ میں آئی　　　اسکے اسرار حقیقت کا تو عرفاں کیا
ایک ہی حسن کے جلوے حرم و دیر میں ہیں　　　پھر یہ ہے تفرقۂ گبر و مسلماں کیا
شان بخشش کو نہ رکھ حسن عمل کی محتاج　　　یہ تو اک شیوۂ انصاف ہے احساں کیا

شوق دیدار بھی ہے قید تعین فرخ
پردہ حائل ہے تو پھر جلوۂ جاناں کیا

اور ڈوراتیار ہو گیا - ہاں مگر اُس دن سے لڑکی کا تمام وقت آئینہ دیکھنے مین گزرنے لگا - ہاں جو وقت بچ رہتا وہ کبھی گھر دون پر کی تصاویر دیکھنے مین کبھی پیرون کے تلوون کی پھلواری کا ملاحظہ کرنے مین صرف کرتی اور لذاتِ بے خودی حاصل کرتی -

آئینہ سامنے رکھ کر اپنا جوڑا باندھتی ہی رہ جاتی - ٹھیک نہ بنتا تھا" اُسے اپنا بندھا جوڑا اچھا ہی نہ تھا -

(۵)

بہشت کے تمام کاروبار مین ایک انقلاب رونما ہو گیا سون بھر راگ رنگ ہوتا اور رات کو ایک اور اچھے راحت طراز بہشت کے تصور مین نیند ہی نہ آتی -

بہشت کے عمال متفکر رہنے لگے - وہان کے کاروبار مین پہلے کبھی ایسی مشکلات حائل نہوتی تھین نہ کام کاج کی راہین اس طرح مسدود - ایک جلسہ منعقد کیا گیا - لوگون نے متفقہ طور پر کہا - بہشت کی تواریخ مین آج تک ایسا نہ ہوا تھا - بات کیا ہے ؟

چپراسی بلوائے گئے - دونون سے پرسش کی گئی - ایک دُوت نے اپنے قصور کا اعتراف کیا - اپنے جرم کا اقبال - اور کہا - مہاراج مجھسے بڑی خطا ہوئی ہے - مین نے یہان ایک دوسرے ہی آدمی کو لا ڈالا تھا -

بے کار طلب ہوا - اُس کی ست رنگی پگڑی اور اسکا سنہرا کمر بند ہی دیکھکر لوگ سمجھ گئے کہ دُوت سے غلطی سرزد ہوگئی ہے -

اتفاق رائے سے یہ تجویز پاس ہوئی جسے پریسیڈنٹ نے ان الفاظ مین بیکار سے ظاہر کیا :- دیکھو تمہین مرتیہ لوک کو لوٹ جانا ہو گا -

بے کار نے مونچھون پر تاؤ دیا - اُسے اتنا آنند پہلے کبھی نہ ملا تھا جتنا یہ سُن کر ملا - اُس نے پگڑی پھیر سر پر لپیٹی اور کمربند کستے ہوئے کہا - یہ لو مین چلا - مین تو یہی چاہتا تھا اتنے مین لڑکی دوڑ کر ہجوم سے نکل کر سامنے آ گئی - گھڑا تو اُسکے کمر پر رکھا تھا - ہاں اُس کے پاؤن کے دونون طرف تصویرین کھینچی تھین اور اُسکے بال اُسی ریشمی ڈورے سے بندھے تھے - بہشت کی آبادی نے اُسے کبھی اس عالمِ حسن و آرائش مین پہلے نہین دیکھا تھا -

بیکار کو جاتے دیکھکر وہ بھی بول اٹھی : مین بھی چلونگی - صدرِ انجمن نے پوچھا کہان ؟

لڑکی - نجانے کہان !

سب ایک دوسرے کا منہ تاکنے لگے - سب چکرا گئے کسی کی سمجھ مین کچھ نہ آیا - بہشت کی تواریخ مین یہ پہلا اتفاق تھا جب کہ ایک ایسا واقعہ ہوا جو بہشت کے پریسیڈنٹ تک کی سمجھ مین نہین آیا -

افکارِ تائب

(از جناب عبد الرشید صاحب تائب میرٹھی)

ہو گیا گل سے جدا جب جزوِ انساں ہو گیا
داغِ فرقت بھی چراغِ بزمِ امکاں ہو گیا

رہ گئی مرجھا کے میرے گلشنِ دل کی کلی
اوج پر جب آفتابِ داغِ ہجراں ہو گیا

عرصۂ ہستی میں کیا تحریک ہوائے یاس سے
کائناتِ دل کا ہر ذرہ پریشاں ہو گیا

دردِ دل ہے باعثِ دلچسپیِ بیمارِ غم
کیوں مسیحائے زماں کو فکرِ درماں ہو گیا

واہ اعجازِ خرابی عجب کی قدر جنوں
گھر بیاباں ہو گیا گھر کا بیاباں ہو گیا

مر رہا تھا کہ ان پر ہر کوئی مرنے لگا
میں بھی گویا فتنۂ گورِ غریباں ہو گیا

توبہ توبہ آج کیوں تائب کے جاتے ہیں آپ
کیا کسی کو دیکھ کر مشکوک ایماں ہو گیا

نوشتۂ مظلوم

از

(از جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ مصنف "سیر گل")

آدھی سے زیادہ رات گزر چکی ہے۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ سب لوگ سو رہے ہین۔ سامنے کے کمرے مین مسہری پر میرا شوہر غافل پڑا سو رہا ہے وہ سامنے میری بچی سو رہی ہے۔ تین مہینے کے بعد آج اس گھر مین آئی ہون۔ پچھلی دفعہ تم سے ملے بغیر چلے جانے پر مجبور کی گئی تھی۔ خیال تھا اب کی دفعہ کچھ دن رہون گی اور کچھ نہین تو کم از کم اُس وقت تک ہونگی جب تک تمہاری چھٹیان ہین گی اور تم یہان آؤ گے اور مین تم سے ملسکون گی مگر مجھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو سکے گا میرے شوہر کے دل و دماغ مین جو بیج تمہارے خلاف بوئے گئے ہین اُن کی نشو و نما ہو رہی ہے اور وہ مجھے یہان نہ ٹھہرنے دین گے۔ کوہاٹ سے اُن کا تبادلہ لائل پور کا ہو گیا ہے اور وہ کل شب مجھے اپنے ہمراہ لائل پور لئے جا رہے ہین تم سے بغیر ملے جانا ہوگا اس خیال سے میرا دل کڑھتا ہے۔

مین نے آج جب اس گھر مین قدم رکھا ہے تو مجھے یون محسوس ہوا گویا ایک قیدی ہے جو زندان مین لایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے جاننے والے تم ہو یہ وہ جگہ ہے جو مجھے دلچسپ ہو سکتی ہے۔ مگر اس رات کی یاد آلہی کیا گیا سختیان کون کون سی آفتین اُس رات نہین پیش آئین مین نے اُس گھر مین قدم رکھا تو مجھے خوف معلوم ہوا اور میرا دل دھڑکا

تم سے میری مصیبتین کس نے کہی ہون گی۔ تم دو دن سے نہین آئے تھے۔ انجمن ارباب علم کے جلسون مین اور آخری دن اپنے کالج کے پرنسپل کے رخصتی ڈنر کے انتظام مین مشغول تھے مگر تمھین کیا علم کہ ٹھیک اُس وقت جبکہ چھری اور کانٹون کی ہلکی موسیقی کو تمہارے قہقہون کی گونج دبا رہی ہوگی میرے اوپر نیزے توڑے جا رہے تھے۔ مین جھوٹ نہین بولتی۔ دو دن تک مین نے تمہاری راہ دیکھی تھی اور اس امید مین کہ جلد ہی تمھین فرصت مل جائے گی یہ دن مین نے گزارے۔ اُس رات مین اپنی مومانی کے ہان تھی دس بجے ہون گے کہ وہ آئے اور مجھے کہلا بھیجا کہ فوراً آ کر اُن سے ملون۔ اتنی رات گئے مین نے سوچا کون سا ایسا ضروری کام ہو سکتا تھا اور یون بھی کون ایسے مجھ سے خوش ہین مین نے کہلا دیا اس وقت نہ آسکونگی جواب مین کہلایا "آنا ہوگا" ساتھ ہی گلنار سواری لے آموجود ہوئی۔ اس "آنا ہوگا" سے مین ڈر گئی۔ تم سے کیا پوشیدہ ہے۔ اس سے زیادہ سخت حملون کو برداشت کر چکی ہون۔ اس سے کہین زیادہ غیر مہذب اور غیر شریفانہ حرکتون کا نشانہ اپنے کو بنا چکی ہون۔ اُٹھی اور مومانی سے رخصت ہوئی۔ میری مان میرے ہمراہ تھین اُنھین حکم ہوا وہین چھوڑتی آؤن۔ آئی تو دیکھا غصہ مین آگ بگولہ ہو رہے ہین۔ پیر کے نیچے کی زمین

شور سے سر پر اٹھالیا ہے اور زور سخن ماں پر ہے۔ مجھے دیکھتے ہی میری طرف رجوع ہوئے جھٹ بچی کو میری گود سے چھین ماں کے پاس پٹکا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھسیٹتے مجھے لے گئے۔

کمرے میں ایک گڑ بڑ مچ رہی تھی۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ میرا سنگار بکس زمین پر تھا۔ بستر الٹا ہوا تھا۔ کرسیاں لڑھکی ہوئی تھیں۔ جوتوں کی جگہ ٹوپیاں پڑی تھیں، اگالدان الٹا ہوا فرش کو خراب کر رہا تھا۔ لیمپ کی بتی دھیمی کر کے مجھے پلنگ پر بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ کر بولے،

"سنتی ہو؟ روز روز کے ان جھگڑوں سے میں تنگ آگیا ہوں کیوں میری زندگی تلخ کر رکھی ہے؟" میں ان الفاظ کو سمجھ نہ سکی، میرا خون کھول رہا تھا مگر تحمل سے کام لے کر میں نے کہا:۔

"تمھیں تو نہ اپنی عزت کا خیال ہے نہ دوسرے کی غیرت کا۔ اب میں ایسی گئی گزری بھی نہیں ہوں، آخر اپنی ماں اور ان لونڈیوں کے سامنے مجھے کیوں خوار اور ذلیل کر رکھا ہے؟"

اتنا سننا تھا کہ برس پڑے "گئی گزری کی بچی! مجھے نہ عزت کا خیال ہے نہ غیرت کا۔ تمھیں ذلیل کر رکھا ہے۔ تم نے جو ابتریاں پھیلائی ہیں انھیں نہیں دیکھتیں، میں نے تمھیں یہاں اسی لئے چھوڑا تھا سچ سچ کہنا ورنہ سامنے دیکھتی ہو اس سے حملہ کروں گا"

میز پر رکھا ہوا ریوالور رکھا تھا، اس کی مجھے دھمکی دے کر مجھ سے کیا پوچھا جا رہا تھا میں بالکل نہ سمجھی۔ سہمی سہمی میں ان کے قدموں پر گرنے لگی اور ان کے ہاتھ میں نے جوڑے "خدا کے لئے مجھے تنگ نہ کرو"۔

"تمھیں بتانا ہوگا، مظہر سے تمھارے کیسے تعلقات ہیں؟"

اُف! میرا خون جم گیا، تمھارا نام اس طرح ان کی زبان پہ کیسے آیا، مجھے یاد تھا ایک دن غیر اور ناجائز عورتوں کے ساتھ ان کے وابستگی سے تنگ آکر میں نے انھیں برا بھلا کہا تھا اس کے جواب میں مجھے دھمکی دی گئی تھی کہ مجھے بھی بدنام کریں گے، مگر خدایا! مظہر کے ساتھ میرے تعلقات مشتبہ تھے؟ ایک دم میری خودداری کو ٹھیس لگی اور میں اپنی جگہ پر مبہوت بیٹھ گئی، میرے سر میں چکر تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا! اندر ہی اندر میرا دم گھٹ جائے گا، الٰہی! ایک ایسا شخص جو خود اپنے افعال کے لحاظ سے پستی کے انتہائی گہرے غار میں پڑا ہو ایک پاک رشتہ میں خلل انداز ہو کر دوسروں پر اتہام لگا سکتا ہے، میرے ساتھ اس نے کیا کیا حق تلفیاں نہیں کی تھیں، میرے سامنے اس نے دوسری عورتوں سے محبت کی تھی اور فخریہ مجھ سے اُن کی تعریفیں کیں اور مجھے رقابت کی آگ میں جلایا، میرے سامنے اس نے شراب پی اور مجھے مجبور کرنا چاہا کہ میں اس میں شریک ہوں، میرا جہیز بٹ گیا، میرا زیور مہاجن کے گھر پڑا ہے، میرے برتن صندوقوں سے نکل کر بازاروں اور خدا جانے کن لوگوں کے کھانے کے کمروں کی زینت ہیں، میرے کپڑوں کو کیڑوں نے کھا لیا، کیا یہ شخص جو مجھ سے اتنی سختی روا رکھ چکا ہے بالکل مجھے مٹا دینا چاہتا ہے۔

مظہر! مجھے تم سے محبت ہے؟ ایک بیاہی عورت سے نہ کہلواؤ کہ اُسے تم سے محبت ہے، مگر ہاں مجھے وہ وقت یاد ہے جب میں اپنی دالان میں بیٹھ کر تم سے کلام مجید کا سبق لیتی تھی، سب مجھے مار کر پڑھاتے تھے مگر تم ہمیشہ مجھے دلاسا دیتے تھے اور تمھارا پڑھایا ہوا سبق مجھے بہت جلد یاد ہوتا تھا۔ پھر مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب میرا اکلوتا بھائی حسن مرا ہے، میں اپنی کوٹھری میں پڑی رو رہی تھی کہ اس وقت تم میرے پاس آئے اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر تم نے مجھے تسلی دی، میرے باپ کو مرے ہوئے تو ایک عرصہ ہو چکا تھا، وہ مجھے یاد بھی نہ تھے، میں نے اپنی تمام توقعات حسن سے قائم کی تھیں مگر اس نے بھی میرے ساتھ بے وفائی کی تھی، تم نے اپنے

کو میرا بھائی بتایا اور اُس وقت سے تم میرے رفیق، غمگسار، اور انیس بنے
تم میرے بھائی تھے اور امی جان تم سے اس قدر خوش تھیں کہ اُنھون نے
میری زندگی، میری تعلیم اور میرے تمام خیالات کے نشو و نما تمھارے اوپر
منحصر کر دی تھی۔ کیا اُس وقت، اُس زمانہ مین جب کہ ہم ایک دوسرے
کو اس قدر چاہتے تھے، جب کہ میرے خیالات کی دنیا مین تمھارے سوا
کسی اور کا گذر نہین ہوا تھا، جب کہ اس شخص نے میری ماں کو اور مجھے
اپنی مصنوعی دولت، عزت اور اخلاق سے گرویدہ نہین کر لیا تھا کیا
اُس وقت مین چاہتی تو تم سے شادی نہین کر سکتی تھی؟ مین چاہتی
تو اپنی ماں سے تمھاری ہو رہنے کی خواہش تسلیم نہ کرا لیتی؟ مگر حاشا!
تم میرے بھائی تھے، تم میرے، مجھ یتیم کے سچے غم گسار تھے، میری خوشی
سے تمھین خوشی ہوتی تھی، میرے رنج سے تم رنجیدہ ہوتے تھے، ایک دن
مین بیمار پڑی تھی، سردی لگ کے مجھے بخار آیا تھا اور مین نے اپنی چارپائی
دھوپ مین ڈلوائی تھی، وہ دن تمھین یاد ہے، میرے سوکھے ہوے ہونٹ
اور نیم مردہ چہرے کو دیکھکر تم رو دئے تھے، اپنے ہاتھون سے تم تمام
دن میرا سر دابتے رہے تھے اور میرے سرھانے بیٹھ کر مجھے اطمینان دلاتے
رہے تھے۔ مگر نہین۔ مجھے اس سے بھی زیادہ یادگار ایک واقعہ یاد ہے
نئی نئی جب بیاہ کے اُس گھر مین آئی ہون وہ تمھین اپنے ہمراہ میرے
کمرے مین لائے اور مجھ سے ملایا تمھین یاد ہے، اُس وقت تم نے میرا گھونگٹ
اُٹھا کر اُن کے سامنے میرے سر کی مانگ پر جس پر افشان چھڑکی ہوئی تھی
بوسہ دیا تھا۔ کیا وہ اس سے پہلے اس راز سے واقف نہین تھے کہ مین
تمھاری بہن ہون، کیا وہ نہین جانتے تھے کہ مین تمھین ایک ایسی دل آویز
محبت سے چاہتی ہون جو صرف بھائی بہنون مین ہوتی ہے۔ خیر اُسے
تو بہر حال اپنا کام کرنا تھا، اپنا سوال جاری رکھتے ہوئے مجھ سے کہتا رہا

"آخر یہ مظہر سے تمھارے تعلقات کیسے ہین؟ وہ کیون اسقدر
یہان آیا کرتا ہے؟"

مجھے یاد نہین مین نے ان سوالون کے کیا جواب دئے۔ اور کس
طرح اپنے تحمل کو مین برقرار رکھ سکی میری کنجی مجھ سے لیکر اُس نے میرے
بکس کھولے اور اُن مین کی ہر چیز کو مشتبہ نظرون سے دیکھ دیکھ کر پوچھتا
رہا یہ کس نے لا دی ہین؟ میری ماں کیا کم مجھے دیا کرتی ہین اور خیر سے خود
اُنھین تو کبھی توفیق نہین ہوئی تھی کہ مجھے کچھ لا کر دیتے مین نے کہا میری
ماں کی خریدی ہوئی اور میری خریدی ہوئی چیزین ہین، اُسے یقین
نہ آتا تھا برابر کہتا رہا "اخاہ! اتنا سامان خود میری ماں کے پاس نہین"!
پھر میری کتابون کے بکس کو کھولا، وہان کیا تھا، وہ کتابین تھین جو
مجھے جہیز مین ملی تھین یا وہ جو مدرسہ مین مجھے انعام مین ملی تھین مین نے
خود جو کتابین خریدی تھین وہ میرے میکے مین تھین، مگر کچھ دیر بعد
فاتحانہ تبسم کے ساتھ دو جلدین میرے آگے لا کر پھینکین اور اس کے
ساتھ یہ سوال "یہ کہان سے آئین؟"

یہ دو جلدین تمھاری دی ہوئی تھین، ایک تو پریم چند کی کہانیون
کی کتاب تھی جس پر مجھے تم سے اسقدر جھگڑا ہوا تھا اور بہ مشکل مین نے
قبول کی تھین، دوسری خود تمھاری نظمون کا مجموعہ، ان کتابون
مین کیا تھا اور مین کیون ڈرتی، مین نے کہا یہ کتابین مجھے تم سے ملی
تھین اسی مجموعہ مین تمھاری نظم "نیلوفر کا پھول" بھی تھی، آہ! اس نظم
کو مین کبھی نہ بھولون گی، ایک تو پہلے ہی سے یہ اس قدر دلپذیر اور
اثر آفرین نظم ہے اور پھر اب تو یہ میری زندگی کی تاریخ مین ایک نئے
باب کے کھولنے کا باعث ہوئی ہے۔ اس نظم کے بعض بندون کو
پڑھ کر، خصوصاً جہان تم نے اُس کی شرمساری اور اُس کے حلم کی داد

دی ہے بہت ہی برہم ہوئے۔ میں چپ بیٹھی تھی، مجھ پر سیکڑوں ملامتیں پڑ رہی تھیں اور میں شرم سے کٹی جا رہی تھی، اس قدر وفاداری اور راستبازی کے باوجود میرے اوپر ایسے سنگین الزامات، وہ بھی تم جیسے نیک نفس کے ساتھ اور اس کمینہ پن نے میرے تمام سامان کی دیکھ بھال یہ باتیں مجھے مار ڈالنے کو کافی تھیں، مجھے بخار چڑھ آیا اور میں زمین پر اُن کی طرف سے مُنھ پھیر کر پڑ گئی۔

مجھے ہوش نہیں، باقی رات کیا ہوتا رہا۔ ایک غفلت مجھ پر طاری رہی اور کانوں میں اور دماغ میں شور، جھڑکی، غصہ، گالی، رونا، اودھم سب کی آوازیں مل جل کر ایک پریشان خواب کی طرح محسوس ہوتی رہیں، میری نظریں سامنے کی دیوار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھومتی پھرتی تمہاری تصویر پر رکیں، وہ سامنے لٹکی گویا اِن بے معنی اور بیہودہ واقعات پر نفرین کر رہی تھی۔ اُس تصویر کے ساتھ مجھے ایک پاکبازی اور سچی رفاقت اور حمیت اور آبرو کی روشنی دکھائی دی جو اُس پر سایہ ڈالے ہوئے تھی، وہ تمہارا بے لوث اور بے داغ چہرہ اِس کمرے کی آلودگی اور گندگی سے بھری ہوئی فضا میں چمکدار روشنی کے ساتھ اُبھر رہا تھا اور میری طرف بڑھتا آتا تھا پھر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ تصویر اپنی جگہ سے ہٹ کر میری نظروں کے ساتھ ساتھ دیوار کی سطح پر گشت کر رہی تھی، میں سوچ رہی تھی کاش تمہیں میرے اس حال کی خبر ہو جاتی اور ٹھیک اُس وقت جب کہ یہ ہنگامہ برپا تھا اُس کے سامنے تم مجھ سے آکر ملتے اور اُسے یقین آجاتا کہ میرا ضمیر تمہاری طرف سے کس قدر پاک ہے، مگر ایسا نہ ہوا میں اس پریشان اور خوفناک منظر کو اپنی نظروں، اپنے خیالوں میں لئے لئے غیر محسوس طریقے پر آپ ہی آپ کچھ بڑبڑاتی رہی یہاں تک کہ میں غافل ہو گئی۔

ایک گرجدار آواز نے مجھے بیدار کیا، سامنے ایک دبلا پتلا لانبے قد کا آدمی تھا، میں چونک پڑی اور یقین نہ کر سکی کہ اس کمرے میں کچھ دیر پہلے ایسی خوفناک ٹریجڈی پیش آچکی ہے۔ وہ مجھے ٹھوکر مار کر اُٹھا رہے تھے اور اُن کے چہرے پر خوف تھا، تارے ابھی ڈوبے بھی نہ تھے اور صحن کے نیم کے درخت پر لٹکے ہوئے لیمپ کی روشنی میں کوئی کمی نہ آئی تھی کہ وہ مجھے ہاتھ پکڑ کے باہر لائے اور دروازے کی طرف چلنے کو اشارہ کیا، میری بچی دالان میں تخت پر نیم برہنہ اُلٹی پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ مجھے کہاں لیجا رہے تھے، میں اُن کی تھی اور اُن کے ساتھ ہر وقت جہاں لیجاتے جانے کو تیار تھی مگر اس طرح اس مبہم اور غیر متیقن طریقے پر، یوں معاملات کو بیچ ہی میں چھوڑ کر میں اُن کے ساتھ کس طرح جاتی میں نے ساس کو جگانا چاہا مگر اُنھوں نے ہنٹر سے مجھے دھمکایا، میں اوپر جاکر اپنے خسر کو سلام کرنا چاہتی تھی میں اپنی ماں سے اپنا دردِ دل سنانا چاہتی تھی، میں اپنی بچی کو کلیجے سے لگا کر اپنے دل کو ٹھنڈا اپنی کوکھ کو گرم کرنا چاہتی تھی مگر اب میں اُن کی گرفت میں تھی اور وہ مجھے گھسیٹ کر دروازے پر لائے اور ایک بند گاڑی میں سوار کر کے اسٹیشن کی طرف چل دئے۔۔

میں نے سوچا کاش اس وقت یہ کسی جنگل میں مجھے لیجا کر ٹھنڈا کر دیں اور مجھے ابدی نیند سلا دیں کہ اس میں بھی میرے لئے سعادت تھی مگر یہ ایک موہوم اُمید تھی۔ وہ مجھے اسٹیشن پر لے گئے اور چار بجے رات کو جو اکسپریس کوہاٹ کو جاتا ہے اُس سے مجھے لیکر کوہاٹ پہونچے کاش اس گاڑی سے اُس وقت وہ مجھے ڈھکیل دیتے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میں اس الزام بیجا کی کوفت سے آزاد ہو جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔

گھر پر تین دن مجھے مقفل رکھا گیا، کھانے کے بجائے دونوں وقت کمرے کا دروازہ کھول کر مجھ سے جرح کی جاتی تھی اور گالیاں سنائی جاتی تھیں، کوئی نوکر میرے پاس نہیں آتا تھا، کوئی خادمہ مجھ سے بول نہیں سکتی تھی، تیسرے دن گھر سے آدمی بھیجا گیا مگر اُسے انھوں نے ڈانٹ بتا کر فوراً اُلٹے پاؤں واپس کر دیا........ ....

اُس وقت سے آج تک کہ اب سختیوں کا وہ حال نہیں ہے، میری روح میں گرانی ہے، اور اس گھر میں اتنے دن بعد جو آئی ہوں تو گھر کاٹے کھاتا ہے، یہاں کے لوگ، اس گھر کی دیواریں، یہاں کا ذرہ ذرہ مجھے شبہہ کی نظر سے دیکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے، جو قدم میں زمین پر اٹھاتی ہوں بوجھ سے دبا جاتا ہے، بس غم و افسوس میں صرف ایک خیال تسلی دیتا تھا کہ شاید تم سے مل کر اور تم سے واقعات کی تمام روداد سنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں مگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا، تمہارے آنے میں ابھی بہت دن ہیں اور مجھے کل یہاں سے پلا جانا ہے، یہ بھی ایک سودائے خام تھا، تم آتے اور میں یہاں ہوتی بھی تو خبر نہیں تم سے مجھے ملنے دیا جاتا یا نہیں۔

میں تمھیں یہ خط لکھ رہی ہوں اور تم سے کہتی ہوں کہ واقعات کی اس تفصیل سے آگاہ ہو کر دوراندیشی کے سررشتہ کو ہاتھ سے نہ جانے دینا کہ یہ تمھارے ہی لئے نہیں میرے لئے بھی بہتری کا باعث ہوگا۔ مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا بیکار ہے، اگر تقدیر میں ہے تو کبھی تمھارے دیدار سے آنکھیں سکھ سکون گی، بہرحال اُس تعلق کی بنا پر جو تمھیں میرے ساتھ ہے میں اپنا فرض سمجھتی تھی خواہ اس میں میرے لئے کتنی ہی برائی کیوں نہ ہو کہ تمھیں اپنے حال سے آگاہ کروں اور تم سے التجا کروں کہ میرا خیال برطرف اپنی بہتری کے خیال سے اس خوفناک آدمی سے تم بچتے رہنا۔

میرے لئے کوئی اُمید نہیں...... میری بچی میرے دکھے ہوئے دل کا سہارا ہے، تم اُسے جس قدر چاہتے ہو اس سے میں بے علم نہیں ہوں اُس کی طرف سے سلام قبول کرو، باقی تمہاری خوشنودی عیش، آسایش کی تمنا رکھنے والی ہمیشہ ہمیشہ تمہاری۔ کم نصیب۔

رشحات ناظم

از امیر الانشا دبیر الملک جناب مولوی سید علی اصغر صاحب ناظم۔ ٹونک

یہ غرض ہی نہیں کعبہ بنے بتخانہ بنے
آدمی کوئی ہو مطلب یہ ہے دیوانہ بنے

عشق کا ذوق یہ ہے ہوش سے بیگانہ بنے
کیف الفت کا یہ ہے پی کے مستانہ بنے

نظم عالم بھی ہے اک راز مگر مجھ سے نہ پوچھ
کوئی مدہوش بنائے کوئی مستانہ بنے

بزم میخانہ کی مجلس میں کھلا آج یہ راز
اُنکے جلوے کا یہ پردہ ہے کہ میخانہ بنے

شوق وارفتہ کا یہی ہے اک انداز جنوں
بتکدہ بگڑے کہیں یا کہیں بتخانہ بنے

بن کے پروانہ رہے یا رہے شیشے کے گرد
آپ جیسیں رہیں یہ دل وہی کاشانہ بنے

اُنکی الفت کا برا ہو کہ ہوئے ہم رسوا
انھیں کیا۔ وہ تو یونہی ہیں سنت افسانہ بنے

نہیں تسنیم میں جو ہمیں اچھوتی مے ہے
چشم مخمور سے ہے دور کہ میخانہ بنے

کہتے ہیں وہ کہ سب افسانے میں باطل ہیں بتان
جھوٹ ہے جھوٹ کہیں کا کوئی دیوانہ بنے

کیا قیامت ہے وہی دل جو خدا کا گھر تھا
بت کافر کی محبت میں صنم خانہ بنے

کہہ رہا ہے کوئی الفت تمھیں ہوگی لیکن
ہم نے دیکھا نہیں تم کو کبھی دیوانہ بنے

اس پہ پوچھتے ہو محبت وہ بلا ہے توبہ
کہتے ہیں سب مجھے۔ فرزانہ بھی دیوانہ بنے

مجھ سے کیوں پوچھ رہا ہے بت نادان ناظم
کیا یہ سودا ہے تمہیں کس لئے دیوانہ بنے

مین اکیلا ہون

(از جناب بابو سری کرشن صاحب برق کانپوری)

بھائی یہ سچ ہے۔ بالکل درست ہے کہ تم میری بات نہین سمجھ سکتے۔ کسی طرح بھی نہین سمجھ سکتے۔ تم کہتے ہو کہ مین دیوانہ ہو گیا ہون۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن جو وجہ تم تبلاتے ہو وہ ٹھیک نہین۔

یہ ٹھیک ہے کہ مین دوسری شادی کرنے والا ہون لیکن مین پھر کیون اس دام مین پھنسنے جا رہا ہون کیون ہتھکڑی بیڑی پہننے کی ہوس کر رہا ہون۔ یہ سمجھنا تو مشکل ہے۔

مین سچ کہتا ہون۔ اور تم یقین کرو کہ میرے خیالون اور ارادون مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی ہے اور اُن پر اب تک مین ثابت قدم ہون۔ کہ مین دوسری شادی کو برا سمجھتا ہون سچ تو یہ ہے کہ مین شادی ہی کو اچھا نہین سمجھتا۔ مین اُسے پوری قید سمجھتا ہون اور پھر جب ایک مرتبہ بیڑی کٹ گئی تب پھر بیڑی تیار کرنا کون پسند کریگا؟ کم از کم مین تو بالکل پسند نہین کرتا۔ تو بھی مین شادی کرنے جا رہا ہون لیکن تم یہ پوچھ سکتے ہو کہ پھر مین کیون ایسی بلا مین پھنسنے جا رہا ہون؟

شاید تم نے یہ سنا ہوگا کہ جس لڑکی کے ساتھ میں شادی کرنے والا ہون جو کل میری زوجہ ہوگی ابھی تک اُسکے بارے مین کچھ بھی نہین جانتا مین نے اُسے دو ایک مرتبہ دیکھا بیشک ہے اور اتنا کہہ سکتا ہون کہ وہ مجھے بری نہین معلوم ہوتی بس اس سے زیادہ مین اسکے بارے مین جاننا بھی نہین چاہتا۔ لوگ کہتے ہین کہ جس لڑکی سے شادی کرنا ہو اُسے پہلے اچھی طرح دیکھ بھال لینا نہایت ضروری ہے اسکے عادات و خصائل سے قطعی بے بہرہ رہنا مناسب نہین۔ ممکن ہے کہ جس انداز پر تم آج ہزار جان سے نثار ہو رہے ہو وہی کل تم کو بری معلوم ہونے لگے آج تم لڑکی مین جو مقناطیسی قوت دیکھتے ہو ممکن ہے کل وہ نفرت مین مبدل ہو جائے۔ جبتک طبیعت نہین ملتی جبتک دل نہین ملتا اُسوقت تک زندگی کبھی آرام کی زندگی نہین ہو سکتی۔ اسلئے شادی کے قبل دونون کی شناسائی ہو جانا چاہئے۔ لیکن میرا ایسا خیال نہین مین نے ایسے آدمی دیکھے ہین کہ دنیا مین جاہے جس لڑکی کے ساتھ اُنکی شادی کر دیجئے لیکن اُنکی زندگی مین ایک ایسا وقت آتا ہے جب اپنی بیوی انکو دنیا کی دوسری سب عورتون سے بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ خیر یہان یہ سوال نہین ہے تم تو یہ جاننا چاہتے ہو کہ مین جان بوجھ کر کیون آگ مین کودنے جا رہا ہون؟

لیکن سچ پوچھو تو مین تمکو اپنے دل کی بات تبلانا نہین چاہتا تھا کیونکہ جس وجہ سے مین ایسی بیوقوفی کرنے کیلئے مجبور ہوا ہون وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے لیکن دنیا مین تمھین ایک میرے دلی دوست ہو مین تم سے کوئی بات چھپا بھی نہین سکتا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ مجھے تنہا رہنے مین خوف معلوم ہوتا ہے۔ مین کسطرح تمہین یہ بات سمجھاؤن یہ میری سمجھ مین نہین آتی۔ واقعی میری جسمانی حالت اتنی خراب ہے کہ اگر تم اُسے دیکھو تو ضرور تم رحم کے دو چار آنسو ٹپکا دو لیکن ممکن ہے تمہارے ذہن مین میرے لئے نفرت پیدا ہو جائے۔

مین اب شب مین تنہا نہین رہنا چاہتا۔ مین چاہتا ہون کہ کوئی نہ کوئی ضرور میرے پاس ہو۔ جیسے مین چاہو سکون جو مجھسے بات چیت کر سکے۔ بات چاہے جیسی ہو مجھے اسکی قطعی پروا نہین۔

کبھی کبھی مین یکایک رات مین جاگ اٹھتا ہون تب میری خواہش ہوتی ہے

کہ اگر کوئی میرے پاس ہوتا تو مین اُس سے کچھ پوچھتا۔ سوال کوئی اہم ہو یہ بات نہین۔ مین گپ شپ کی باتین ہی کرنا چاہتا ہون۔ مین صرف چاہتا ہون کہ مجھے ایک زندہ انسان کی بات سنائی پڑے۔ مجھے یہ یقین رہے کہ انسان خالی جائے مین میرے پاس سو رہا ہے۔ اگر رات مین عجلت مین مجھے لالٹین جلانا پڑے تو مجھے کسی کا انسانی چہرہ دکھائی پڑے۔ یہ سب کہین مجھے کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مجھے تنہا رہنے مین خوف معلوم ہوتا ہے! لیکن بھائی تم ابھی تک میرے مطلب کو نہین سمجھے۔

مجھے کوئی باہری آفت کا خوف نہین۔ فرض کرو اگر کوئی میرے کمرے مین گھس آئے تو ہمت کر کے مین اُسے مار سکتا ہون۔ مین بھوت اور جن سے بھی نہین ڈرتا اور نہ مجھے اپنی مرحومہ بیوی کا خوف ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ پاک روح اعمال کے مطابق قفس عنصری چھوڑتے ہی فوراً دوسرا جسم اختیار کر لیتی ہے۔ تو پھر کس سے ڈرتا ہون؟ تم سمجھو یا نہ سمجھو مجھے اپنے آپ سے ڈر معلوم ہوتا ہے حقیقت مین وہ کس طرح کا خوف ہے؟ یہ مین خود نہین سمجھ سکتا۔ لیکن اس سے میرے سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین۔ اسمین شک نہین۔ تمہین میری بیوقوفی پر ہنسی آتی ہوگی۔ تم ہنسو خوب ہنسو مین تمہین روک نہین سکتا لیکن میرا خوف اتنا خوفناک ہے کہ مین اُسپر کسی طرح بھی غالب نہین آسکتا مجھے دیوارن سے ڈر لگتا ہے۔ کرسی سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میز سے دہشت معلوم ہوتی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تمام چیزین زندہ ہین اور میرے اوپر ہنس رہی ہین لیکن سب سے زیادہ خوف تو مجھے اپنے خیالون سے لگتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا مین دیوانہ ہوا جاتا ہون۔ کوئی غیبی طاقت مجھے اپنے غم کو فراموش نہین کرنے دیتی۔ مین جتنا ہی زیادہ اُسے بھولنے کی کوشش کرتا ہون اُتنا ہی زیادہ وہ اور تازہ ہوتا جاتا ہے۔ سب سے پہلے میرے دلمین ایک عجیب بے چینی معلوم ہوتی ہے جس سے میرا سارا بدن پسینے پسینے ہو جاتا ہے۔ مین اسوقت اپنے آس پاس دیکھتا ہون لیکن کہین کچھ نہین دکھائی دیتا۔ اُسوقت میری یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ کاش کوئی میرے پاس ہوتا چلنے مین بھی سکتا مین ڈر جاتا ہون کیونکہ مین اپنے ڈر کو نہین سمجھ سکتا۔

اگر مین بولتا ہون تو مجھکو اپنی آواز سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ اگر مین چلتا ہون تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوئی الماری کے پیچھے۔ چارپائی کے نیچے یا صندوق کی آڑ مین بیٹھا ہے۔ اگرچہ مین جانتا ہون کہ کہین کوئی نہین ہو سکتا پھر بھی میرا خیال نہین ہٹتا۔ ٹہلتے ٹہلتے مین یکایک پیچھے لوٹ پڑتا ہون کہ کہین کوئی پیچھے تو نہین چل رہا ہے لیکن وہان کوئی ہو تب تو دکھائی دے —

مین گھبرا اُٹھتا ہون۔ میری گھبراہٹ اور بھی ترقی کر جاتی ہے۔ جلدی جلدی مین کمرے کا قفل لگا دیتا ہون۔ چارپائی پر جا لیٹتا ہون اور کپڑون سے اپنا منہ چھپا لیتا ہون۔ اتنا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے ایک گٹھری سی بن جاتا ہون آنکھ بند کر لیتا ہون لیکن پھر بھی خوف نہین پیچھا چھوڑتا۔ اگر جلدی مین کبھی لالٹین میز پر جلتی ہوئی رہ جاتی ہے تو پھر مجھے بجھانے کی جرأت نہین ہوتی۔ اتنا خوفزدہ ہو جاتا ہون کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔

پہلے کبھی مجھے ایسا خوف نہین معلوم ہوتا تھا۔ ایک مدت تک مین اکیلا رہا ہون آرام کے ساتھ گھر آتا تھا اور جاتا تھا۔ لیکن مجھے کسی طرح کا کوئی شک نہین ہوتا تھا۔ اُسوقت اگر کسی نے مجھے کہا ہوتا کہ مجھے ایسا مرض ہو گیا ہے۔ تم چاہے اُسے خوف کا بھوت کہو لیکن مین تو اُسے مرض ہی کہونگا۔ تو مین بلا شبہہ کھلکھلا کر ہنس پڑتا

مجھے پہلے کبھی اندھیرے مین دروازہ کھولنے مین خوف نہین معلوم ہوتا تھا مین قفل لگانے کے بعد میز پر سوجاتا تھا خوف کی حالت مین کبھی نہ چونکتا تھا اور نہ آدھی رات کے وقت مجھے یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ سب ٹھیک ہے یا نہین۔

گزشتہ سال سے میری یہ حالت ہے۔ بھادون کی رات تھی۔ میری بیوی کو مرے ہوئے ایک سال گزر گیا تھا۔ مین کھانا کھا چکا تھا۔ اُسوقت صرف نو بجے ہونگے۔ میرا نوکر بھی اپنے گھر چلا گیا تھا۔ مین اپنے کام کی بات سوچ رہا تھا کہ بلا وجہ مجھے تھکن کیون معلوم ہوتی ہے۔ مین کمرے مین ادہر اُدھر ٹہلنے لگا لیکن نہ تو پھر کام کرنے مین طبیعت لگتی اور نہ کچھ لکھنے پڑھنے کی خواہش ہوتی۔ باہر کچھ بارش ہو رہی تھی لیکن میری اُداسی کم ہونے کے بجاے اور زیادہ ہو گئی۔ وہ اُداسی کیون بڑھتی جاتی تھی یہ مجھے کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔ میری خواہش ہوئی کہ ایک بار بیٹھکر خوب رو لون یا باہر جا کر کسی سے گپ شپ کرون جس سے مضطرب قلب کو کچھ کہ سکون حاصل ہو۔

مجھے پہلے پہل ایسا معلوم ہوا کہ مین اکیلا ہون، میرا کمرہ مجھے پہلے سے اب زیادہ سنسان معلوم ہونے لگا۔ خیال تنہائی نے میرے دماغ کو پریشان کر دیا اور مین کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن پھر میرے پیرون مین کچھ سنسناہٹ معلوم ہوئی۔ مین پھر ٹہلنے لگا جب مین اپنے پیٹھ پر ہاتھ رکھے ٹہل رہا تھا جیسا کہ اکثر لوگ کسی گہرے خیال مین غرق ٹہلا کرتے ہین۔ اُسوقت مجھے ایسا معلوم ہوا گویا بخار چڑھ آیا ہو۔ ایک لمحہ مین میری پیٹھ پر یکایک نیچے سے اوپر تک پسینہ دوڑ گیا اور بدن کانپنے لگا۔ مین نے دروازے بند کر دئے اور بے وقت انگیٹھی جلا کر تاپنے لگا لیکن پھر بھی قلب مضطرب کو سکون نہ ہوا مین نے سوچا "ہو نہ ہو۔ زرا باہر کیون نہ ٹہل آؤن اگر کوئی ساتھی مل جائے گا تو اس سے بھی کچھ گپ شپ کر لونگا۔

بس پھر کیا تھا کوٹ پہنکر گھر سے باہر نکل پڑا لیکن افسوس اُس دن کسی سے ملاقات نہ ہوئی۔ بے کس ہو کر مین اکیلا ہی تھیٹر کی طرف چل دیا لیکن پانی اور گھنگھور گھٹا کی وجہ سے اُسدن کمپنی نے تماشہ ملتوی کر دیا تھا۔

تب تو مین یون ہی سڑک پر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا جب آدھی رات ہو گئی تب مین نے اپنے گھر کی جانب رُخ کیا۔ اُسوقت مین بالکل تھک گیا تھا اور قلب کو بھی کچھ یہ سکون حاصل ہوا تھا۔ پھاٹک پر پہونچتے ہی دربان نے فوراً دروازے کھول دئے۔ مین نے سوچا ضرور کوئی دوسرا کرایہ دار ابھی آیا ہوگا اسی لئے دربان اتنی رات تک جاگتا تھا۔

لیکن جب مین اپنے دو منزلے کے کمرے پر پہونچا تو دیکھا کہ میرے دروازے یون ہی بھڑے ہوئے ہین۔ باہر جاتے وقت مین ہمیشہ اپنے کمرے مین قفل ڈال جاتا تھا۔ تالا کھلا ہوا دیکھکر پھر دل ہی دل مین مجھے تعجب ہوا۔ دل دھڑک رہا تھا جبکہ کمرے مین داخل ہوا۔ آگ اب بھی دھیمی دھیمی جل رہی تھی۔ سب چیزین بدستور تھین مین نے سوچا "چلون لالٹین لیکر اندر سے تالا لگا لون اور سو جاؤن" لیکن جیون ہی مین میز کے پاس تالا اُٹھانے گیا اسی وقت مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی عورت میری طرف پشت کئے ہوئے آرام کرسی پر لیٹی ہے۔ اُسوقت میرے دل کے سارے شکوک رفع ہو گئے۔ مین نے خیال کیا "ہو نہ ہو۔ میری بازجن آئی ہے کچھ دنون

ے اُسکا لڑکا بہت بیمار تہا یا تو روپیہ مانگنے آئی ہوگی یا شاید
ڈاکٹر بلانے کو کہہ گئی اور اسی لئے شاید دربان نے دروازے
جلدی سے کہولدئے ہین اور اسی لئے میرا کمرہ بہی کہلا ہوا ہے
کیونکہ وقت ضرورت کام آنے کیلئے مین نے اُسکو ایک چابی
دے رکہی تہی۔

ابہی تک مجہکو اُسکا سر ہی دکہائی دیتا تہا۔ اُسکا داہنا ہاتہ
بیشک کرسی کے باہر لٹک رہا تہا اور ٹانگین ایک دوسرے پر رکہی
ہوئی تہین۔ مین نے سوچا کہ ضرور یہ میرا انتظار کرتے کرتے سو گئی ہو
اسلئے مین اُسے جگانے کیلئے آگے بڑھا لیکن جیون ہی مین کرسی
کے پاس پہونچا اور اُسے جگانے کے لئے ہاتہ بڑھایا ویسے ہی مجہے
معلوم ہوا کہ کرسی بالکل خالی ہے۔ اُسپر کوئی نہ تہا۔

مین خوف کے مارے اُچہل پڑا ایک لمحے کیلئے مین بیہوش
سا ہوگیا۔ جب مجہے ہوش آیا تب مجہے آرام کرسی کی طرف
دیکہنے کی خواہش ہوئی لیکن ہمت نہ پڑی۔ خوف کی وجہ سے
میری سانس پہول گئی تہی۔ سارے بدن سے پسینہ چہوٹ رہا تہا
مین پہر گر پڑا۔

مین اس حالت مین کتنی دیر رہا یہ مجہے کچہ بہی معلوم نہین
لیکن جب مین اُٹہا تب میرے ہوش بالکل ٹہکانے آگئے تہے
مین نے خیال کیا کہ کچہ دہوکا ہوگیا ہے۔ مین دل ہی دلمین
اس واقعے پر غور کرنے لگا۔ اسوقت میرا دماغ بڑی تیزی سے کام
کر رہا تہا۔

مین اب بہی دہوکے کی جگہ مین تہا اسمین شک نہین
لیکن آخر مجہکو یہ یقین ہو گیا کہ میری آنکہون کو دہوکا ہوگیا ہے اور
شاید اسی دہوکے مین پڑکر لوگ بہوت اور جن کا یقین کرنے لگتے ہین
مین مختلف قسم کے خیالون سے اپنے دل کو سمجہانے لگا۔

پہر مین نے لالٹین بجہادی لیکن جیون ہی مین آگ بجہانے کیلئے
آگے بڑھا ویسے ہی مین نے دیکہا کہ میرا بدن کانپ رہا ہے کیا یک
مجہے ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے پیچہے سے میری پیٹہ پر ہاتہ رکہا ہو مین
ایکدم چونک کر اُچہل پڑا۔

میرے دلکو پہر سکون حاصل ہوا کچہ دیر کے بعد مین نے ادہر
اُدہر ٹہلنا اور کچہ گنگنانا شروع کیا جس سے میرے دل کو اور زیادہ
سکون حاصل ہوا۔

تب مین نے اپنے کمرے مین دُہرا تالا ڈال دیا جس سے
مجہے یہ یقین ہو لیا کہ کم از کم باہر سے کوئی اندر نہین آسکتا۔ پہر پلنگ
پر بیٹہکر بہت دیر تک اس واقعے پر غور کرتا رہا اور آخر مین لالٹین
بجہا کر بستر پر لیٹ رہا۔ کچہ دیر تک کمرے مین سکوت کا عالم رہا۔
مین چپ چاپ سیدہا لیٹا ہوا تہا کہ تہوڑی دیر کے بعد نہ جانے کیون
پہر میرے دلمین یہ خواہش ہونے لگی کہ ایک مرتبہ اُٹہکر قفل کی جانچ
کرلون۔ مین اس خواہش کو دبانا چاہتا تہا لیکن وہ اور زیادہ ترقی پاتی
جاتی تہی۔ مین نے جہٹ سے کروٹ بدل لی۔

انگیٹہی کی آگ قریب قریب سب بجہ چکی تہی لیکن ابہی بجہتے
ہوئے انگارون سے فرش پر تہوڑی سی روشنی پڑ رہی تہی
جس سے مجہے معلوم ہوا گویا پہر وہی عورت کرسی پر آبیٹہی ہو۔
مین نے فوراً دیا سلائی جلائی وہان کہین کوئی نہ تہا۔

مجہے محض دہوکا ہوگیا تہا۔ مین ہمت کرکے اُٹہ بیٹہا اور مین نے
اُس کرسی کو پردے کے پیچہے چہپا دیا۔ اب کمرے مین اندہیرا ہوگیا

تھا۔ مین نے سونے کی کوشش کی اور پانچ ہی منٹ مین مجھے نیند آگئی لیکن خواب مین پھر وہی نظارہ اتنا صاف دکھلائی دینے لگا گویا مین جاگ رہا ہون۔ مین ایک دم چونک اٹھا اور فوراً لالٹین جلاکر پلنگ پر بیٹھ گیا اب نہ تو مجھے نیند آتی تھی اور نہ مین نیند لانے کی کوشش ہی کرتا تھا۔

لیکن تکان کی وجہ سے میری خواہش نہ ہونے پر بھی دو تین مرتبہ میری آنکھین جھپ گئین اور دونون مرتبہ مجھے وہی نظارہ دکھائی دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مین دیوانہ ہوا جاتا ہون خوش قسمتی سے کچھ دیر بعد آفتاب جہان تاب نے اپنا نورانی چہرہ پردۂ مشرق سے نکالا۔ اور مجھے کچھ ہمت آتی تب مین بے فکر ہوکر مزے سے دو پہر تک خراٹے لیتا رہا۔

جب مین سوکر اٹھا تب میری طبیعت بالکل ہلکی تھی۔ اتنا ہی نہین بلکہ مجھے رات کے دھوکے پر ہنسی آتی تھی۔

ضروریات سے فارغ ہوکر مین شام کو اپنے دوستون کے پاس گیا لیکن مین نے رات کا واقعہ انکو نہین بتلایا کیونکہ اب پھر خود اپنی بیوقوفی پر ہنسی آتی تھی۔ مین اُنکے ساتھ بائیسکوپ دیکھنے گیا لیکن جب دس بجے مین پھر اپنے گھر کی طرف چلنے لگا تو میرے دل مین پھر ایک مرتبہ وہی گھبراہٹ ہوئی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہین پھر نہ مجھے دکھائی دے۔ مجھے اسکا ڈر نہین تھا کیونکہ مجھے یہ یقین کامل تھا کہ مجھے کبھی کوئی نقصان نہین پہونچا سکتا۔ جب مین کبھی کسی کو نقصان پہونچانے کی کوشش نہین کرتا پھر کیون مجھے کوئی ستانے لگا۔ خوف محض یہی تھا کہ کہین پھر کل کی طرح خیال دھوکا مجھپر اپنا قبضہ نہ جمائے تقریباً ایک گھنٹے تک یون ہی سڑک پر ٹہلتا رہا

یکایک مین نے سوچا کہ مین بڑا بے وقوف ہون اور گھر کی طرف چل دیا لیکن اب بھی اتنا خائف ہوگیا تھا کہ سیڑھیان چڑھتے چڑھتے میرا دم پھول گیا۔ جب اپنے کمرے کے باہر تقریباً ۱۰ منٹ تک چپ چاپ کھڑا رہا۔ تب بڑی مشکل کے بعد مجھے قفل کھولنے کی جرأت ہوئی۔ اندھیرے مین اب مین اندر نہین داخل ہوسکتا تھا۔ اس لئے پہلے ہی سے موم بتی روشن کرلی اور دروازون کو ایک زور کا دھکا دیکر مین کمرے کے اندر داخل ہوا اُس وقت کسطرح متعجب ہوکر مین نے چارون طرف اپنی نظر دوڑائی۔ کہ کہین کوئی بیٹھا تو نہین ہے۔ اُسے مین بھی جانتا ہون۔ لیکن جب کہین کوئی نہ دکھائی دیا تب اپنے آپ میرے دل سے ایک آہ نکل گئی۔

اُسوقت مجھے کتنی خوشی ہوئی اور کتنا آرام ملا وہ مین ہی جانتا ہون مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے میرے گلے کی پھانسی اُتار لی ہو مین تیزی مگر ہمت کے ساتھ کمرے مین ٹہلنے لگا لیکن کبھی کبھی مُنھ پھیر کر پیچھے دیکھ لیتا تھا کہ کہین کوئی میرے پیچھے تو نہین ہے کمرے کے کونون کی تاریکی مجھے مثل بھوت کے معلوم ہوتی تھی مین سوگیا مگر گہری نیند نہ آئی۔ سوتے ہی سوتے نہ معلوم کیون گھبرا اُٹھتا اور اسی مین کبھی نیند ٹوٹ جاتی تھی لیکن پھر وہ مجھے کبھی نہ نظر پڑی۔

اس دن سے مجھے اکیلے رہنے مین بڑا خوف معلوم ہوتا ہے مین اپنے دلکو سمجھاتا ہون کہ ہوتی تو کیا ایک مرتبہ بھی نہ دکھلائی پڑتی اور فرض کرو کہ ہے بھی تو کیا وہ مجھکو برباد کرے گی۔ نہین ہرگز نہین پھر بھی دل نہین مانتا اسمین ہمیشہ شک موجود ہے۔ اُسکا

داہنا ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا۔ اُسکا سر بائین طرف تھا جیسے کوئی آرام سے سو رہا ہو۔ پیرون کی تو مجھے اچھی طرح یاد ہے مین اُسے ہرگز ہرگز نہین فراموش کر سکتا کیونکہ اب مین بادرچن کے ساتھ نہین لیکن اے خدا! مین زیادہ اسکی بات نہین کرنا چاہتا کیونکہ مین وہ رات نہین بھول سکتا ؟

سچ کہتا ہون بھائی اُسوقت سے برابر وہی بھوت میرے سر پر سوار رہتا ہے گویا چارونطرف مجھے کوئی گھیرے ہو۔ مین جانتا ہون کہ یہ محض دہوکا ہے۔ میرے تصور کے سوا اِس کا کوئی وجود نہین لیکن یہ تو میرے خیال کرنے کی باتین ہین۔ میرا دل انہین قبول نہین کرتا اسلئے پہلے کی طرح مین گھر پر نہین رہ سکتا کیونکہ میری سمجھ مین وہ ضرور وہی وہان بیٹھی ہوگی۔ یہ مین جانتا ہون کہ اب کبھی شاید وہ مجھے دکھائی نہ دے لیکن مین اُسے اپنے خیال سے دور نہین کر سکتا وہ دکھائی نہین دیتی لیکن اس سے مین اُسکے وجود کو نہین مٹا سکتا۔ جب گھر پر مین اکیلا ہوتا ہون تب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ الماری کے پیچھے چھپی ہو۔ پردے کے پیچھے بیٹھی ہو۔ دروازے کے پیچھے کھڑی ہو یا پلنگ کے نیچے لیٹی ہو۔ کچھ یقین سا ہو گیا ہے۔ اسی لئے مین اکیلے مین کبھی کبھی ان جگہون کی یون ہی جانچ کیا کرتا ہون اور اگرچہ اُس دن سے مجھے ابتک کوئی بھی نہین دکھلائی دیا پھر بھی مین اُسکے وجود کو نہین بھلا سکا ہون۔ سچ پوچھو تو یہ خیال روز بروز مضبوطی سے پکڑتا جاتا ہے۔

تم اسے چاہے بیوقوفی کہو۔ حماقت کے نام سے موسوم کرو اور چاہے ہنسو مگر مین سچ کہتا ہون مین مجبور ہون۔ مین اُسے چھوڑ نہین سکتا۔

اسلئے مین نے سوچا ہے کہ اگر ہم دہو جائین گے تو وہ اپنے آپ وہان سے چلی جائے گی۔ وہ یہان اس لئے ہے کہ مین اکیلا ہون۔ شاید وہ بھی اکیلا نہین رہنا چاہتی

پھولونکی ڈالی

(از جناب مولانا محمود اسرائیلی صاحب)

یہ پھولونکی ڈالی ہے کہ گلدستۂ طوبیٰ — یا قوس کے رخسار پہ سہرے کی لڑی ہو
پر پونکا مگس راں ہو کہ گہوارۂ عیسیٰ — یا لعل و زمرد سے لدی حور کھڑی ہے
بلبل کیطرح برگ بھی پر تولے ہوئے ہین — ممکن ہے کہ ہون سوئے چمن مائل پرواز
یہ وقت تکلم ہین زبان کھولے ہوئے ہین — ممکن ہے کہ دکھلائین کوئی نغمہ کا اعجاز!

آویزاں ہین ہر اک مین شبنم کے نگینے — اور عکس نگین مین ہے خورشید کی تنویر
چھوٹا سا فلک جسمین ستارے نکلے ہوئے ہین! — یا جلوہ نما سیکڑون مہتابون کی تصویر!
جو پھول شگفتہ ہے وہ ہے دیدۂ بیدار — اور ہر ورق گل مین ہے [illegible] کی سی تحریر
یون دیکھنے ان پھولونکو محمود خبردار! — ہر پھول مین شمشیر برہنہ کی ہے تصویر

تخم تاثیر صحبت کا اثر

حمید کی عیاری اور مسعود کی سرگزشت
ایک دلچسپ فسانہ

(از جناب سید ممتاز حسین صاحب جونپوری)

نواب واجد خان ادھیڑ عمر کے ایک بزرگ شاہجہان پور کے شرفا مین سے تھے خدا نے گھربار، روپیہ پیسہ سب کچھ دے رکھا تھا مگر اُنکے کوئی بیٹی بیٹا نہ تھا۔ بیٹا ہونے کی آرزو مین اُنہون نے خدا جانے کہان کہان کے گنڈے تعویذ بازو اور گلے سے اسقدر لگار کھے تھے کہ اچھے خاصے نادیہ بیل معلوم ہوتے تھے۔ توہمات نے زور باندھا تو سیرون موصلی سرخ وسفید پھانک ڈالی۔ کوئی درگاہ اور کوئی پیر فقیر کی قبر نہین بچی جہان ایک جیتے جاگتے بیٹے کے لئے یہ نہ گڑگڑائے ہون۔ گھر کی بیوی پردہ کے اندر الگ رنگ باندھے ہوئی تھین اور بڑے میان باہر کی دوڑ دھوپ مین جدا سر مارتے تھے۔ ایسے ایک فقیر کی دعا کہئے یا ساعت کا سنجوگ خدا خدا کرکے واجد خان کے یہان میان مسعود پیدا ہوئے۔ ناچ مجرے، دھوم دھڑکے دن عید رات شب برات، ڈوم ڈھاڑیون کے پیچھے خلق اللہ کی دعوت، انعام اکرام کا وہ لگا تار زور رہا کہ ساون کی جھڑی بھی شرما گئی۔ آخر یہی ہوا کہ چھٹی چھلے تک چوتھائی جائداد اڑ گئی۔

مسعود ناز و نعم مین پلنے لگا، محبت پدری کا یہ جوش کہ واجد خان جس بازار یا میلے مین نکل جاتے چڑیا، مینا، تیتر، بٹیر، امرود، کیلا، برفی، گلاب جامن، حلوا سوہن، ربڑ کے کھلونے، بائسکل، واٹر پروف، گلوبند، موزے ٹوپی، انگریزی مٹھائی بسکٹ، پاؤ روٹی، ٹماٹر، کدو، خربوزے، تربوز، چھینٹ تنزیب، مخمل، چھتری، ڈیز لال ٹین، بھُنے ہوئے چنے، پاپڑ، سہال، سونے کے بٹن، نان خطائی۔ الومینم کی کٹوریان اور لوٹیا، تصویرین، کتابین، قواعد بغدادی، انڈین ریڈر، شیلکو ڈ اور آئم غلم جو چیز دیکھی مسعود کے لئے خرید لاتے۔ گھر مین لا کر بیوی کو دکھا کر پہلے تو مسعود کے گرد ڈھیر کرتے پھر ادھر ادھر رکھوا دیتے رفتہ رفتہ مہینون کی ایسی ہی خریداری سے سارا گھر اچھا خاصا نخاس ہو گیا۔ محبت کے نہ آنکھ ہوتی ہے نہ عقل۔ کوئی پوچھے کہ یہ ڈیڑھ مہینہ کا بچہ اور اسکے لئے ٹماٹر کدو اور کتابون کی سوغات۔ پھر ایک دن ہو تو کہا جائے مسعود کے گرد دنیا کی چیزون کا ڈھیر لگا دینے کا ولولہ گھا گرا کا بڑھتا ہوا پانی تھا جو نیچے ہی نیچے کھیت زمین اور گھر کی نیو کاٹتا جا رہا تھا۔ رسول صحابہ کے یہان بھی اولادین ہوئین۔ سلاطین کے گھرون مین بھی بچے پیدا ہوئے۔ ہمایون کے یہان اکبر اگر دوران سفر مین پیدا ہوا تو اکبر کے یہان شاہزادہ سلیم بڑی آرزون کے ہجوم مین اقبال و عروج کا ستارہ بنکر محل شاہی مین چمکا۔ کسینے بھی فضول خرچی سے اسطرح محبت کو بدنام کیا ہو۔ مگر کہے کون۔ واجد خان کو جو سمجھائے اُسکی شامت آجائے۔ یونہین بے داد و فریاد چند سال گزرے۔ وہ وقت آیا کہ مسعود کا مکتب ہوا۔ اسکی

فضول خرچیون پھر اسکے چند سال بعد ختنہ کی تقریب کے بیجا خرچ کا کیا اندازہ کیا جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ جائداد رہن اور بیع ہوگئی۔ رفتہ رفتہ نوکر چاکر ایک ایک کرکے چلے گئے۔ چند بیگھہ کھیت اور کچھ دوکانون کا کرایہ اور تین جانون کا سہارا رہ گیا۔

مسعود مکتب مین کئی سال اُردو فارسی پڑھ کر جب چودہ سال کا ہوا تو واجد خان نے اسے انگریزی اسکول مین بھرتی کرا دیا۔ شروع شروع مین مسعود جب اسکول گیا تو سال دو سال تک کسی سے ملتا جلتا نہ تھا۔ اگر کوئی سیگرٹ یا پان دیتا تو وہ سلام کرکے معافی چاہتا۔ وہ روز گردن جھکائے اسکول جاتا اور شام کو سیدھے گھر واپس آجاتا تا۔ سلیمان اسکا خالہ زاد بھائی تھا۔ اسی سے اسکو لگاؤ تھا اور اسکی دوستی پر اعتبار۔ وہ ایسے آوارہ لڑکون کو خوب سمجھنے لگا تھا جو اپنے وقت کے دشمن اور والدین کا سرمایہ برباد کرنے اور دوسرون کی زندگی تباہ کرنے کے لئے اسکول کو ایک شکارگاہ بنائے ہوئے تھے۔ مسعود کو جہان کسیکی نسبت آوارہ ہونے کی ذرا بھی آہٹ ملتی وہ اُس سے کوسون دور بھاگتا۔ وہ جسقدر لوگون سے کھنچتا، اُتنا ہی اُسکی طرف کشش بڑہتی جاتی تھی۔ آخر اسکول کے لوگون نے اسے اور سلیمان دونون کو ہاکی اور فٹ بال کے کھیل پر لگا لیا۔ اب لوگون کو آزادی سے اس سے ملنے اور بات چیت کا موقع ملا۔ رفتہ رفتہ صحبت کے اثر سے ان دونون کو سیگرٹ پان اور بیڑی کا بھی شوق ہوا۔ اور زمانہ نے سلیمان کیطرح مسعود کو بھی اپنی راہ پر لگا دیا۔ جستہ جستہ پڑھنے کیطرف سے مسعود کا دل اُچٹنے لگا اور آزادی کی بھنور مین پڑ کر پہلے سال تو وہ امتحان مین پاس ہوگیا۔ دوسرے سال صرف ریاضی مین کچھ نمبر کم تھے مگر خدائی فوجدار لڑکے جنکے ہاتھ مین اسکول کی کمان تھی اور جنسے معلم بھی ڈرتے تھے مسعود کے طرفدار ہوگئے اور انھون نے اسے پاس کرا لیا۔ نوین درجہ تک پہونچتے پہونچتے مسعود نے ہاتھ پاؤن نکالے اور سہ ماہی امتحان مین یہ چار چار مضمونون مین فیل ہوگیا۔ اب مسعود مانگ نکال کر ننگے سر اسکول آنے لگا اور کبھی کبھی بنارسی دھوتی بھی پہن کر اسکول کی نمائش مین حصہ لینے لگا۔ ماسٹر اور لڑکے کبھی کبھی اسپر آوازے بھی کسنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ اب مسعود نے اسکول سے غیر حاضر ہونا شروع کیا مگر والدین کو خبر نہین۔ سال ڈیڑھ سال کا زمانہ مسعود نے اسطرح گزارا کہ کتاب لیکر گھر سے جاتا اور بجائے اسکول کے کبھی مولوی اسلم کے یہان دن بھر شطرنج کھیلتا اور چار بجے گھر چلا آتا اور کبھی ادریس، مشتاق اور مچھن کے گھرون پر جاکر لیٹتا اور چلا آتا۔ گھر مین یہ انتظام کہ گھڑی دیکھکر اسکول جانے کے وقت کے لئے دھوپ کا نشان بنا لیا تھا جہان دھوپ اِس خاتمک رینگتی ہوئی پہونچی اُسنے کھانے کے لئے پاؤن پٹکنا شروع کیا۔ غریب مان جیسے تیسے دو ٹکیان سینک کر کسی سالن کے ساتھ اسے دیتی اور یہ پھونک پھونک کر گرم گرم کھاتا اور جلدی جلدی پانی پی کر گھر سے نکل پڑتا۔ مدرسہ کے راستہ پر کچھ دُور چل کر نظرون سے غائب ہوجاتا۔ اسکول کے یہ نصیب کہان جو مسعود اسمین دم بھر بھی بیٹھتا۔ کتاب بغل مین ہے۔ یار دوست ساتھ ہین۔ شہر سے دُور نکل کر ندی کے کنارے چھوٹی چھوٹی مچھلیون کے سر سر تیرتے ہوئے بھاگنے پر کبھی یہ کنکریان پھینکتا۔ کبھی باغون مین ڈھیلے پھینک کر کچے پکے پھلون کو گراتا۔ کبھی کسی عمارت کی دیوار کو کوئلون سے ایک گنہگار کے نامۂ عمل کیطرح فحش گالیون سے سیاہ کرتا۔ کبھی سنسان سڑک کے پل پر بیٹھا ایسے دن کاٹتے کاٹتے تھک کر بیٹھتا اور کبھی لمبی لمبی سڑکون کی اُداسی اور میل کے پتھر کی تنہائی کو دیکھکر کھدے ہوئے ہندسہ اور حرفون پر بار بار انگلی پھیرتا کبھی کنارے کے دیہاتون مین نکل جاتا اور چنے اور مٹر کے کھیتون مین تازہ پھلیان توڑنے کے لئے گھستا پھر دُور سے کسی کسان کی آواز

اور للکارنے پر جوتا ہاتھ میں لئے بھاگتے بھاگتے ہانپنے کے لئے ٹھہرتا اور پھر بھاگتا کبھی چڑیوں کے گھونسلوں کو نئی نئی طرح سے اوجاڑنے میں ایجادون کی داد دیتا - غرض کہ اسیطرح روز دن بھر کا وقت پورا کرتا اور شام کو گھر پلٹ آتا اور دوسرے دن پھر سورج کی چال کے ساتھ ساتھ وہی کل کا روزنامچہ دُہراتا - گھر پر پلٹتا تو سوکھا ہوا منہ سارے گھر کی ہمدردی اپنی طرف کھینچتا - ماں اس سہارے پر خوش کہ بیٹا پڑھ لکھ کر کماسُت ہوگا تو دن پھرینگے - اس دکھیاری کو کیا خبر کہ گھر بار کے اُجڑنے کی داغ بیل لگ چکی اور امید بگلا بھگت بن کر دھوکا دے رہی ہے -

مسعود شام ہی سے چراغ لیکر بیٹھتا - کچھ دیر تو انگریزی کتاب کے اوپر رکھ کر ناول پڑھتا کچھ لکھنے لگتا بیچاری ماں خاموش بیٹھی اپنے خاندان کے چشم و چراغ کو ٹکر ٹکر دیکھتی اور کبھی چراغ کی لہراتی ہوئی لو پر نظر کرتی - مسعود روز کئی کئی صفحہ کا خط لکھتا اور کبھی کچھ لکھا ہوا کاغذ جلا دیتا ماں یہ سمجھتی تھی کہ یہ اسکول کا کوئی کام ہوگا - واجد خان ایک تو الف کے نام لٹھہ بھی نہین جانتے تھے پھر افیون کے شوق نے اور سونے مین سہاگا ملا دیا تھا - مسعود حُسن و عشق کے ناول پڑھنے کا بڑا شائق تھا کچھ تو کتابون کے مضمون سے اُڑا کر اور کچھ باہر کی صحبتون سے خیال جوڑ بٹور کر وہ دوسرے تیسرے الف لیلہ کے قصہ کیطرح ایک خط تیار کرتا اور صبح کو کہین جا کر دے آتا -

ڈھونڈھا جاے تو ہر ایک بستی مین ایک آدھ ایسے ذات شریف بزرگ ملینگے جنکے فیض و برکت سے اُٹھتی ہوئی جوانی کے اکثر فرزندان قوم حضرت عزازیل کے مریدون مین شامل ہو جاتے مین - یہان یہ خدمت میان حمید کے سپرد تھی -

ایک دن حمید اور مسعود کی ملاقات ہوگئی تھوڑے ہی دن مین مسعود حمید کا بندۂ بے دام ہوگیا حمید اور مسعود کی دوستی بڑھتی گئی - یہانتک کہ حمید کے مشورے سے مسعود نے ایک روز اپنے گھر کے تمام زیور اور نقد اور جواہرات جو حفاظت سے کسی آیندہ ضرورت کے لئے ایک جگہ رکھے تھے نکال کر ایک درخت کے نیچے دفن کر دئے پھر اپنے کچھ کپڑے ایک روز لیجا کر باہر کے حصۂ مکان مین کہین چھپا آیا - حمید کی صلاح سے ایک خاص دن طے پایا اُس روز حمید کسی جگہ سڑک پر تانگہ لئے موجود تھا - مسعود حسب معمول کھا پی کر کتاب لے اسکول جانے کے لئے اُسی پرانے اصول سے نکلا - باہر رکھے ہوئے کپڑے کی گٹھری اور زیور و جواہرات وغیرہ کا صندوقچہ باغ سے کھود کر تانگہ تک بھجوا دیا - دونون اسٹیشن پر آئے اور ریل پر سوار ہو کر بمبئی کو روانہ ہو گئے -

مسعود چلنے کو چلا لیکن دل مین ایک کھٹک لیکر چلا - اسے بار بار امینہ کا خیال ستا رہا تھا اُس کی آوارہ زندگی کی سیاہی مین اگر کوئی روشن حصہ رہ گیا تھا تو وہ امینہ کی سچی محبت تھی جس سے اُسے خلوص بھرا لگاؤ تھا امینہ ڈپٹی حکایت یار خان صاحب کی اکلوتی بیٹی تھی جو اُس زمانہ مین شاہجہان پور صدر کے حاکم پرگنہ تھے - گو وہ ایک ٹھینٹ پرانی وضع کے بزرگ تھے مگر سنجیدہ خیال - انکی لڑکی پڑھی لکھی خوش سلیقہ تھی - شاہ ملار صاحب کی چھڑیون کے میلے مین آتے جاتے میان مسعود کا سامنا ہو گیا تھا اور دونون دونون مین ایک خیال سا اُبھر چلا تھا - میان مسعود کے خطون کی بھرمار نے اُسکی دلی کیفیت مین گرمی تو پیدا کر دی تھی مگر خاندان کا پاس اور گھر انے کی آبرو کے لحاظ نے بات اعتدالی حالت سے بڑھنے نہ دی - وہ اُن لڑکیون مین تھی جو والدین کی اطاعت مین اپنی تمام آرزون کا خون ہو جانے دین مگر اُف نہ کرین سلیمان اور حمید اس راز سے کچھ کچھ واقف تھے مگر مسعود کے دل مین بچے بچاے ہوئے شرافت کے ذرون نے اس معاملہ مین ان دونون کا در خور زیادہ نہونے دیا - انسان کا شیطان انسان ہوتا ہے حمید نے اس واقفیت سے موجودہ موقع پر فائدہ اُٹھایا اور مسعود کے دل سے

محبت کی گرمیون کو ٹھنڈا اور تفریح قلب کا بہتر کیا سامان بہم کرنے کے لئے
بی فیروزی سے پہلے ہی سے کہ سن رکھا تھا وہ بھی اٹھلاتی ہوئی آئین اور
اسی گاڑی مین بیٹھکر بمبئی کی ہم سفر ہوگئین -

شاہجہان پور کی شام آج عجیب حسرتون کا مرقع لئے ہوئے آئی
شام کو حسب معمول جب مسعود گھر پلٹ کر نہ آیا تو اُسکی مان کو اُلجھن ہوئی -
اور دیر ہوتی گئی اور شام ڈھلتی گئی اب مان کی بے چینی تھی کہ انگاروں پر
لوٹ رہی تھی - کبھی دروازہ تک جا کر جھانک آتی کبھی کوٹھے پر چڑھ
کر ادھر اُدھر دیکھتی اور آنسو بھرے اُتر آتی - کبھی کھانا پکانے کے لئے چولہے
کی آگ پھونک کر جلاتی، کبھی آنسو گر گر کر انگارون کو ٹھنڈا کر دیتی پھر دفعتًا
جھپٹ کر در تک پہونچ جاتی اور یہ کہتی پلٹ آتی کہ "نہ جانے میرا لال کدھر گیا"
رات آئی شہر سے واجد خان افیون، مٹھائی، تمباکو اور پان لئے آئے - گھر مین
سناٹا اور بیوی کی پریشان حالت دیکھکر ماجرا پوچھا اور جلدی جلدی مسعود کو
ڈھونڈھنے نکلے - محلہ مین جہان جہان اُسکی نشست برخاست تھی دیکھا
پھر شہر مین جابجا ڈھونڈا آخر تھک کر گھر آئے اور رات کو پڑ رہے - پھر دوسری
صبح کو اسکول جا کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ مسعود کوئی ڈیڑھ سال سے نہین
آتا اور مدت ہوئی کہ نام کٹ گیا - یہ سنکر اور تردد بڑھا -

دو چار دن گزرے جب زرا دل ٹھہرا تو ایک روز مسعود کی مان نے
بڑا صندوق دیکھا تو روپیہ بھرا تھا اور سونے کے زیور کا صندوقچہ
غائب - مسعود نے اپنے کو ایسا سیدھا سادا اور غریب مزاج ثابت کر رکھا تھا
کہ بھولے کر بھی شبہہ نہین ہوتا تھا کہ یہ اسکی حرکت ہے - مان نے سر پیٹ لیا
اور کہا کہ جب میرا لال نہین تو جواہرات اور زر و زیور سب اسپر تصدق -
کچھ لوگون کی صلاح ہوئی کہ تھانہ مین رپورٹ کر دی جائے مگر بعض دوستون
نے کہا کہ لڑکے کے پھنس جانے کا اندیشہ ہے - القصہ مختصر جب سب طرح کی
کوشش کر کے ہار گئے تو واجد خان اور انکی بیوی چپ چاپ ہوکر بیٹھ رہین
مگر گھر ایک ویرانہ سے بدتر تھا - واجد خان کے دوست شیخ سبحان علی نے
جاکر مولوی عبدالعزیز صاحب سے دیوان حافظ کی فال دکھلائی تو یہ نکلا

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور
کلبۂ احزان شود روزے گلستان غم مخور

شیخ سبحان علی نے خوشی خوشی واجد خان کو تسکین دی -

ادھر مسعود بمبئی پہونچا اور سیر کی سوجھی - گورا چٹا چودھوین کا چاند تو
تھائی چہرے مہرے سے بھی درست پھر ناز و نعم مین پلا ہوا بچہ - جوش بھری
کا فرجوانی، جدھر نکل جاتا خدا کی دنیا کے ذرے ذرے مین اُسکے حُسن کی چھوٹ
سے برق طور لوٹتی پھرتی بھاتی کے دوڑتے ہوئے خون کی سرخی ہونٹھون
کی ہلکی پھلکی سی شتی کے آٹے سے شکار کھیلتی، اسکے گھونگروالے بالون مین تسبیح
کے دانون کی طرح سیکڑون بیتاب دل گندھے ہوئے، دونون ابرو مین
ارجن کی تڑپتی ہوئی روح پھر سے دنیا کو تیر اندازی کا بھولا ہوا فن
سکھانے کے لئے ہر وقت کمان کھینچے ہوئے تیار - زمانہ بھی وہ زمانہ
کہ اخلاق صحیفے جزدانون مین بچپیدہ - شریعت اور شاستر زمانہ کے
رسم و رواج کے ماتحت - بداخلاقی کے جراثیم کا سیلاب نمازو رغریب
مسعود پہلے پہل تو زمین پر گر جانیوالے ایک پھولدار رومال کی وجہ سے
پر محبت کا راستہ چلا ہی تھا کہ حمید ایسے تجربہ کار اور بی فیروزی کے ساتھ
وہ بمبئی آیا اور کراچی جانے کے لئے ایک جہاز پر سوار ہوکر طوفانی سمندر
مین چلا آخر کراچی پہونچکر ہوٹل مین ٹھہرا - یہان آزادی اور اطمینان نصیب
ہوا ایک شام کو مسعود بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا اور اسے ماں باپ اور
گھر کی یاد آ رہی تھی کہ فیروزی نے یہ عالم دیکھکر جام و مینا پیش کر کے
ناز سے کہا مسعود، مسعود زرا ادھر تو دیکھنا -

شاید کہ پیام آیا پھر وادی سینا سے
شعلے سے لپکتے ہین کچھ کسوت مینا سے

مسعود - "یہ کیا ہے "۔

فیروزی - ایک روح پرور عرق - ایک پیام مسرت - ایک فردوس عشرت "

مسعود "پھر اسکا فائدہ "

فیروزی نے ایک گلاس بھر کر مسعود کو دیا اور کہا کہ اسے پی لو - ہوش و خرد کی توفیق ہوئی تو خود تمکو معلوم ہو جائیگا کہ یہ کیا جو ہر ہے -

حمید بیٹھا ہوا اسکا رہا تھا اُسنے بھی ہان مین ہان ملائی - سچ پوچھیے تو فیروزی کے پردے مین حمید ہی یہ نیا گل کھلا رہا تھا - مسعود اور حمید سے ایسی بے تکلفی اور گہری دوستی تھی کہ حمید زہر بھی دیتا تو مسعود اُسکو امرت سمجھکر پی لیتا - نہ کہ اس سفر مین تو حمید خضر راہ تھا اور اسکو یہی دھوکا تھا کہ یہ دن یو ہین فردوس بریں کی سحر بن کر آغوش عشرت مین اسے تمام عمر لئے رہینگے - حمید کی موجودہ جادو اثر تواضع مدارات اور دوستی پردہ تیار رہتا کہ گھر بار اور ماں باپ کیسے ایک بار بہشت مین بھی جانے سے انکار کر دے -

فیروزی نے مسعود کو جام دیا اور اُسنے پی لیا پھر اسنے پیا اور پھر اُسنے پیا یہانتک کہ دونون جھک گئے اور شراب کے بُرے اثرات کا شکار ہو گئے - اب مسعود کو خود اسکا چسکا پڑ گیا - پورے سال بھر سندھ کی سیر سے لاہور اور دہلی مین پھرتے ہوئی یہ ٹولی آگرہ آئی - یہان ایک کرایہ کا مکان لیا گیا اور حسن اتفاق تو دیکھئے کہ آدھ گھنٹہ کے اندر ملازمت ڈھونڈھتے ہوئے ایک صاحب کلو نامی آنکلے اور حمید کی سفارش پر ملازم بھی رکھ لئے گئے - مسعود کی اُٹھتی ہوئی جوانی نے خوب ہاتھ پاؤن نکالے یہان رہ کر دس گیارہ مہینون مین جسقدر بے اعتدالی اور بے عنوانی خیال کی جا سکتی ہے سب مسعود نے سمیٹ لی - آخر کندن سے بدنگا جو ہر اُڑنے لگا - چاند سے چہرے پر جھائیان پڑنے لگین - رنگ کالا ہو چلا، آنکھون مین حلقے پڑ گئے - گال پچک گئے مگر خراب بتی کر منہ سے لگی ہوئی ہے - ایک دن مسعود نے خوب چڑھائی - صبح کو نشہ سے جب آنکھیں کھلین تو اسے اپنے دوست اور خالہ زاد بھائی سلیمان کا خط ملا جسمین یہ لکھا تھا کہ "پیارے مسعود کیونکر لکھا جائے کہ تمہارے یہان سے جانے کے بعد محلہ مین ہیضہ کا زور رہا - گھر کے گھر صاف ہو گئے اور تمہارے والدین کا بھی اسی مین انتقال ہو گیا مرتے وقت تمہاری مان نے بہت تڑپ تڑپ کر تمھین یاد کیا - کوئی اتنا نہ تھا جو حلق مین پانی ٹپکاتا - ہملوگ چند عزیز رہ گئے تھے - جنھون نے تجہیز و تکفین کر دی اُنکے آنکھ بند کرتے ہی تمہارے لاپتہ ہونے سے مکان لاوارث قرار پایا -

بابو سیتا رام صاحب چیرمین میونسپل بورڈ نے اسے میونسپلٹی کے نیلام مین خرید کیا اور اب کھدوا کر بنگلہ بنوا رہے ہین محلہ مین رہنے کا مزہ نہین رہا - ہملوگ بھی سنبھل چلے آئے ہین " مسعود یہ خط دیکھکر پہلے تو بہت متحیر ہوا کہ سلیمان کو میرا پتہ کیسے معلوم ہوا پھر وہ کچھ سوچ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا - حمید نے اسکے ہاتھ سے جلدی سے وہ خط چھین لیا اور اسکو بہت تسلی اور دلاسا دیا اور کہا کہ ہم تمہارے مدد کے لئے ہمیشہ تیار ہین - دو سال مین ہماری جائداد کورٹ سے چھوٹ جائیگی تم اسکا انتظام کرنا حمید نے فیروزی کو الگ لیجا کر سمجھایا اور خط جو مسعود کے وطن سے آیا تھا سنایا اور کہا کہ اب اسکی پونجی ختم ہے اسکو سیر کے بہانہ دہرہ دون لے جاتے ہین تم کل دہلی کے رئیس امداد اللہ خان صاحب کے یہان کلو کو لیکر چپکے سے چلی جانا - انکے یہان تمہارا انتظام ہو گیا ہے - ادھر حمید نے مسعود کو یہ پٹی پڑھائی کہ اسوقت تمکو بہت صدمہ ہے اور ہونا بھی چاہئیے چلو

دیرہ دون دو چار دن کے لئے تبدیل آب و ہوا اور سیر کی غرض سے ہو آئیں اور ان لوگون کو یہین چھوڑ دین —

ادہر قیمتی بکس و پارچہ وغیرہ لیکر مسعود اور حمید دیرہ دون روانہ ہوئے اودہر فیروزی نے دہلی کی راہ لی۔ اور کلو ایک پرانے سکھائے پڑہائے آدمی کی طرح جو کچھ دری اور فرش فروش تھے سب سمیٹ کر سیدھے میرٹھ پہونچا۔

مسعود اور حمید دیرہ دون مین پہونچکر اسٹیشن کے قریب مسلم ہوٹل مین قیام کیا۔ اس اثنا مین حمید نے انتظام کیا تھا کہ ٹھیک ۲۰ جون ۱۹۲۲ء کو جس دن مسعود اور حمید مسلم ہوٹل مین جاکر ٹہرے تھے خورشید اور سردار بھی وہین آگئے۔ کئی دن پینے پلانے کا دور رہا اور یہ سب بھی مسعود کے یار غار ہوگئے۔ سردار ایک دن رہ کر چلا گیا مگر چپکے سے جاکر ویٹنگ روم (اسٹیشن کے انتظار خانہ) مین ٹہر گیا۔ رات کو خورشید نے حمید کی مدد سے جب مسعود شراب مین مدہوش پڑا تھا جتنے قیمتی بکس وغیرہ تھے سب سردار کے پاس پہونچا دئے سردار اسکے بعد ہی پہلی ٹرین سے میرٹھ روانہ ہوگیا اودہر خورشید آکر مسعود اور حمید کے ساتھ مسلم ہوٹل مین چپکے سے پہر سو رہا صبح کو سب سے پہلے اور بہلا کوئی کیون اٹھتا مسعود اٹھا اور اسنے دیکھا کہ آئینہ کنگھا جواہرات کا صندوقچہ سوٹ کیس اور سب سامان غائب اور کمرہ کا در کہلا ہوا ہے مسعود نے حمید کو جگایا اور حمید نے تحیر اور غم کے لہجہ مین خورشید کو جگایا خورشید نے بہت آہ اور واویلا کی اور تشویش پریشانی اس شد و مد سے ظاہر کی کہ مسعود ہکا بکا ہوگیا مسعود اور حمید کی قمیض کے جیب مین کچھ نوٹ پڑے رہ گئے تھے جو اسوقت کام آئے اسمین سے خورشید نے گہر پر جاکر رقم بہیجنے کے وعدہ پر عہ۵ قرض لیا اور بظاہر الیر کوٹلہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جہان کا پتہ اسنے مسعود کو لکھایا تھا روپیہ پاکر وہ بھی میرٹھ روانہ ہوگیا حمید نے جب دیکھا کہ سب مال میرٹھ پہنچ چکا اور مسعود کے ساتھ عیش کے دن کی دوپہر بھی ٹل گئی تو ایک دن بازار کے بہانے سے وہ بھی ہوٹل سے نکلا اور سیدھا میرٹھ پہونچا۔ یہان سردار خورشید اور کلو پہلے ہی سے آچکے تھے۔ سب نے مال اور جواہرات مین حصہ بانٹا اور پہر نئے شکار کی تلاش مین ادہر ادہر روانہ ہوگئے۔

غریب مسعود نے حمید کا کئی دن انتظار کیا مگر حمید کہان۔ گہبرا کر ڈہونڈہنے نکلا مگر کچھ پتہ نہ چلا مسعود کے پاس اب ساری کائنات تیس روپیہ کے نوٹ ہین۔ اسوقت اسکو اپنے بچپن کا زمانہ یاد آ رہا ہے پیاری امینہ اور والدین کا خیال ہے اور انکی غمگین صورت کا تصور وہ خوب پہوٹ پہوٹ کر رویا پہر حمید کو مالیر کوٹلہ کے پتہ سے تار دیا مگر تار واپس آیا۔ اب مسعود کو کچھ شک ہونے لگا مگر ابہی حمید کی دوستی کی طرف سے وہ بدعقیدہ نہین ہوا تہا وہ پلٹ کر آگرہ آیا تو یہان نہ فیروزی تہین نہ میان کلو۔ مکان جسمین وہ انلوگون کو چہوڑ گیا تہا اسمین لالہ شادی لال وکیل کا سائن بورڈ آویزان تہا اور باہر کے جس کمرہ مین جہان فیروزی اور مسعود رہتے تھے وہان لالہ صاحب کی ایک میلی کچیلی چیتکٹ دہوتی جسمین جابجا پیشاب کے دہبے تھے فیروزی اور کلو کی قائمقام پہیلی ہوئی ہوا کہا رہی تہی۔ مسعود کو بڑی حیرت ہوئی کہ ماجرا کیا ہے۔ دیر تک سائبانی پر کہڑا سوچتا رہا پہر جاکر ایک سرائے مین قیام کیا۔ مسعود کی سمجھ مین نہین آتا تہا کہ اب وہ کیا کرے اور کہان جائے۔ اسے فکر ہوئی کہ کہین کوئی نوکری ملے تو کرلے پڑہا لکہا تو واجبی تہا۔ جس دفتر مین جاتا تہا وہان بی۔ اے۔ ایم۔ اے اور سال بسال بی امیدوارون کی بہیڑ پہر قومی تعصب۔ یہہ کچہہ پاس نہ تہا ادہر اسٹیشنون اور ہوٹلون مین مٹلی پلیٹ صاف کرتے ہوئے نظر آتے تہے۔ اب اسکی آنکھہ کہلی اور آج اسنے

گویا پہلی مرتبہ ہندوستان کی دنیا کا صحیح نظارہ کیا۔ وہ بچپن کے دوست اور وہ جوانی کے ہمدم اور رفیق جن پر اسے کیا کچھ بھروسہ نہ تھا سب دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوئے۔ اب نہ اسکا حسن کام آتا ہے نہ بانکی چتون۔ دنیا نظر میں تاریکی قبر سے بھی بدتر تھی۔ رہتا تھا گھر پہ سو دبچپن کو یاد کرتا تھا مگر بیفائدہ زمانہ ایک خاموش واعظ بن کر گویا چپکے چپکے کہہ رہا تھا کہ وہ باغ اور ندی کی سیر وہ کچے پکے پہلوں کا توڑنا وہ مچھلیوں پر کنکریاں پھینکنا وہ کسان کے کہیت میں مٹر کی پھلیاں اور چنے توڑنے کے لئے گھسنا وہ اسکول کا ناغہ کر کے دن دن بھر اسلم کے یہاں شطرنج کھیلنا وہ ادریس اور مشتاق وغیرہ کے گھروں پر پڑے رہنا وہ امینہ کی محبت میں لمبے لمبے خطوں کا لکھنا وہ اسکول کو خیرباد کہہ کے والدین کو فریب دینا سب یاد تو ہوگا۔

مسعود کے حافظہ کے سامنے اسکی بداعمالی کی ایک لمبی فہرست پہیلی تھی اور مسعود زندگی کے پل پر بیٹھا اور رہا تھا اور اسیطرح خیالات کی رو میں آنسوا سے ودور تک بہائے گئے کہ اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ وہ ایک شارع عام پر ہے یا گھر میں۔

شام کا وقت تھا۔ ڈوبتے سورج میں مسعود کے تنزل اور ادبار کا عکس پڑ رہا تھا۔ شام کے بھیانک سناٹے نے مسعود کے رنجیدہ دل سے کچھ اداسی کا شرمانگ لیا تھا۔ ایسے عالم میں اس سنسان سڑک پر ایک مرد بزرگ چھڑی ہاتھ میں لئے ٹہلتے نکل آئے۔ انھوں نے مسعود کے قریب آکر پوچھا کہ کیوں روتے ہو۔ مسعود نے یکایک جھجک کر اور ڈر کر کہا کہ کچھ نہیں۔

یہ حکایت یار خان ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان پر مسعود کے رونے کا خدا جانے کیا اثر پڑا تھا کہ انھوں نے بہت دلدہی کی اور پھر پوچھا۔ مسعود نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کی اور اپنے والدین کے مرنے کا واقعہ بھی دہرایا اور سپرد دیا۔ حکایت یار خان شاہجہان پور کے قیام کیوجہ سے مسعود کے والد سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہ مسعود کو اپنے ساتھ اپنی کوٹھی پر لائے اور سرائے سے اسکا اسباب بھی منگوالیا۔ اولاد کیطرح اسکی تربیت کی۔ ایک گریجویٹ اسکے پڑہانے کے لئے رکھ دیا اور اپنے ساتھ دسترخوان پر کہلاتے اور جو خود پہنتے وہ اسکو پہناتے رہے۔ اسوقت انکے اہل وعیال کسی وجہ سے انکے وطن فرخ آباد میں تھے۔ اسیطرح ڈیرہ سال کا زمانہ کھنچ گیا۔ اسنے اتنے دنوں میں محنت کرکے پنجاب یونیورسٹی سے میٹریکولیشن امتحان بھی پاس کرلیا اور انگریزی بولنے چالنے میں خاصی مہارت پیدا ہوگئی۔ دنیا کا بہت کچھ تلخ تجربہ ہوچکا تھا اور وہ نارواعیش وعشرت کا کڑوا مزہ چکھ چکا تھا۔ لوگوں سے ملنا جلنا قطعاً چھوڑ دیا تھا۔ ادہر مسعود کی روحانی اور اخلاقی ترقی ہوئی اُدہر اطمینان اور سکون کی زندگی نے شباب زلیخا کیطرح پھر مسعود کے رنگ وروپ کو چمکا دیا۔ اب وہ تنہا یا کتابیں تھیں یا اخبار اور جرائد۔ جنکے صفحوں پر تنہائی میں اس گھر کی رہنی والی مگر آنکھوں سے اوجھل امینہ کی جھلک نظر آتی تھی۔ پوشیدہ مراسلت کا سلسلہ اب نئے سرے سے جاری تھا مگر اب الفاظ میں جوش جنون کی جگہ متانت کا عالم زیادہ تھا اور جذب محبت کا زور الفاظ کے پردہ میں روپوش تھا۔ مسعود اب امینہ کو کسی اور آنکھ سے دیکھتا تھا۔ مسعود کی نظروں یا امینہ کی الفت کے ساتھ ادب کا پہلو بھی لئے ہوئے تھیں جس پر امینہ کے خیالات میں اُلجھن سی پیدا ہوتی تھی۔ وہ کڑھتی تھی مگر اپنی حد میں رہتا دونوں خدا سے لو لگائے امید کے دن گذار رہے تھے اور لطیفۂ غیبی کے منتظر تھے۔

ڈپٹی صاحب نے ایکدن اپنے آرام کمرہ میں مسعود کو بلایا اور اپنی جائداد اور بنک کے روپیہ اور کوٹھی وغیرہ کے متعلق انگریزی چٹھیاں دیکر مطلب پوچھا۔ گفتگو کے سلسلہ میں یہ بھی اشاروں میں ظاہر کردیا کہ انکی تمام

وارث کی تنہا مالک فقط لڑکی ہے جسکا شریک زندگی مسعود کو بنانا انکو دل سے پسند ہے۔ مسعود پر حکایت یار خان کے اتنے احسانات تھے کہ وہ سر نہین اٹھا سکتا تھا اور پھر اُسکی منہہ مانگی مراد ملتی تھی اُسنے سر تسلیم خم کر دیا اور آنکھین ڈبڈبا آئین۔ بات دو دن مین طے ہو گئی گزری ہو گئی۔ اتنا ہوا کہ بنیک کا کچھ حساب اُسکے نام سے کھول دیا گیا مسعود اب بالکل گھر کے مالک کیطرح نظر آنے لگا۔

ایک روز وہ ڈپٹی صاحب کے کتب خانہ کی کتابین الٹ پلٹ رہا تھا کہ ۱۹۱۶ء کے ایک اخبار کی اسے جلد مل گئی۔ یہ سنہ اسکو بہت عزیز تھا کیونکہ اسی سنہ مین یہ گھر سے نکلا تھا اور اسکی زندگی کا انقلابی دور اسی سنہ سے شروع ہوتا تھا۔ اسنے الٹ پلٹ کر اخبار دیکھنا شروع کیا تو ایک جگہ یہ خبر دیکھی کہ بمبئی سے ایک جہاز افریقہ کو جا رہا تھا سمندر مین طوفان آیا اور جہاز غرق ہو گیا اسی جہاز مین نواب واجد خان صاحب رئیس شاہجہان پور کا اکلوتا فرزند مسعود عالم خان بھی تھا۔

مسعود کو یہ خبر دیکھکر وحشت بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ مسکرایا کہ مین تو اچھا خاصا ہٹا کٹا زندہ بیٹھا ہون۔ یہ آخر ماجرا کیا ہے۔ وہ سوچا کہ سوا فیروزی اور حمید کے کوئی دوسرا اس سفر کی تفصیل سے واقف بھی نہین مگر یہ دونون تو برابر میرے ساتھ ساتھ اُس زمانہ مین رہے۔ اسکے چھپوانے سے کیا فائدہ سمجھ مین کوئی بات صاف نہ آتی تھی تاہم اب اسکو سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی خداداد ذہانت کو کلام مین لانے کا موقع حاصل تھا اسلئے وہ اس نتیجہ پر بہت جلد پہونچا کہ ہو نہو یہ حمید کی حرکت ہے۔ اسے معلوم تھا کہ امینہ یہ اخبار پڑہتی تھی اور اپنے محلہ مین دو ایک جگہ اور یہ اخبار آتا تھا۔ اسطرح مرنے کی خبر مشتہر ہو جانے پر اسکی طرف سے سب کو صبر آجائیگا اور کسیکو مزید تلاش کی فکر نہ ہوگی۔

اب حمید کیطرف سے اسکے دل مین نفرت پیدا ہونے لگی اور اُسنے بخوبی سمجھ لیا کہ حمید کی دوستی نے اسکا بیڑا غرق کر ہی دیا تھا اور اگر غیبی مدد نہ ہو جاتی تو اسکی زندگی سیلاب مین ایک بہتے ہوئے تنکے سے بھی بدتر ہو جاتی وہ سمجھ رہا تھا کہ اسی طرح خدا جانے کتنے جوانان قوم کو حمید نے تباہ کیا ہوگا اور نہ جانے کتنے گھرانے تباہ اور بے چراغ کئے ہونگے۔ اب اسکو ایک ایک کرکے سب باتین یاد آتی جاتی ہین جن پر عمل کرنے کے لئے حمید اسکو طرح طرح سے آمادہ کرتا تھا۔ اسے یہ بھی یاد آگیا کہ خود غرضی اور کسی مصلحت سے حمید نے کیونکر ایک بُری عادت پر رشید کو لگا دیا تھا جس سے اسکو عورتون سے نفرت ہو گئی تھی۔ اسوقت دوپہر کا وقت تھا اور تنہائی کا عالم تھا۔ مسعود کے سامنے حافظہ اور معلومات نے حمید کی تاریک زندگی کا صحیفہ کھول کر رکھ دیا اور وہ اسکی ایک ایک حرکت پر غور کرتا اور نفرین کرتا تھا اور تعجب کرتا کہ کیا تمام رہبران قوم اور معلمین اخلاق آنکھین بند کرکے ملک کی ترقی اور صحت عامہ کے لئے کوشش کر رہے ہین کہ خدا کی دنیا یون بدکارون کے ہاتھون تباہ ہو رہی ہے اور کوئی کچھ بھی اسکا بنا نہین سکتا کیا سب والدین میرے والد مرحوم نواب واجد خان اور میری والدہ مرحومہ کیطرح اپنے لڑکون کی تعلیم اور اوقات فرصت کے مشغلون سے یونہین بے خبر رہتے ہین۔ کیا نسل انسانی کی تباہی اور اخلاق وصحت کی بربادی کے ذمہ دار معلمین اخلاق اور رہبران ملک اور والدین نہین ہین؟

حمید کا بے کہے سُنے ویرہ دون کے مسلم ہوٹل سے یون غائب ہو جانا اسوقت مسعود کو یقین دلا رہا تھا کہ جو کچھ ہوٹل مین ہوا وہ حمید کی سازش سے ہوا۔ فیروزی او کلو کا یون غائب ہو جانا کہ انکے نقش قدم

تک کا پتہ نہ ملا تہا حمید کی عیاری کا نتیجہ تہا۔ یہ دل مین کہتا اور بھنبہناتا ہوا مسعود اپنے کمرہ مین چلا آیا اور اپنی نوٹ بک مین کچھ نوٹ کرنے لگا۔

دن گزرا رات آئی اور یوہین کتنے دن رات گزرے یہانتک کہ مسعود کے باغ امید مین بہار آنے کی تاریخ مقرر ہوئی۔ شادی کے رقعے بٹے احباب واعزا کو خطوط بہیجے گئے۔ انتظام ہونے لگا اور ڈپٹی حکایت یار خان صاحب کی لڑکی امینہ کے ساتھ مسعود کا عقد ہو گیا۔ مسعود اور امینہ کی خوشی کا اندازہ کرنے کے لئے انہین دونون کا ایسا دل چاہئے جس گھر مین دو لال شب چراغ بن کر چمکین اُسکے مقدر کا کیا کہنا۔

دعوت ولیمہ مین ڈپٹی صاحب نے اپنے اُن جگہون کے چیدہ چیدہ احباب کو بھی بلایا تہا جہان جہان وہ برسر ملازمت رہے تھے شاہجہانپور کے پرانے دوستون مین شیخ سبحان علی اور بسم اللہ بیگ بھی مدعو تھے۔ رقعہ مین نوشاہ کی ولدیت مین نواب واجد خان صاحب کے ساتھ مرحوم کا لفظ دیکھکر یہ لوگ بہت ہنسے۔ شیخ سبحان علی وغیرہ نے نواب واجد خان صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ واجد خان نے کہا کہ آپ تو جانتے ہی ہین میرے ایک ہی لڑکا تہا جو گھر سے بہاگ گیا تہا اور اخبارون مین چھپا تہا کہ کراچی جاتے ہوئے وہ سمندر مین ڈوب گیا۔ مدت ہوئی کہ ہملوگ اسے رو پیٹ کر بیٹھے اور اب تو خود مُردون سے بدتر ہین۔ انلوگون نے ڈپٹی حکایت یار خان صاحب کو استفسار حال کے لئے خطوط لکھے شادی اور عقد تو پہلے ہو ہی چکا تہا جسمین مخصوص احباب و اعزا مدعو تھے یہ دعوت ولیمہ کا رقعہ بعد کو تقسیم ہوا اسکے بعد اب کیا ہو سکتا تہا۔

ڈپٹی صاحب انلوگون کے خط دیکھکر سناٹے مین ہو گئے مسعود کو بلایا۔ اودہر اُدہر کی باتین کرکے پوچھا کہ آپ کو اپنے والدین کے مرنے کی خبر کیسے اور کب معلوم ہوئی تھی۔ اسنے سب حال سنایا۔ مسعود نے بہت کچھ پوچھا کہ جناب نے یہ کیون دریافت فرمایا۔ ڈپٹی صاحب نے کہا یوہین پوچھا۔

اسوقت ڈپٹی صاحب بات کو ٹال گئے اور کچھ کسی سے نہین کہا مگر شیخ سبحان علی، بسم اللہ بیگ اور نواب واجد خان کو لکھا کہ آپ لوگون سے کچھ خاص امر مین مشورہ کرنا ہے دعوت کے دن سے دو ایک دن پہلے یہان آجائیے۔ امر معلومہ کے متعلق زبانی گفتگو ہو جائیگی ابھی اسکو یوہین رہنے دیجئے۔

آگرہ جانے کا تہیہ کرکے نواب واجد خان نے مسعود کی مان سے کہدیا تہا کہ مسعود زندہ ہے کچھ کچھ پتہ لگا ہے۔ آگرہ جاتے ہین پھر پلٹ کر سب حال بتائینگے اور اسے یہان لائینگے ادہر مسعود کی مان انتظار کی گھڑیان گن رہی تھی اُدہر بسم اللہ بیگ، نواب واجد خان اور شیخ سبحان علی آگرہ پہونچے اور ڈپٹی حکایت یار خان صاحب سے ملے۔ اُنھون نے بڑے تپاک سے انلوگون کا خیر مقدم کیا بیٹھے اور باتین شروع ہوئین۔ نواب واجد خان وغیرہ نے سب حال بتایا کہ کیونکر مسعود ایکدن اسکول گیا اور پھر پلٹ کر نہین آیا اسکے کچھ دنون بعد اخبارون مین چھپا کہ وہ سمندر مین ڈوب گیا۔ ڈپٹی صاحب نے اپنے یہان کے حالات بتائے اور کہا کہ آپ لوگ مسعود کو دیکھین تو پہچان سکینگے۔ انلوگون نے کہا بیشک۔

ڈپٹی صاحب خود اُٹھکر مسعود کے کمرے مین گئے اور پوچھا کہ آپ شیخ سبحان علی اور بسم اللہ بیگ شاہجہانپوری کو دیکھین تو پہچان لینگے اُسنے کہا جی "ہان"۔

ڈپٹی صاحب مسعود کو لئے آئے جون ہی مسعود اس آرام کمرہ مین پہونچا ہے جہان یہ نووارد مہمان بیٹھے تہے مسعود بے اختیارانہ جذبات کے زور مین "ابا جان، ابا جان" کہتا ہوا دوڑا اور نواب واجد خان سے چمٹ گیا اور رونے لگا۔ نواب واجد خان بھی رونے لگے۔ دردانگیز منظر دیکھکر

عکس تحریر جناب پنڈت شیام کشور صاحب تور کانپوری

حضرتِ وصل! محبت کیش تور کا سلام شوق قبول فرمایئے،

مرقع کے افسانہ نمبر کے لیے ایک کہانی حاضر خدمت ہے، آپ میرے مضمون بھیجنے کو شاید ایک معمولی بات سمجھیں، لیکن یقین کیجیے کہ اس کے صاف کرنے میں میری انتہائی ہمتیں صرف ہوئی ہیں، اور رات کے خاموش لمحے اسی فکر میں گزرے ہیں کہ کسی طرح جلد از جلد یہ افسانہ آپ کی خدمت میں پہونچ جائے، کمبخت بیماری نے دماغی قوتوں کے ساتھ ساتھ قوت عمل بھی سلب کر لی ہے،

معاذ اللہ

آپ کا
تور

عکس تحریر جناب حامد جمال صاحب

وصل صاحب - السلام علیکم - کل بہت سے مضمون کا مسودہ روانہ کر چکا ہوں

آج ایک روسی مصنف کے مضمون کا ترجمہ روانہ کرتا ہوں اگر پسند آوے تو شائع کیجیے گا ورنہ ہماری عنایت سمجھیے گا -

خاکسار
حامد

عکس تحریر شریمتی اُما دیوی نہرو (مسز شیام لال نہرو صاحبہ)

الہ آباد

۱۰ر جنوری ۳۲ء

مکرمی اڈیٹر صاحب تسلیم

ایک افسانہ روانہ کرکے اپنا وعدہ پورا کر رہی ہوں۔ ہندی میں تھا، اردو میں ترجمہ کرا دیا ہے۔ میری اردو کی قابلیت کا اندازہ آپ میری خوشخطی سے کر سکیں گے

ناچیز

اما نہرو

عکس تحریر جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ

جناب اڈیٹر صاحب!

عنایت نامہ ملا۔ بہت ہی افسوس ہے کہ باوجود مدت سے وعدے کے اب تک کچھ نہ لکھا جا سکا۔

سب کو معلوم ہے علالت کا سلسلہ جاری ہے اور جمیع مصروف و پریشان ہوں۔

آپ مجھے وعدہ خلاف نہ سمجھیں بلکہ معذور و مجبور۔ تاہم اب کوشش کروں گی کہ جلد ہی کچھ لکھ کر بصد مسرت بھیج سکوں۔

خاکسار

نذر سجاد حیدر

سوشیلا

(از پنڈت بابو شیام کشور صاحب ورِ سناتن دھرم کالج کانپور)

(۱)

سوشیلا روپ چند کی اکلوتی لڑکی ہونے کی وجہ سے اپنے گھر کا روشن چراغ تھی اسکے آرام و آسائش کا خیال روپ چند کی زندگی کا واحد مقصد تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بیوی کے مرنے کے بعد اپنی عمر کا بہترین زمانہ تنہائی میں کاٹ دیا اور چودہ برس تک صرف سوشیلا کے خیال سے اپنی زندگی کو بے لطف بنائے رہے، لیکن چونکہ لڑکی کی بہ نسبت لڑکے کی خواہش ہر انسانی طبیعت میں تیز ہوا کرتی ہے اسلئے انہوں نے اپنے خاندان کے ایک یتیم لڑکے کو متبنیٰ کر لیا تھا، وہ اسکی تعلیم و تربیت میں کچھ اس انداز سے منہمک رہا کرتے تھے کہ دیکھنے والے حقیقی و غیر حقیقی اولاد میں تمیز نہ کر سکتے تھے، اگرچہ موہن کی عمر اسوقت پندرہ برس کی تھی تاہم وہ انٹرنس میں تعلیم پا رہا تھا سوشیلا کے لئے گھر ہی پر ایک قابل معلمہ کا انتظام کر دیا گیا تھا وہ ہندی اچھی طرح لکھ پڑھ سکتی تھی اور سنسکرت کے اشلوک بھی اسے اچھی طرح یاد تھے،

سوشیلا اور موہن میں کسی قسم کا پردہ نہ تھا، وہ دونوں بھائی بہن کیطرح ایک ہی مکان میں رہتے تھے موہن کو انگریزی پڑھتے دیکھکر سوشیلا بھی پڑھنے کیلئے بیتاب ہو جاتی تھی مگر روپ چند انگریزی تعلیم نسواں کے سخت خلاف تھے وہ اس قسم کی تعلیم کو لڑکیوں کے حق میں زہر قاتل سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ سوشیلا علانیہ طور پر انگریزی نہ پڑھ سکتی تھی البتہ استانی کے چلے جانے کے بعد جب وہ موہن کے کمرے میں اپنا سبق دہرانے کیلئے جاتی تو چپکے سے انگریزی بھی پڑھ لیا کرتی تھی۔

درس و تدریس کا یہ حسین و دلچسپ سلسلہ اسیطرح قائم رہا یہانتک کہ سوشیلا کی جوانی کا وہ طوفانی زمانہ شروع ہو گیا جسمیں کافر ستیاں نظر اور حجابات چھپا مین بھی مستور نہیں رہتیں اور لڑکپن کی بے پروا رفتار کو مغرور بنا کر جوانی کے راز کو طشت از بام کر دیتی ہیں، موہن بھی جوانی کی رعنائیوں سے بہرہ اندوز ہو چکا تھا، اب اسکا دل بھی کسی نئے جوش اور اچھوتے ولولوں کے اثرات سے بیخود رہا کرتا تھا جب سوشیلا شام کو موہن کے کمرے میں داخل ہوتی تو دونوں دیر تک کسی پُر کیف احساس سے مسحور رہا کرتے تھے انکے پاس اب اپنے نازک تعلقات پر غور کرنے کیلئے وقت نہ تھا، اگر انکے دماغ میں کبھی اسکا خیال بھی آتا تو وہ اسے ایک گواہ حقیقت سمجھکر جلد از جلد بھلا دینے کی کوشش کرتے تھے ان کا دل کچھ ایسے جذبات کا مرکز تھا جن سے وہ لطف اندوز تو ہو سکتے تھے لیکن اسے بیان کرنے کیلئے انکے پاس الفاظ نہ تھے۔

(۲)

عشق کی ابتدائی خاموش منزلیں اسیطرح طے ہوتی رہیں یہانتک کہ موہن اب اپنی دلی بیقراری کے اظہار کا موقع ڈھونڈنے لگا، وہ چاہتا تھا کہ اپنی محبت کا وہ تحفہ جسے اس نے اپنے خون سے رنگین کیا ہے سوشیلا کے حضور میں کسی نہ کسی طرح پیش کر دے مگر اسکی یہ تمام جرأت اسوقت ختم ہو جاتی جب سوشیلا اس سے ملتی اور وہ اس کے رعب حسن سے مبہوت ہو کر کسی دوسرے عالم میں پہونچ جاتا، اسے اپنی کمزوری و بزدلی کا احساس اسوقت ہوتا جب سوشیلا اسکے کمرے سے مسکراتی ہوئی چلی جاتی، سالانہ امتحانات کے بعد گرمیوں کی تعطیل میں بند ہیں، ہر طالب علم اپنے امتحان کے نتیجے کا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ انتظار کر رہا ہے، اشاعت نتائج کے زمانہ کا روزانہ حساب لگایا جاتا ہے، کیلنڈر پر سرخ پنسل سے اس تاریخ پر نشانات لگا دئے گئے ہیں، ہر طالب علم کی یہی خواہش ہے کہ کسی طرح آسمان کی گردشیں تیز ہو جائیں اور وہ مقررہ تاریخ جلد آ کر اس کشمکش کا خاتمہ

کردے جس میں انتظار کی صبر آزما گھڑیاں سب سے زیادہ صبح فرسا ہیں لیکن فطرت کا مقرر کردہ قانون کسی خواہش و آزردگی کی پروا نہیں کرتا۔ دن اپنے وقت پر ختم ہو گئے اور رفتہ رفتہ وہ دن بھی آ گیا جس میں امتحانات کے نتائج شائع ہو گئے اور انتظار کرنے والے ناکامی و کامیابی کے اندیشہائے ناگوار سے آزاد۔

موہن جب سوچتا ہے کہ وہ بی۔اے ہو گیا ہے تو اُسکا دل فرط مسرت سے اچھلنے لگتا ہے وہ سوچتا ہے کہ جب میں سوشیلا کو خود جاکر اپنی کامیابی کا مژدہ سناؤنگا تو وہ یقیناً اس پر اپنی مسرت کا اظہار کریگی اور مجھے اپنے دردِ دِل کے اظہار کو موقع مل جائیگا۔ یہ خیال کر کے وہ چلا اور آہستہ آہستہ سوشیلا کے کمرے میں داخل ہو گیا، سوشیلا اسوقت بال کھولے ہوئے کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھی اسے موہن کے آنے کی اُسوقت خبر ہوئی جب اُس نے سوشیلا کے شانوں پر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ رکھدئے، وہ چونک پڑی اور مسکراکر موہن کیطرف دیکھنے لگی، موہن نے پرجوش آواز میں کہا "سوشیلا عزیز سوشیلا میں آج تمہیں ایک ایسی خبر سنانے آیا ہوں جو تمہاری مسرتوں میں ایک نئی مسرت کا اضافہ کریگی، یعنی میں بی۔اے میں امتیاز کیساتھ پاس ہو گیا،

اگرچہ سوشیلا کامیابی کی اس اطلاع کو اس سے پہلے روپ چند اپنے باپ سے سن چکی تھی تاہم اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا خدا تمہاری یہ کامیابی تمہیں مبارک کرے، مجھے اس خبر سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید تمہارے دوستوں میں سے کسی کو نہ ہوئی ہوگی، یہ سنکر موہن نے وفورِ جوش و مسرت میں سوشیلا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لئے آنکھیں ایک دوسرے سے ملیں اور دونوں نے ایک دوسرے کو محبت کا وہ پیام دیا جسے صرف عاشقوں کے دل و دماغ ہی سمجھ سکتے ہیں،

سوشیلا نے موہن کیطرف کچھ ایسی مدہوش آنکھوں سے دیکھا گویا وہ بھی ایک عرصے سے محبت کے بھڑکتے ہوئے شعلے کو اپنے ضبط و حیا کے پردے میں چھپائے ہوئے ہے، موہن اپنے نخل محبت کو اسطرح بارآور ہوتے ہوئے دیکھکر بے اختیار ہو جاتا مگر کسی کے آجانے سے وہ چونک پڑا اور اپنی حالت سنبھالکر یہ کہتا ہوا کہ "اچھا آج کا سبق یہیں تک رکھو کل دیکھا جائیگا" کمرے سے باہر نکل گیا۔

(۳)

ایک دن روپ چند موہن کے امتحان اور آئندہ تعلیم جاری رکھنے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، ہوتے ہوتے گفتگو کا رخ گھر کے انتظامات کی طرف بدل گیا اور روپ چند نے موہن سے کہا، بیٹا موہن میرا خیال ہے کہ سوشیلا کی شادی بہت جلد کر دینی چاہیئے ماشاءاللہ وہ اب جوان ہو چکی ہے کسی گھر کے متعلق تم بھی غور کرو میں بھی فکر کرونگا

سوشیلا کا نام اور پھر شادی کا تذکرہ سنکر موہن کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا اُسکا دماغ چکرانے لگا سانس تیز ہوئی اور وہ بغیر اسکی پروا کئے ہوئے کہ روپ چند اسکی اس حالت سے کیا خیال کرینگے بلا جواب دئے وہاں سے چلا گیا، باہر آکر وہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے کیا وہ سوشیلا جو مجھسے اور صرف مجھ سے محبت کرتی ہے کسی نااہل اور محبت کے پاک جذبے سے بیخبر انسان کے صرف اس لئے سپرد کر دی جائیگی کہ وہ اُسکے خاندان سے نہیں ہے اور رشتے میں بھی کوئی دور کا تعلق نہیں رکھتا ہے اور کیا وہ مجھ سے اسلئے چھینی جا رہی ہے کہ میں اسکا ہم قوم اور اس کے خاندان سے وابستہ ہوں، کاش دنیا کا اندھا اور جابر و بے رحم انسانوں کا بنایا ہوا قانون یہ جانتا کہ محبت کا سرچشمہ دو متعلق دلوں کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے،

(۴)

موہن ان خیالات کو اپنے دماغ میں لئے ہوئے شہر کی جانب چلدیا، تھوڑے ہی عرصے میں وہ شہر کی ایک طویل سڑک کو ختم کرتا ہوا آبادی سے باہر ہو گیا۔ کچھ دنوں تو اسکے اسطرح اچانک غائب ہو جانے کا چرچا ہوتا رہا لیکن رفتہ رفتہ تبدیلی ایام نے اسکی یاد کو دماغوں سے محو کر دیا اور اسکی صورت چشم تصور میں ایک ازیاد رفتہ خواب کیطرح دھندلا سا نقش رہ گئی جسکا عکس آئینہ تفکر پر پڑتا تو ہے لیکن اب دماغوں کے لئے اسکی یاد میں کوئی اثر باقی نہیں رہا،

سوشیلا کی شادی ایدیچند نے بالآخر طے کر ہی اور وہ دن آ گیا جب یہ موہن سے محبت کرنے والی سوشیلا کسی ایسے شخص سے بیاہی جانے والی تھی جو اُسکی عادات واطوار سے قطعاً ناواقف تھا۔ والدین جو شادی کے فرائض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا اپنا مقصد زندگی سمجھتے ہیں اور اسے ایک ناگوار بوجھ کی طرح اپنے کاندھوں سے اُتار کر پھینک دینا اصلی مسرت کا باعث سمجھتے ہیں انہیں نہیں معلوم کہ اس مسرت میں رنج والم کی وہ دل دوز تصویریں پنہاں ہیں جو اپنے غم آفرین اثرات سے انسان کو مطمئن نہیں ہونے دیتیں۔ ارتم سماج کے موجودہ انداز پر سوشیلا کی شادی بھی کسی اجنبی کیساتھ ہو گئی، روپ چند اپنے خیال میں خوشیاں منا کر مطمئن رہتے ہیں انہیں اسکی مطلق پرواہ نہ تھی کہ یہ دونوں متاہل زندگی کی دشوار گزار گھاٹیوں کو کسطرح عبور کر سکینگے، شادی کے بعد سوشیلا اپنے شوہر کے بنگلے میں رہنے لگی اگرچہ اس زندگی کو رسمیں گزر گئیں مگر دونوں میں محبت نہ ہونا تھی نہ ہو ئی، طبیعت کے تضاد نے دونوں کی زندگیاں تلخ کر دیں اور وہ مسرت جو شادی کے بعد متصور کی جاتی ہے یہاں مفقود رہی، آئے دن ان دونوں میں کسی نہ کسی بات پر تکرار ہو جایا کرتی، ڈاکٹر سندلال اب انتہائی طور پر سوشیلا سے بدظن ہو چکے تھے وہ سمجھتے تھے کہ سوشیلا کی اس نفرت کے پردے میں یقیناً کسی کی محبت کام کر رہی ہے، مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے منہ بولے بھائی موہن سے محبت کرتی ہے مگر میں نے اسکا یہ حق چھیننے کے لئے جو جو کوششیں کیں انپر تہذیب انسانی ہمیشہ ہنستی رہیگی، مجھے کیا معلوم تھا کہ اسکی محبت اسقدر دیرپا ہوگی اور سوشیلا اس عیش وعشرت کے باوجود بھی موہن کو نہ بھولیگی، بیشک میں نے غلطی کی اور شدید غلطی کی جسکا نتیجہ سوائے تباہی وبربادی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا

(۵)

پانچ برس رہا ہے، ڈاکٹر سندلال کے باغ میں تمام دنیا کی بہاریں سمٹ کر آ گئی ہیں، کوئلیں وحشی جنگل میں آموں کے درختوں پر کوک رہی ہیں، سوشیلا ان کی یہ کوک سنتی ہے اور دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا کر رہ جاتی ہے، شام کا وقت ہے، ڈاکٹر صاحب آج اپنے ایک بیمار دوست کو دیکھنے گئے ہیں، مکان میں چاروں طرف سناٹا ہے اور سوشیلا، خاموش بیٹھی ہوئی ہے، یکایک باغ کے گنجان درختوں کے پیچھے سے گانے کی یہ سریلی آواز سنائی دی ؎

بابا یہ گھر میرا ہے نا گھر تیرا یہ تو چڑیا رین بسیرا ہے

سوشیلا اس جادو بھری آواز پر تڑپ گئی، آواز برابر قریب ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک پریشان حال سادھو درختوں کے کنج سے نکلکر باہر کھڑا ہو گیا، ریاضت کا نور اُسکے چہرے پر برس رہا تھا، اسکی نظروں میں دنیا ہیچ معلوم ہوتی تھی سوشیلا اُسے دیکھتے ہی کانپنے لگی، اُسکی روح کسی نامعلوم کشش سے سادھو کی طرف کھچنے لگی، وہ اپنے حافظہ پر برابر زور دیتی تھی مگر اُسکی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کون ہے تاہم اسے ایسا معلوم ہوا کہ اُسکی آواز وہ کبھی سن چکی ہے، وہ چلی اور چلکر سادھو کے قدموں پر گر پڑی اُسنے کہا "مہاراج مجھے اپدیش دیجئے میرا جیون کٹھنائیوں سے بھرا ہے" سادھو جو باوجود ترک دنیا کے محبت کی بیتاب شعاعوں کو اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپائے ہوئے تھا یہ الفاظ سنکر بیقرار ہو گیا، وہ اس کو بھول گیا کہ اسکی حیثیت کیا ہے اور وہ کہاں ہے، سوشیلا اب پہچان چکی تھی کہ سادھو کے بھیس میں اسی کے ساتھ کا کھیلا ہوا موہن ہے، دونوں بیخودانہ انداز میں ایک دوسرے سے لپٹ گئے، اور معلوم نہیں یہ بیخودی انپر کب تک طاری رہی سادھو نے اپنی دردناک آواز میں کہا "سوشیلا آج کی ملاقات ہماری آخری ملاقات ہے" اور یہ الفاظ جو میری زبان سے نکل کر فضا میں گونج رہے ہیں پھر کبھی نہ نکلینگے، ان الفاظ میں خدا جانے وہ کونسا جادو تھا جسنے سادھو کی دلی کلفتوں میں آگ لگا دی وہ بے چین ہو گیا، آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے اُسنے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اُس کے ہاتھ بلند ہوئے جس میں کوئی تیز چمکدار چیز ڈوبتے ہوئے سورج کی ہلکی شعاعوں میں چمکی اور یکبار بدقسمت سادھو کے سینے میں پیوست ہو گئی گرنے کی آواز کے ساتھ ہی وہ خنجر سوشیلا کے ہاتھ میں تھا، آج پھر دنیا اسکی نظروں میں تاریک تھی، اور وہ اپنی اس الم ناک زندگی کا جلد سے جلد خاتمہ کر لینا چاہتی تھی بنگلے کے نوکر اس منظر کو دیکھکر سوشیلا کی طرف دوڑے مگر اس سے پہلے کہ اُن کے قدم اسکے نزدیک آئیں اسی خنجر نے اسکی روح کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محبت ورضامندی کے خلاف شادیوں کا کیا انجام ہوتا ہے!۔

خدا حافظ

(از جناب حامد جمال صاحب)

جب کوئی کسی سے جدا ہوتا ہے تو اُس کے احباب مختلف پیرایوں میں اظہار مفارقت کرتے ہیں۔ کوئی امام ضامن باندھتا ہے تو کوئی ہار ڈالتا ہے کوئی سعدی کا شعر پڑھتا ہے "دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست" تو کوئی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتا ہے مگر آہ۔ اس دور راستا رہ کی حالت سے کوئی بھی واقف نہیں ہوتا جس کے پاؤں استقلال کے بارسے زمین میں گڑ جاتے ہیں۔ درجیکے دبیز ہونٹ جذبات کے دباؤ سے ایک دوسرے سے منجمد ہو جاتے ہیں۔

پنجاب میل کے دیو صورت انجن نے جیوں ہی سیٹی دی بدر النسا کو دکر ڈبے میں داخل ہوگئی اور گاڑی کے پہیئے کے پہلے چکر کیساتھ متعدد رومال جنبش میں آئے۔ گویا یہ جذبات کی لہریں تھیں جو ہوا پر اڑکر اُس تک پہونچا چاہتی تھیں مگر وہ گزشتہ صحبتوں کے بارسے اپنے دماغ کو ہلکا کرتے اور ان کے آخری حملے سے بچنے کیلئے اپنے رومال کو زور سے ہلا ہلا کر اُن کو منتشر کرنے اور ان سے پناہ پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہاں یہ ہنگامہ گرم تھا اور جوش مفارقت میں کتنی ہستیاں جنبان تھیں مگر ایک اور تنہا ایک حمید دور آڑ میں کھڑا خدا جانے کس قلب سے اس کیفیت کا نظارہ کر رہا تھا۔

وہ خود اس قدر ساکت تھا کہ اسٹیشن کی تمام چہل پہل اور اسکا سارا شور و غل سب اس کے پاس آتے آتے ساکت ہو جاتے تھے وہ ہمہ تن تصویر تھا اور اُس کی آنکھوں کی شعائیں کسی خاص مطمح پر نہیں پڑ رہی تھیں۔ وہ یک بیک انجن کی کرخت آواز سے چونکا اور گاڑی کو چلتے دیکھ کر اُس کے ہونٹ ایک دوسرے سے یک بیک جدا ہو گئے اور ایک نحیف آواز اُس کے منہ سے نکلی جس کو خود اسکے کانوں نے مشکل سے سنا "خدا حافظ"

یہ جملہ خدا معلوم کتنے بار اس کی زبان سے نکل چکا ہے۔ سیکڑوں دوستوں کو اس نے یہی کہہ کر رخصت کیا ہے پچاسوں عزیزوں سے وہ اسی جملہ کے بعد جدا ہو چکا ہے۔ خود بدر النسا سے اس کے قبل جب وہ جدا ہوتا تھا اور بارہا جدا ہوتا تھا تو اسی جملے کے ساتھ، مگر اُسوقت یہ جملہ آئندہ جلد ملاقات کی تمہید ہوتا تھا یہ مفارقتی پیغام آئندہ کے لئے نوید ملاقات ہوتا تھا۔ یہ ہجر کا نوٹس وصل کے سمن کی تعمیل ہوتا تھا۔ اس میں جوش و ارماں کا ایک دریا موجزن رہتا تھا اور اس کے ماتمی پیراہن میں ہزاروں زندگیاں رنگ رلیاں کرتی نظر آتی تھیں۔ مگر آج وہی جملہ جو اس کی حیات کے لئے باعث ارتعاش تھا۔ وہی جملہ جو اُس کے جوش و ولولہ کا محرک تھا وہی جملہ جو اس میں روح پھونکنے کے لئے صور اسرافیل تھا اس کے رہے سہے ہوش اور اس کی باقی ماندہ امید کو لے کر جسم سے روح بنکر نکلا۔

بدر النسا کوئی عفیفہ نہ تھی بلکہ اک شاہد حسن فروش۔ وہ اپنے خداداد حسن اور شوخی کے ساتھ بلا کی ذہین و طباع تھی اور اپنی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں اُسنے

اپنے تمام ہم پیشیوں میں ایک خاص ممتاز حیثیت پیدا کر لی تھی وہ صرف علم موسیقی ہی میں کمال نہیں رکھتی تھی بلکہ جس آب و ہوا میں وہ پلی تھی اور جس گہوارۂ تمدن میں اُس نے نشو نما پائی تھی اُس کے لحاظ سے ایک مکمل عورت تھی۔ اُس نے انسانی فطرت کا اچھی طرح مطالعہ کیا تھا اور حیوانی قوت پر ناز کرنے والی قوم یعنی مردوں کی کمزوریوں سے خوب واقف تھی۔ وہ صرف انہیں پر نہیں عبور رکھتی تھی اور مردوں ہی کی زباں کو اپنی مطلب برآری کا آلہ نہیں بناتی تھی بلکہ اُس کی بہنیں اور خصوصاً اُس کی ماں بھی اس کی خواہشوں کی شکار تھیں۔ ہر وہ شخص جو اُس کے یہاں سے ناراض ہو کر اُٹھتا تھا وہ اُس کا شاکی نہیں بلکہ اُس کی ماں کا ہوتا تھا اور وہ ایک خفیف مسکراہٹ کے ساتھ اُن لوگوں کی حماقت سے لطف اندوز ہوتی تھی۔

جس عورت میں کمسنی ہو حُسن ہو اور اتنی عقل و فراست ہو تو اُس کی زندگی کتنی کامیاب ہوگی! اب وہ اپنی دولت کے لئے بھی مشہور ہو چلی تھی۔ لیکن باوجود ان تمام شہرت و نمود کے اُس میں ایک ادبی ذوق بھی تھا۔ اُس کو حسن کی ہنگامہ آرائی اور پیشے کی مصروفیت سے گو بہت کم فرصت ملتی تھی مگر وہ اپنا تھوڑا سا وقت کتب بینی میں روزمرہ ضرور صرف کرتی تھی۔ اور چونکہ عورتوں کی کتب بینی کی کتابیں زیادہ تر مذہبی امور پر چھپی ہوئی ہیں اسی کا غالباً یہ اثر تھا کہ وہ کبھی کبھی نماز بھی پڑھ لیتی تھی اور بلا ترجمہ تلاوت بھی کر لیا کرتی تھی۔

بدر النسا نسوانی عمر کے کمال سے گزر کر اب دو تین برس اور بڑھ گئی تھی یعنی اُس کی عمر تیئس ۲۳ جو بیس برس کی تھی اور جس طرح مردوں کی عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے اُن کا معیار حسن بڑھتا جاتا ہے اسی طرح اب اس کے عشاق کی عمریں یا مدتیں زیادہ بڑی ہونے لگیں تھیں یعنی اب وہ جلد جلد اُس کی ماں سے ناراض نہیں ہوا کرتے تھے اس میں متانت و سنجیدگی کے ساتھ ایک انقلاب پیدا ہو رہا تھا جو ہر کمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اپنے پیشے کے انتہائی عروج کو پہونچکر اور اس کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو کر اب اس کی طبیعت نے پلٹا کھایا۔ وہ کھانا پکانے اور کپڑا سینے میں دلچسپی لینے لگی اور اکثر پائجامہ دوپٹہ پہن کر اپنے کو ایک بی بی خیال کرنے میں اُس کو ایک خاص مسرت ہوتی تھی گو خود شناسی اس مسرت کو آناً فاناً اضمحلال سے بدل دیتی تھی رفتہ رفتہ اس بی بی بننے کے شوق نے اُس کے دل میں ایک مضبوط جڑ پکڑی اور اب وہ اپنے حلقۂ عشاق پر نظر انتخاب ڈالنے لگی اس میں اُس نے عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ طبیعت کی خودداری اور ہر پہلو پر غور و فکر کی عادت نے اس نیک کام میں ایک خاصی مدت لگا دی۔ آخر کار مردے از غیب بروں آید و کارے بکند کا مصداق بنکر ایک شخص اس کے سارے وہم اور وسوسے پر غالب آیا اور اُس نے اس کے ساتھ چپکے سے نکاح پڑھا لیا۔ ہاں نکاح ضرور چپکے سے پڑھایا مگر عام رواج کے مطابق وہ اس کیساتھ چپکے سے چل نہیں کھڑی ہوئی۔ وہ اپنی تمام ذمہ داریوں کو محسوس کرتی تھی اور خصوصاً اُس کو اپنی ماں کا زیادہ خیال تھا جس کے رزق کا وہی سہارا تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب اپنا سارا اہتمام اور اپنے مستقل شوہر سے مزید اطمینان

کر چکی تو اُس نے اس نکاح کا حال اپنی ماں سے کہا جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ چاروں طرف سے لعنت ملامت کی آماجگاہ بن گئی یہ دنیا کی کوئی نئی رسم نہیں ہی۔ وضع خیال کی ہر ندرت و طبندی لامذہبی اور بدچلنی سے تعبیر کی جاتی ہے جس کو بے حس اپنی اصطلاح میں نہایت فخر کے ساتھ وضعداری کہتے ہیں۔ گو یہی انقلاب طبیعت خدا کا قانون تبادلہ ہے۔ بہرحال اسوقت ہمیں اس بحث سے سروکار نہیں۔ بدر النسا نے اک بدچلنی اور بدمعاشی کے الزام کو جسمیں اُس کے چند پرانے عشاق بھی شامل تھے ایک عورت کے صبر و تحمل سے برداشت کیا اور ایک عورت کے عزم سے ان کا مقابلہ کرنے کے بعد ان پر حاوی ہوئی۔ زمانہ کی مدت نے خود ہی لوگوں کو بے حس کر دیا اور اب وہ اطمینان کی زندگی کچھ دنوں گھر پر بسر کرنے کے بعد اپنی ماں کا پورا پورا انتظام کر کے اپنے شوہر کے ساتھ سسرال روانہ ہو گئی۔

حمید بدر النسا کو دور سے خدا حافظ کہہ کر کسی طرح اپنے مکان تک ہو بچا مگر اب ان کا بھی خدا حافظ ہے۔ گو یہ نئی مصیبت ان کے لئے نہیں ہی۔ یہ صحیح معنوں میں عاشق ہیں یعنی ان چند برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں جن کو مسرت و شادکامی سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہیں رہا۔ ان کی تکالیف خیالی سہی مگر عشق تو خیالی جنون ہی ہی۔ کسی باعمل شخص کو ہجر کی تکلیف نہیں گوارا کرنی پڑتی ان کی انتہائی مسرت یہ تھی کہ بدر النسا کے ملاقاتی کمرے میں دور ایک گوشہ میں بیٹھ کر دوسروں سے اس کی گفتگو اور مذاق کا لطف اٹھائیں اور چپکے گھر چلے آئیں۔ نہ منہ سے بولیں اور نہ سر سے کھیلیں۔ اب جب وہ عقد کر کے چلدی تو ہائے واے ہے اور یہ ہیں۔ کچھ دنوں تک تو یہ چارپائی پر پڑے اور اپاہج عاشقوں کی طرح اُس کو کوساکئے اور اُس کی بیوفائی کا گلہ کیا کئے۔ جس میں سیر و تفریح بھی چھوٹی غذا میں بھی کمی تاآئی نقاہت و ضعف بھی بڑھا اسی کے ساتھ ہی ساتھ حضرت جنوں کی بھی زیادتی ہوئی۔ اب ان کو ترک دنیا کے شوق میں سیاحی کی سوجھی۔ لیکن جو شخص موت سے جتنا ہی بھاگتا ہے اُتنا ہی اُس کا خوف اُسپر غالب رہتا ہے۔ اسی طرح بدر النسا کے ترک خیال سے انھوں نے گھر چھوڑا مگر اس کے بھوت کا بار ہر قدم کی گردش کے ساتھ ان کے سر پر بڑھتا گیا جس گلی کوچے سے گزرے کبھی اُس کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ کبھی اُس کی تان کانوں میں سمائی جس راہ سے گزرے اُس نے ان کو پیچھے سے پکارا اور غائب ہو گئی۔ جس کوٹھے پر نگاہ پڑی اُس کی سیڑھیوں سے وہ اُترتی نظر آئی جس سرا میں ٹھہرے وہاں رقص و سرود کی ہر محفل میں وہ دکھائی دی۔ سوئے تو آکر اک نگاہ غلط انداز ان پر ڈالی اور اُنکی نیند کافور تھی۔ ایک مدت تک اسی طرح سرگرداں و پریشان ہو کر اب انھوں نے ایک نئی اپج کی لی۔ آبادی کو چھوڑ کر اب ویرانہ بسانے کی ترکیب ذہن میں آئی لیکن بدر النسا کہاں۔ ساتھ چھوڑتی ہے۔ وہ بھی باوفا ہے اور کیسے ساتھ چھوڑ سکتی ہے۔ جس کا جسم خود دماغ بن گیا ہو اور جس کا خیال خود خون بنکر رگوں میں جاری و ساری ہو وہ کیسے ایک منٹ کے لئے بھی علٰحدہ ہو سکتا ہی۔ لارڈ بائیرن اگر ملتے تو ان کو سلام کر کے کہتا کہ حضرت آپ نے تو فرمایا ہے کہ مردوں کی محبت مردوں کی

زندگی سے ایک جُداگانہ شے ہے لیکن عورت کی ساری ہستی"
مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے سوائے اس کے کہ اُن کو مرد نما
عورت کہا جائے اور کیا ہو سکتا ہے۔ غرض جنگل میں بھی اسی
بلا کا سامنا کرنا پڑا۔ درخت سے اگر کوئی پتہ کھڑکھڑا کر گرا تو
بدرالنسا تالیاں بجاتی اتر آئی، اگر ندی میں سوار بہتے دیکھا
تو معلوم ہوا کہ اُس نے غوطہ لگایا اور زلفیں اوپر بہ رہی ہیں۔
بونڈے اُٹھے تو اُن میں وہ رقص کرتی نظر آئی، چڑیاں
اگر چہچہائیں تو اُس نے بھیرویں گائی، آبشار کے ترنم کی
صدا کانوں میں سمائی تو اس کی شیریں کلامی کا لطف ملا۔
مختصر یہ کہ کوئی ایسی شے نہ تھی جس پر انکی نگاہ پڑتی اور
بدرالنسا نہ نظر آتی حتیٰ کہ انکو جس چٹان پر ان کا سر ہوتا
تھا وہ بدرالنسا کا زانو بن جاتا تھا۔ ایک رات یہ سو رہا
تھا کہ بدرالنسا آئی مگر خاموش اور خشم آلود۔ یہ سہما ہوا
اُس کی طرف بڑھا مگر وہ غائب تھی۔ یہ اُٹھ بیٹھا مگر اُس پر
ایک خوف طاری تھا۔ اب یہ اُس کے اسباب و علل پر غور کرنے لگا
کیا وہ مجھ سے ناخوش ہے؟ میں نے تو کوئی خطا نہیں کی۔ میں
تو اُس کا ویسا ہی دلدادہ ہوں جیسا پہلے تھا لیکن نہیں میں
اپنے کو اور اُس کو دونوں کو دھوکا دے رہا ہوں وہ ضرور
ناخوش تھی۔ اور اُس کی کھلی ہوئی وجہ یہ تھی کہ میں اُس کے
خیال کے ترک کرنے کی کوشش میں تمام جنگل اور ویرانے چھانتا
رہا ہوں اور در بدر کی خاک اڑاتا پھرتا ہوں۔ کیا معشوق
کے بھول جانے کا نام عشق و وفا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، لیکن آہ
کیا کروں اُس کی یاد سوہان روح ہے اس کا بھول ہی جانا بہتر ہے
لیکن کیونکر؟ یہ بھی تو اپنے اب بس سے باہر معلوم ہوتا ہے بہرحال
اُس کی ناراضگی کسی طرح گوارا نہیں مگر اُس کے خوش کرنے کی
صورت؟ اس پر وہ دیر تک ساکت رہا اور آخر جب اُس نے
گردن اُٹھائی تو اُس کے چہرے پر ایک خفیف سی بشاشت
تھی۔ ہاں مجھکو وطن جاکر ایک صبر و سکون کی زندگی بسر کرنی چاہئے
اور اپنا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرنا چاہئے
خدا کا نام جب زبان پر ہوگا تو کوئی خیال نہ آئے گا اور مجھے
ہر طرح سے امان ملجائے گی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اُس نے
فوراً رخت سفر باندھا اور رخت سفر تھا ہی کیا۔ کرتے کے
پھٹے دامن سمیٹ کر باندھ لئے اور چل کھڑے ہوئے آخرکار
خدا معلوم کہاں کہاں کی خاک چھانتے ہوئے آپ دولتخانے
پر تشریف لائے

یہاں آکر آپ نے اپنے مجوزہ پروگرام پر عمل شروع کر دیا ریاست
کے انتظام سے پہلے ہی کب سروکار تھا اب بت پرستی کے ترک میں خدا
پرستی شروع کی۔ اشراق۔ چاشت۔ تہجد۔ غرض کسی نفل اور سنت
کو نہ چھوڑا لیکن بدرالنسا اپنی وفا کی سنت کو کب چھوڑنے والی تھی
انھوں نے نیت باندھی اور وہ سامنے کھڑی تھی۔ یہ سجدے میں گئے
اور اُن کے ہونٹھ اس کے ہونٹھ سے مس ہوگئے یہ چونک کر اُٹھے اور
جلدی سلام پھیرا تو وہ دور کھڑی اور اس کے بعد غائب تھی۔ توبہ
و استغفار کی ہر تسبیح کے بعد وہ اُن کے اور قریب آجاتی تھی غرض
بدرالنسا کی عینک اُن کی آنکھوں سے سوتے میں بھی نہیں اترتی تھی
اب ان کو اس وہم نے گھیرا کہ یہ تصویر جو ہر وقت میرے سامنے رہتی ہے

وہ واقعی بدرالنسا ہے یا کوئی شیطان یا کوئی فرشتہ جو اس صورت میں رونما ہو کر میری علویت کا باعث ہوتا ہے۔ہاں یہ ضرور کوئی فرشتہ ہے۔عشق مجازی ہی سے تو عشق حقیقی ہوتا ہے ورنہ خدا کا نام لیتے کوئی شیطان کب آ سکتا ہے۔لیکن جنگل میں جب یہ شکل نظر آتی تھی تو غصے سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔رحمت الٰہی غضب کی صورت میں کب رونما ہوتی۔لیکن اگر یہ شیطان ہے تو اس نے بہکایا کیوں نہیں، اس نے تو ریاضت وعبادت کی ترغیب دی، یہ شیطانی فعل نہیں ہو سکتا۔اچھا اگر یہ فرشتہ ہے تو کیا خدا نے میرے لئے ایک چوکیدار مقرر کیا ہے جو ہر وقت مجھ پر مسلط رہے۔اور وہ بدرالنسا ہی کی صورت میں کیوں نمودار ہوتا ہے اور خصوصاً جب میں نماز پڑھتا رہتا ہوں اس کو تو خواب میں آکر تلقین وہدایت کرنی چاہیئے نہ کہ خدائی فرض کی ادائگی میں حارج ہو۔غرض اس مسئلہ کا حل کوئی آسان کام نہ تھا۔اشتباہ وتیقن میں سخت جنگ تھی۔ہر وہ دلیل جسکو یہ اپنا سنگ بنیاد بنانا چاہتے تھے آناً فاناً ملیامیٹ ہو جاتی اور یہ چکرا کر رہ جاتے۔یہ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ ایک شب تہجد کی نماز ادا کرتے ہوئے جب انھوں نے سلام پھیرا تو ان کی نگاہ بدرالنسا کی تصویر پر جو کمرے میں ٹنگی ہوئی تھی جا پڑی۔تصویر کو ایک حرکت ہوئی اور بدرالنسا اپنے حسن کے انتہائی چھب کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔اس کے ہونٹوں کو یکایک جنبش ہوئی اور اس نے کہا۔

"حمید۔حمید۔تو مجھ سے بھاگتا ہے۔میرے خیال کے ترک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔بیوقوف کون مجھ سے بھاگ سکتا ہے میں نے کتنے دور دیکھے ہیں۔کبھی لیلےٰ بن کر میں نے مجنوں سے بادیہ پیمائی کرائی ہے۔کبھی شیریں بن کر فرہاد کا خون بہایا ہے۔کبھی دمن بنکر نل سے تاج وتخت چھڑایا ہے اور کبھی نورجہان بن کر جہانگیر کی امور سلطنت میں دستگیری کی ہے اب میں بدرالنسا کی صورت میں ظاہر ہوئی ہوں۔مجھ سے بھاگ کر کوئی مجھ سے چھٹکارا نہیں پا سکتا بلکہ مجھے حاصل کر کے راحت وسکون پا سکتا ہے"...... حمید کے کانوں میں یہ صدا آ رہی تھی اور وہ مبہوت وگم آنکھیں پھاڑے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔اب جب ذرا چونکا تو بدرالنسا کا مجسمہ تصویر میں سمایا ہوا اسی کی طرف رخ کئے دیکھ رہا تھا یہ ایک عجیب اضطراب ووارفتگی میں اس کی طرف بڑھا اور تصویر کو سینے سے لگا لیا۔

"بے شک بے شک" حمید نے تصویر کو ہاتھ میں لیکر کہنا شروع کیا۔"مجھ سے بڑی غلطی ہوئی میں تجھ سے چھٹکارا نہیں پا سکتا ہوں مجھے تجھے حاصل کرنا چاہیئے، تجھ سے ہم آغوش ہونا چاہیئے، تیرے پیارے لبوں کے شیریں بوسے لینا چاہیئے۔اور تیرے قدموں پر اپنا سر نثار کر دینا چاہیئے۔ہاں عشق ومحبت اسی کا نام ہے۔پرانے احمقوں نے خیالی تصور کا نام عشق رکھ چھوڑا ہے وہ لوگ کتنے بڑے گدھے ہیں جو محبت کو بے غرض بتلاتے ہیں، جب بے غرضی ہوئی تو محبت کہاں؟ کون انسان بے غرض پیدا ہوا ہے یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔صرف ایک نسبتی فرق ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی زندہ ہستی بے غرض ہو۔ایک زاہد کی عبادت میں بھی تو غرض شامل ہے وہ سب کچھ حوروں کے حصول کے لئے کرتا ہے۔محبت محبت۔اس کی غایت اور منشا یہی ہے کہ دو ہستیاں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو جائیں۔جذبات کے ابھار کا نام محبت ہے اور انسان خاکی ہے اور مادیت سے جدا نہیں ہو سکتا اسلئے

عشق وہی عشق ہے جو مادی خواہشات کا مجموعہ ہو جسمیں جذبات کے بہاؤ اور اخراج کی صورت ہو۔ لطف صحبت ہو۔ گرمجوشی ہو حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے۔ مے دو سالہ و معشوق چاردہ سالہ یہ ہے عشق اور عشق کی غایت سچی اور حقیقی زندگی اسی کا نام ہے۔ آہ میں کس خواب خرگوش میں پڑا تھا جو یوں زندگی برباد کی بدر النسا نے سچ کہا کہ لیلی بنکر میں نے مجنوں سے خاک چھنوائی وہ مجھ سے بڑا بیوقوف تھا کہ زندگی بھر نہ سمجھا۔ بھلا میں تو جیتا ہی لیکن کیا خاک جیتا مجنوں کو تو زندگی بھر اس کا موقع رہا مگر میں تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا کیا اور اس خیال میں مگن رہا کہ وہ اگر جسم پر قابض ہے تو میرا اس کا توصل روحانی ہے، ہائے یہ نہ سمجھا کہ آسمان سے نیلا پن اگر جدا ہو جائے تو آسماں کا وجود کہاں باقی رہتا ہے جسم سے روح اگر نکل جائے تو زندگی کہاں باقی رہتی ہے جو جسم پر قابض ہوگا وہ روح پر بھی اس لئے کہ روح جسم کے اندر ہے نہ کہ جسم روح کے اندر۔ لیکن اب کروں کیا وہ غیر کی ملک ہے۔ کچھ بھی ہو مجھے ہمت نہیں ہارنی چاہیئے مجھے اس کے حصول کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے لیکن کیسے اور کیونکر؟

بدر النسا کے عقد کو نو برس کا زمانہ گزرا۔ اس عرصے میں حمید نے اتنے پلٹے کھائے۔ اور اب "کیونکر" کے چکر میں ہیں۔ یہ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ اُن کو معلوم ہوا کہ بدر النسا بیمار ہو کر اپنی ماں کے گھر آئی ہے اور طبیعت زیادہ ناساز ہے یہ سننا تھا کہ ہانپتے کانپتے فوراً اپنے اڈے پر پہونچے اور اُس کی ماں سے جا کر ملے۔ بدر النسا کی خیریت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ چراغ سحری ہو رہی ہے انھوں نے گڑگڑا کر یہ التجا کی کہ بدر النسا سے کہو کہ دو منٹ کے لئے مجھ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے۔ ماں بیٹی کے پاس گئی اور حمید کی درخواست پیش کی۔ یہ سنکر بدر النسا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اُن کی محبت میں نہیں بلکہ گزشتہ گناہوں کی یاد سے۔ اور اُس نے نحیف آواز سے کہا کہ اب میں چند دنوں کی مہماں ہوں بلا لو کیوں خاطر شکنی کیجائے"۔ اُن کی صورت دیکھکر پرانی بدکاریوں کی تمام گرم گرم صحبتیں اُسکو یاد آگئیں اور وہ زار و قطار رونے لگی اُس نے اُن سے ٹوٹے ہوئے جملوں میں کہا حمید صاحب خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مجھے راہ راست کی ہدایت کی مجھ ایسی بدکارہ کی توبہ قبول کی اور موت کے خوف کو جو ہر وقت مجھ پر اپنے گناہوں کیوجہ سے طاری تھا اپنے ولیوں اور فرشتوں کی زیارت سے دور کیا، میں موت سے بالکل ہراساں نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں کہ یہ ناکارہ زندگی جلد ختم ہو رہی ہے۔ یہ کہتے کہتے جذبات کے باعث اُسکی سانس اُکھڑ گئی اور اُس نے پانی مانگا۔ اُس کی ماں دوڑ کر پانی لینے گئی اتنے میں بدر النسا نے ایک ہچکی لی اور حمید کو خدا حافظ کہکر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئی۔

اس اندھے کو یہ تو سوجھا نہیں کہ وہ مردہ ہے یہ اپنے جنون میں اُسکی طرف یہ کہتا ہوا لپکا کہ نہیں۔ تو زندہ رہ اور میری ہو کر زندہ رہ۔ زندگی کا یہی لطف ہے یہ کہکر چاہتا تھا کہ اُس سے لپٹ جائے اور اسکا بوسہ لے کہ اُس کی ماں آگئی اور اُس نے زور سے اُس کو ڈھکیل کر کہا کہ دور ہو مردود۔ حمید کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور اُس نے اپنے منھ پر ہاتھ پھیرا تو خود اسکو اپنے چہرے کی سیاہی کا احساس ہوا۔

اسنہلتا

(از جناب اُما دیوی نہرو صاحبہ)

سورج نکلنے مین ابھی کچھ عرصہ باقی ہے، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے کبھی کبھی اِدھر اُدھر سے چڑیوں کے بولنے کی آواز آتی ہے مگر اُن کے فوراً ہی خاموش ہو جانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے محسوس کر لیا کہ صبح ہونے مین ابھی کچھ دیر ہے اور وہ پھر اپنی معصوم نیند مین مصروف ہو گئین یہ بے ہنگام صدائین خاموشی کو اور بھی دوبالا کر رہی ہین، اندھیرا کچھ ایسا ہے کہ بجائے دنیوی چیزون کے چھپانے کے انکو ڈراؤنا بنا رہا ہے، سب درخت دیوار، ٹیلے بلکہ کھیت اور میدان تک بھوت پریت کی شکلون مین ظاہر ہو ہو کر دیکھنے والے کو ڈراتے ہین ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے ہین مگر درخت ہلتے معلوم نہین ہوتے، سنسان درختون کے پتون کی سنسناہٹ اُن کے آنے کی خبر دیتی ہے، عجیب تکلیف دہ سمان ہے تمام دنیا ایک مردہ جسم کی طرح ہو رہی ہے جسمین سے روح کو نکلے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے کہ ایک بھیانک مُردنی اُسکے چہرے پر ہمیشہ کے لئے چھا گئی ہے۔

....

ہیم چندر کے دو منزلے مکان کے بالائی کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے تمام مکان مین سناٹا ہے، ایک چھوٹا سا چراغ اُس تنگ کمرے مین اپنی دھیمی اُداس روشنی پھیلا رہا ہے کھڑکی کے سامنے اسنہلتا اپنا چہرہ دونون ہاتھ پر رکھے کھڑی ہے اُسکی غم بھری خوبصورت آنکھین قدرے سرخی مائل ہین اور اُنکے گرد ایک ہلکا سیاہ حلقہ معلوم ہوتا ہے، رنگ مین کچھ زردی زیادہ ہے اُس کے پتلے اور خوشنما ہونٹ ایک دوسرے سے ایسے لپٹے ہوئے ہین کہ اُن دونون کے مابین ایک غیر معمولی لیکن نہایت ہی صاف لکیر نمایان ہے، اُس کے چہرے اور اُس کے طرز سے یہ ٹپکتا ہے کہ اُسنے ساری رات اپنی آنکھون مین گذاری ہے اور خدا جانے وہ کون بیکل کر دینے والے خیالات ہین جنہون نے اُسے لمحہ بھر آرام لینے کی مہلت نہین دی، نہین معلوم وہ کون سے عقدے ہین جن کے حل کرنے مین وہ ایسی محو ہے نہین معلوم وہ کیا باتین ہین جنکا خیال کر کے وہ بار بار آنکھون مین آنسو بھر لاتی ہے درد، انتہا کا درد اُس کے چہرے سے نمایان ہے مگر ساتھ ہی اس کے ہونٹ اور اسکی آنکھین ایک غیر معمولی استقلال کی خبر دے رہی ہین جو عموماً ایسے نازک اور بھولے چہرون مین نہین پایا جاتا۔.........

اسنہلتا اپنے دھیمی دھیمی اُداس روشنی والے کمرے مین تنہا اپنے خیالات کے طوفان مین ڈوبی کھڑی ہے، باہری دنیا کے وجود کی اسکو کوئی خبر نہین، معلوم ہوتا ہے کہ درد و الم کی ایک دلکش پتلی کسی نے کھڑکی کے سہارے کھڑی کر دی ہے،

چراغ کے قریب والی میز پر سے ایک کتاب زمین پر گری، آواز کچھ ایسی تو نہ تھی مگر اسنہلتا پر اُسکا عجیب اثر ہوا، وہ گھبرا گئی، کانپ اُٹھی، اور نہایت ہی ڈری ہوئی نگاہون سے اُسنے سیڑھی کے دروازے کی طرف دیکھا وہان کچھ بھی نہ تھا، وہی چھوٹا سا چراغ اپنی اُداس روشنی کمرے مین پھیلا رہا تھا۔

اسنہلتا پھر اپنے خیالات مین مصروف ہو گئی۔

"انسان بھی عجیب چیز ہے، جس دل پر موت کے خیال نے کوئی اثر

نہین ملا، جس دل اور فنا کے درمیان چند ہی قدم کا فاصلہ ہے مگر وہ ذرا بھی ہراسان نہین، وہی اب اس کتاب کی آہٹ سے ایسا دھڑک رہا ہو کہ رو کے نہین رکتا۔ میرے نادان دل! تو سمجھا کہ ماتا جی آگئین اور اُن کے آنے کے خیال نے تجھکو اسقدر ڈرا دیا، ایسا ہلا دیا۔ تیرا ڈرنا بیجا نہین کیونکہ اگر ماتا جی آگئین ہوتین تو ساری مصیبت تیرے ہی سر جاتی۔ دنون کی کاوش اور کوفت کے بعد آج تو اپنی منزل آخر پر پہونچا ہے اور اب تجھ مین اسقدر طاقت باقی نہین کہ تو دوبارہ اُن مصیبتون کو اُس اندرونی کشمکش کو برداشت کرسکے جنہون نے تجھکو شاعی کر چھوڑا۔ مگر تو اب کیون دھڑکتا ہے تیرا خوف بے سُود ہے، دُنیا ابھی اپنی خواب راحت مین مصروف ہے اور پیشتر اس کے کہ وہ بیدار ہو تیرے اور اُس کے درمیان عدم کی گھاٹی ہوگی جسکو کوئی پار نہین کرسکتا.........."

"میرے پیارے دل! جب سے تو میرے قبضے مین آیا، مین نے تجکو کبھی چین نہ دیا۔ ہمیشہ دوسرون کے آرام کے لئے تجھکو کڑھایا، تجھکو جلایا، تو مچلتا تھا، تو شکایت کرتا تھا مگر مین نے تیری ایک نہ سنی، تجھکو تنگ کرڈالا دُنیا آرام کی جگہ نہ تھی جو مین تجھکو آرام دیتی۔ مگر اب تو مجھکو معاف کردے، مین اور تو دونون اب چند ہی لمحون کے ساتھی ہین۔ پھر مین کہان اور تو کہان، یا تو دونون ہمیشہ کے لئے فنا ہوجائینگے یا ایسے ملینگے کہ ایک دوسرے مین کوئی فرق باقی نہ رہیگا۔

"تین راتین ایسی ہی بے چینی سے گزار چکی ہون اور اُف یہ تینون کیسی بھیانک راتین تھین۔ نہ چاند نہ تارے، جدھر دیکھو اندھیرا چھایا ہوا، جدھر غور کرو ڈراؤنی صورتین پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھین۔ یہ رات اور اسکا اندھیرا میری اندرونی رات کا مقابلہ نہین کرتے، یہ ڈراؤنی صورتین میرے اُن پر ہول خیالات کے مقابلے مین کچھ بھی نہین جنہون نے مجھے ایک عرصے سے بے چین کر رکھا تھا اور آخری تین راتون مین تو میرا خاتمہ ہی کر دیا مگر وہ توہمات بھی اس اندھیرے مین پیدا ہوتی ہوئی ڈراونی صورتون کی طرح باطل اور بے بنیاد تھے جہان تک ہوسکا اُنہون نے مجھکو ڈرایا، مجھکو ستایا مگر آخر کار اب مین اُن کے چنگل سے بالکل رہا ہوگئی.............

"مرنا۔ جینا، کیون مرنا، کیون جینا؟ ماتا، پتا، شادی، یہ سب اُسی طوفان کی موجین تھین جسمین میری ٹوٹی پھوٹی کشتی ڈانوان ڈول تھی اور ہر لحظہ اُس کے ڈوب جانے کا گمان تھا۔ مگر وہ طوفان فرو ہوچکا، اور سنہلتا اس دُنیا سے سدھارنے کے لئے تیار ہے۔ آج آفتاب کی تبسم کرنین میرے عاجزانہ سلام کو منظور نہ کرینگی، آج سُوکماری اور من موہنی اپنی چھتون پر چڑھ کر میرے کھڑکی پر نہ ہونے کا ذکر ایک دوسرے سے کرینگی، اور پیشتر اِسکے کہ دن نکلے اسی اندھیرے کے پردے مین اسنھلتا بیرحم دنیا والون کی آنکھ بچاکر دوسری دنیا کو سفر کرجائیگی.........."

"شادی ہماری بربادی ہوئی، اگر شادی کا سوال اس شکل مین نہ اٹھا ہوتا تو ممکن تھا کہ ہمکو اپنی اصلیت کی خبر بھی نہ ہوئی ہوتی۔ دنیا کی ہر چیز متعجب انگیز ہے مگر انسان سب سے زیادہ، ایک طرف تو یہ آسمان کے تارے اُتارتا ہے سمندرون کی گہرائیون کو اپنے انمول موتی اگلنے پر مجبور کرتا ہے، پہاڑ ہوا بادل بجلی سب اُسکے ایک زبردست عالی نظر ہونیکی داد دیتے ہین، کوئی چیز نہین جسپر یہ حاوی نہو اور جو اسکے احاطہ تحکم سے باہر ہو۔ اُدھر تنگ نظر اس انتہا کا ہے کہ خود اپنی حالت کو نہین دیکھ سکتا، کمزور اسدرجہ کا ہے کہ اپنی ذاتی اور جماعتی برائیون کو جانتے ہوئے بھی اُن کے دُور کرنے پر قادر نہین۔ کم ہمت اسقدر ہے کہ خود اپنے تئین مٹاتا ہی، دوسرون کو مٹتے دیکھتا ہے، مگر جان یا مال یا دنیوی عارضی تکالیف کے ڈر سے اپنے بچانے کی کوشش نہین کرتا، مٹ جاتا ہے مگر ہاتھ نہین ہلاتا، دم نہین مارتا، ذلت اور کم ظرفی ہیں

غضب کی بہ ہو کہ اپنی عمرین غلامی مین گزارتا ہے۔ سال بہ سال بلکہ صدی بہ صدی غیر اسکو پیرون تلے روندتے ہین مگر یہ اپنی ناپاک جان کو چھاتی سے لگائے اپنے وجود ہی کو منشائے زندگی سمجھتا ہے اور زندہ رہتا ہی......"

"رواج، قانون، اور لاٹھی نے ملکر دُنیا مین کسی کو ایسا نہین دبایا، ایسا نہین مٹایا جیسا ہم بدنصیب عورتون کو۔ زمانۂ قدیم مین طاقت بڑی چیز تھی مرد مضبوط تھے، ہماری جسمانی کمزوری نے ہمین گرایا اور ایک بار گرنے کے بعد ہمارے زبردست مقابل نے کبھی ہمکو سر اُٹھانے کی مُہلت نہ دی تاریخ کے شروع سے ہمارا یہی حال ہی، دُنیا کی کوئی چیز نہین ہے جسنے اس عرصے مین ترقی نہ کی ہو مگر ڈوبے تو ہم ڈوبے کہ کبھی اُبھرنے کا نام ہی نہین لیا۔ ہر جہائے طرف کی ترقی نے ہمکو ہمیشہ رو بہ تنزل دیکھا، مذہب نے پھیلے مگر ہمارے لئے اُنھون نے صرف اتنا ہی کیا کہ ہماری غلامی کو اور بھی پاکیزہ تر بنا دیا۔ اگر روحانی ترقی کے باعث کوئی صورت آزادی کی ہوسکتی تھی تو اسکو ہمیشہ کیلئے مٹا دیا اور ہم کو اعتبار دلا دیا کہ خدا ہی نے ہم کو غلام پیدا کیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہم ہمیشہ غلامی ہی مین اپنی عمرین بسر کرین۔ مذہب مین اگر ہمارے موافق کوئی بات پائی گئی تو اسکو قانون نے درست کیا اور اگر قانون بھی پوری سختی نہ کرسکا تو رواج نے ہاتھ بٹایا مگر ہم اس کے شاکی نہین جب بنانے اور بگاڑنے کی طاقت کسی کے ہاتھ مین دیدی جاتی ہو تو قدرت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ طاقت اپنے سنوارنے اور دوسرے کے بگاڑنے مین صرف کی جائے۔ ہر طرف ہم اسی اصول کا وجود دیکھتے ہین.........."

ہوا کے جھونکے برابر چل رہے ہین۔ چراغ کی جان خطرے مین ہی۔ میز پر سے کاغذ اڑ اڑ کر نیچے گر رہے ہین، ایک کاغذ کو جو ہوا گھسیٹے لئے جا رہا ہی، شاید یہ وہی خط ہے جو اسنہلتا نے اپنے پتا کے نام لکھا ہے مگر باہری دنیا کا کوئی اثر اسوقت اسنہلتا پر نہین ہی، وہ اپنے خیالات مین ایسی گم ہے اور ایسا سکوت کا عالم اُسپر طاری ہی کہ گویا اُسکی روح اُسکے تن سے پرواز کر چکی ہی۔ اسوقت کی خاموشی اور تنہائی اسکے اندرونی سکوت اور تنہائی کا مقابلہ نہین کرتی اور نہ اُن بے آواز جھونکون مین وہ جانکاہ اداسی ہے جو اس تصویر غم کے جسم سے چارسو پھیلتی معلوم ہوتی ہی اُس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹنے نہین پاتا۔ سالہا سال کے مطالعے اور مشاہدے کا غبار اُسکی طبیعت مین بھرا ہے اور آخری چند روز مین اُسکے دل مین ناسور ایسے ابھرے ہین کہ جب تک اسکا خون جگر ختم ہی نہ ہو جائے اُن کا بند ہونا دشوار نظر آتا ہے.........."

خیالات کی کدورت اسنہلتا کے چہرے پر نمایان ہوگئی۔ زرد رنگ مین ہلکی سُرخی کے وجود نے غم اور غصے دونون کے جانکاہ اثرات کا کرشمہ دکھایا۔ ہونٹ آپس مین اور بھی مل گئے، سانس تیزی سے آنے جانے لگی اور وہ نقشہ اُسکی صورت مین پیدا ہوگیا جو گھنگھور گھٹا مین برسنے سے پہلے ہوتا ہے۔ مگر اُس نے اپنی طبیعت کو سنبھالا۔ دو تین بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور اپنے تھکے ہوئے چہرے کو ہاتھون پر رکھکر اپنے تکلیف دہ خیالات مین محو ہوگئی......"

"انسان کو کیا چیز انسان بناتی ہی؟ علم اور اُسپر عمل جس گروہ انسانی مین قطعاً علم نہین اور اسپر عمل نہین اُسکی حیوانون سے تفریق کرنا ناممکن ہی۔ دُنیا کی جدوجہد مین وہی قوم دوسرون پر سبقت لیجاتی ہے جسمین علمیت باطنی و عملی زیادہ ہوتی ہے، اور افراد مین بھی وہی فرد بشر سربرآوردہ ہوتا ہے جو دوسرون سے زیادہ باخبر اور نیکوکار ہو۔ علم طاقت ہے، علم ہمت ہے، علم دولت ہے، علم دنیا کی ان ساری خوبیون کا مجموعہ اور سرچشمہ ہے جو انسان کو انسان بنانے کے لئے ضروری اور لازمی ہین......"

"ہم بدنصیب بے بس، عورتون کو علم سے محروم رکھنے کی کیا کچھ تدبیرین نہین کی جاتین؟ کتابی اور اعلیٰ تعلیم ہمارے لئے غیر ضروری ہے دوسرے ہمارے والدین کے پاس لڑکون کی تعلیم کے بعد اسقدر روپیہ باقی

نہین بچتا کہ وہ غریب لڑکیون کی فضول تعلیم مین خرچ کیا جا سکے۔ تیسرے ہمارے یہان چھوٹی سے چھوٹی عمر مین شادی کا رواج ایک ایسی چیز ہے جس سے ہمارے بزرگ اپنے اعتقادات مذہبی کی بنا پر بچ ہی نہین سکتے اور چوتھے ہم عورتون کو کوئی منشی تو ہونا نہین کوئی نوکری تو کرنی نہین، پھر ہماری تعلیم پر روپیہ صرف کرنا اُسکو بھاڑ مین جھونکنا نہین تو پھر کیا ہے ؟ ہندوستان مین اعلیٰ تعلیم کا مقصد لوگون کو انسان بنانا نہین ہے بلکہ اُن کو نوکر بنانا ہے۔ ہندوستان مین اعلیٰ تعلیم کا مقصد روح کی پرورش نہین بلکہ پیٹ پالنا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ وہ تنگدل، تنگ نظر، تنگ خیال انسان جنہون نے اعلیٰ تعلیم کے مقصد کو ایسا مکروہ بنا رکھا ہے خود ہندوستان ہی کی حالت کو دیکھکر متنبہ نہین ہوتے، نوکری اُنہون نے اپنا منشاے تعلیم رکھا ہے مگر نوکریان اُنکو حاصل نہین ہوتین، پیٹ پالنا اُنکی تعلیم کا اصلی مقصد ہے مگر ہمیشہ اس دنیا مین ٹکڑے ٹکڑے کے لئے ترس ترس کر جان دینے پر مجبور رہین...... "

"عورتون کو نوکری نہین کرنی، اسلئے انکو تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔ یون تو ہماری اعلیٰ تعلیم کا خاتمہ ہوا، کتابی تعلیم کے علاوہ علم حاصل کرنے کے دو ذریعے ہین ہماری آنکھین اور کان۔ آنکھون سے اوّل تو ہم اپنے کتابی سبقون کو دنیوی تجربات کے ذریعے سے پختہ اور وسیع بناتے ہین، دوسرے اگر ہم علمیت سے محروم ہین تو بھی دنیا کی چیزون اور لوگون کا مشاہدہ ہم مین ایک ہوشمندی اور معاملہ فہمی کا مادۂ پیدا کر دیتا ہے۔ کان سے ہم دوسرے باخبر آدمیون کی باتین سنتے ہین اور مستفید ہوتے ہین۔ باعلم لوگون سے ملنا جلنا اور اُنکی صحبت سے فیض اُٹھانا بذاتِ خود ایک اعلیٰ تعلیم ہے۔ دُنیا مین بدترین مجرمون اور سیہ کارون کے علاوہ کوئی فرقہ ایسا نہین ہے جو ان قدرتی ذرایع سے فائدہ اٹھانے سے محروم رکھا گیا ہو۔ ہر فرد بشر کو ہر گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی آنکھون کانون اور زبان کو اپنے علم کی پختگی کے لئے یا دیگر امور دنیوی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے آزادی کے ساتھ استعمال کر سکے مگر ہم بے بس بے گناہون کی زندگی زمانۂ ہوش سے بستر مرگ تک برابر ایک ایسے قیدی کی زندگی ہے جو اپنی دلی دماغی اور جسمانی آزادی کو ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھا ہو۔ ناکردہ گناہ ہم بدترین گرفتاری کے مصائب برداشت کرتے ہین ہمارا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا، بولنا چالنا سب ایک ایسے گنہگار کے افعال سے مشابہ ہے جس سے آزادی عمل ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی ہو، گھر کی چہار دیواری ہماری دُنیا ہے اور اسی دنیا مین رہکر ہم اپنی زندہ درگور زندگانی کو اختتام تک پہونچاتے ہین...... "

"جو جو ناگفتہ بہ اور ظالمانہ طریقے ہماری جسمانی، دلی اور دماغی آزادی کے انحطاط کی غرض سے ایجاد اور رائج کئے گئے وہ ایک نہ ایک صورت مین آجتک موجود ہین اور خوبی یہ ہے کہ ہمارے دل اور دماغ پر ایسا طلسمی پردہ ڈالدیا گیا ہے کہ جو باتین ہمارے لئے باعث بربادی ہین اُنکو خود ہم اپنی بہبودی اور بہتری کا ذریعہ سمجھتے ہین اور شاد رہتے ہین، جن باتون نے ہمین دنیا مین ایک عضو فاضل بنا کر محض اپنے مقابل کا تختۂ مشق بنا دیا ہے اور کسی قابل نہین رکھا اُنہین باتون پر ہم اتراتے اور ناز کرتے ہین..... "

"ہم کو تعلیم نہ دیکر ہم کو دنیوی اور ذاتی تجربات سے محروم رکھکر، ہکو تمام قابل قدر خصلتون سے دیدہ و دانستہ معرّا کر کے ہمارے ستانے والے ہمپر یہ الزام لگاتے ہین کہ ہم ناقص العقل ہین ہم نکمے ہین اور دنیا کے ہم معاملات مین دخل اندازی کے مستحق نہین، اتنا ہی نہین بلکہ اِن منصف مزاجون کی نگاہ مین ہماری ناقص العقلی اس انتہا کو پہونچی ہوئی ہے کہ خود اپنے افعال کا بھی ہکو مختار بنانا اُنکی راے مین ہمارے لئے خالی از خطر نہین اور اسوجہ سے گویا محض ہمارے ہی فائدے کی بنا پر اُنہون نے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے کارخانہ کا انتظام اب تک اُس منیجر کی زیر نگرانی ہے جو ۶۰ سال سے کام کر رہا ہے

ہمین بچون یا پاگلون نیا مجرمون کے زمرے مین شامل کردیا ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ بچے عمر ہوکر پاگل صحت پاکر اور مجرم اپنی سزا بھگت کر حقوق انسانی حاصل کرسکتے ہین مگر ہمارا بچپن وہ بچپن ہے کہ عمر جسکو رفع نہین کرسکتی، ہم وہ دیوانے ہین کہ دنیا کے تمام حاذق طبیبون نے جسکو صاف جواب دیدیا ہو اور مجرم بھی وہ سیہ قلب اور سخت دل ہین کہ جسکی سزا کے لئے کوئی میعاد قائم کرنا بنی نوع انسان کے لئے خالی از خطر نہین ....“

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا، چراغ گل ہوتے ہوتے بچ گیا اور سیڑھی کے قریب کا دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوکر پھر کھل گیا ....“

دوسرا جھونکا آیا یہہ پہلے سے بھی زیادہ تیز تھا، چراغ گل ہوگیا اور دروازہ اس زور سے ٹکرایا کہ تمام گھر گونج اٹھا- سنہلتا کی والدہ نے نیند سے چونک کر آواز دی کہ کون ہے؟ ہم چند رنے تسکین بھرے لہجے مین کہا کہ کوئی نہین ہوا ہے ....“

اسنہلتا نے دونون ہاتھون سے سر پکڑ لیا نہین معلوم کہ یہ کسی نامعلوم درد کی چمک کا نتیجہ تھا یا بدن کی سنسناہٹ اسکو تیار رہی تھی کہ وہ چکر کھا کر گرنے والی ہے، یا ممکن ہو کہ ماتا جی کی آواز نے اُسکے دل کو اسکے قابو سے باہر کردیا ہو ....“

ایک عرصہ تک وہ دم بخود کھڑی رہی اُس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور باہری دنیا کی طرح اسکے دماغ مین علاوہ تاریکی اور سکوت کے کچھ بھی باقی نہ رہا- آہستہ آہستہ بدن کی سنسناہٹ کم ہوئی دل کی دھڑکن کا دماغ مین محسوس ہونا موقوف ہوا، چراغ کے گل ہوجانے کا احساس ہوا اور اُسکے جلانے یا نہ جلانے کے خیال نے پھر سلسلۂ خیالات مین جان ڈالی ....“

چراغ جلا اسکا غذ سب میز پر رکھے گئے، کمرے کے دروازے مین زنجیر چڑھگئی اور اسنہلتا پھر اپنی لکڑی کے سہارے آکر کھڑی ہوئی ....“

چہرے کا عجب حال ہے، وہ خون جو اُسمین عارضی طور پر غصے کی وجہ سے نمایان ہوگیا تھا اب ایسا غائب ہے کہ اُسکی رمق تک بھی باقی نہین، زردی اس انتہا کو پہونچ گئی ہے کہ ہونٹون اور آنکھون کے چارون طرف ایک دل دکھانے والی نیلی جھلک دکھائی دیتی ہے، آنکھون کی سرخی بڑھ گئی ہے اور اُسمین ایک خاص نمی پیدا ہوکر اسکے دل کی اصلی کیفیت کا حال دیکھنے والے کو سنا رہی ہے- غصہ نہین رہا، غم کے جذبات اسپر طاری ہین یا اور اسکے دل اور دماغ کو اپنے کام مین مصروف ہونے کی اجازت نہین دیتے اُسنے پھر کوشش کی، اپنی ٹھنڈی ہوئی طبیعت کو روکا اور اپنے شغل مین مصروف ہوگئی-

”ماتا جی تم کیون بولین، تمہاری آواز مجھے دنیا کی طرف کھینچتی ہے اور اس بیرحم دنیا مین تمہاری سنہلتا کو چند ساعتون سے زیادہ رہنا منظور نہین- اس دنیا مین اُسکا دل، اُسکا دماغ اُسکی روح کبھی چین نہین پاسکتی جسمانی تکالیف وہ آسانی سے سہہ سکتی تھی، روح کُشی کی دائمی مصیبت کا برداشت کرنا اُسکے امکان سے باہر ہے ....“

”ماتا جی- انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے؟ اُبھرنا اور دوسرون کو اُبھارنا یا شادمانی کی لہرون مین مست رہکر عدم کی گھاٹی کے پار اُتر جانا- تم ھی بولو کہ اسمین سے مجھے کیا نصیب ہوسکتا ہے، خود اُبھرنا میرا ممکن نہین کیونکہ میری قسمت دوسرون کے ہاتھ مین ہے اور ایسی صورت مین دوسرون کے اُبھارنے کا سوال پیدا ہی نہین ہوسکتا- رہا دنیا کا چین، یہہ کچھ تمہاری قربت مین تھا، تمہاری محبت مین تھا، سو ماتا جی تم نے اُس سے بھی مجھے محروم کردینے کی دل مین ٹھان لی، پھر اب کیا باقی رہا ....“

”مین دنیا مین رہکر کیا کرونگی- ذلت اور بدترین غلامی مین گرفتار

رہ کر گھٹ گھٹ کر فنا ہو جانے سے پہلے ہی جان سے گزر جانا بہتر ہے۔ جفائین خاموشی سے برداشت کرنا اپنے آپ ہی کو برباد نہین کرتا اپنے آپ ہی کو نہین مٹاتا بلکہ دوسرون مین زور وجفا اور ناانصافی کے مادے کو پیدا کرتا ہے اور قائم رکھتا ہے اور اسواسطے وہ شخص جو خاموشی کے ساتھ غیرون کا ظلم برداشت کرتا ہے ظلم کرنے والون سے زیادہ مجرم اور گنہگار ہے۔ پھر ماتاجی یہہ گناہ بے لذت ہے یا نہین؟ اپنے آپ کو مٹانا اور دوسرون کو نقصان پہونچانا اور پھر فنا ہو کر ذلت اور گمنامی کی قبر کا گوشہ آباد کرنا......"

"میری شادی کی کیا ضرورت تھی؟ ماتاجی! تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ شادی کے کیا معنی ہین؟ تم نے کتنی لڑکیون کی تباہی اپنی آنکھون سے دیکھی مگر افسوس تمہاری آنکھہ نہ کھلی۔ تم نے اپنی اسنہلتا سے کبھی اُسکے دل کی کیفیت نہ پوچھی اور نہ کبھی اس کیفیت کے اظہار کی اسکو ہمت دلائی تم کیسے پوچھتین؟ یہ بزرگون کے طریقے کے خلاف تھا' اور وہ کیسے کہتی رواج کی گیند اسکے حلق مین اٹکی ہوئی تھی' مگر خیر آج اِن طریقون اور اِن رواجون کے کرشمون کا تماشہ دیکھو۔ آج اسنہلتا وہ شعلہ بھڑکائیگی جو ایک دن انکو خاک ہی کر کے رہیگا۔

"بدتر سے بدتر غلامون کے بیچنے والے بھی اُنکی قیمت پاتے ہین پیاری ماتاجی' کیا تمہاری اسنہلتا جسکو تم نے اس محبت سے پالا' اُن غلامون سے بھی بدتر تھی؟ مجھکو یقین نہین آتا۔ کوئی غلام اِس دل سے تمہاری خدمت نہین کر سکتا جیسی کہ وہ کرتی تھی اور کوئی غلام تمسے وہ محبت نہین رکھہ سکتا کہ جو اُسکو تم سے تھی' پھر آخر تمکو کیا ہوا؟' مجھے دوسرون کو دے ڈالنے کا ارادہ کیون کر لیا اور یہ دے ڈالنا بھی معمولی دے ڈالنا نہین۔ اتنی تعلیم اور تربیت کے بعد بھی مین ایسی غلام نہ ہوئی جسکی کچھہ قیمت تمکو ملتی بلکہ اُلٹے میرے خریدار کو تمہین نے قیمت دینا گوارہ کر لیا۔ قیمت تمہارے پاس نہین ہے' مکان بیچو گی' دردر ٹھوکرین کھاؤ گی' مگر مجھکو جدا کئے بغیر نہین رہ سکتین۔ مین لڑکی تمہین تمہاری دشمن نکلی' اور آج مین تمہارے اس دشمن کی جان لیکر تمہارا حق مادری ادا کرونگی۔..........."

"تمہارا خیال تھا کہ میری شادی مجھکو خوش کریگی مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ وہ شخص جو تجھے اپنی غلامی مین منظور کرنے کے لئے رشوت کا خواستگار ہو میری کتنی قدر کریگا؟ تم نے یہ نہ سوچا کہ اُس شخص کی کتنی وقعت اور محبت میری نگاہون مین ہوگی اور اُسکی صحبت اور غلامی مین کتنا لطف زندگانی مجھکو حاصل ہوگا۔ اور افسوس تمکو یہہ بھی خیال نہ آیا کہ تمکو مٹا کر تمکو مصیبت مین پھنسا کر مین اپنا آرام کیسے گوارا کرونگی۔ ماتاجی! قسمت نے ہمکو مٹایا ہے اور ہم برباد ہو چکے مگر لڑکیان ابھی اتنی کم ہمت نہین ہوئین ہین۔ یاد رکھو کہ تمہاری اسنہلتا کو اتنا خود غرض سمجھنے مین تم نے بڑی ناانصافی کی ہے ہمیشہ تمہارے آرام مین اُسکا آرام رہا اور اب بھی تمہارے آرام پر وہ جان نثار کر کے بے درد دنیا والونکو یقین دلائیگی کہ بدنصیب عورتون مین بھی اب تک انسانیت کی خوشبو باقی ہے۔

"میرا جینا بیکار تھا۔ غلامی کوئی فخر کی چیز نہین جسے کوئی خوشی سے برداشت کرے غلامی کے آرام آزادی اور عزت کی تکالیف سے بدتر اور نفرت انگیز ہوتے ہین۔ پھر مین جی کر کیا کرتی؟ ایک عمر کی کدفت کے سوا مجھے اور کیا نصیب ہو سکتا تھا اور جب کوفت اور ذلت ہی لے دے کر کسیکا مقصد زندگی باقی رہ گیا ہو تو اس بدنصیب کا دنیا سے گزر جانا ہی بہتر ہے۔ زندگی کا اصلی مفہوم ترقی ہے محض کھانے پینے اور سونے کو کوئی ذی فہم حیات انسانی نہین کہہ سکتا۔ یہ باتین تو حیوانون

اور درختون تک مین موجود ہین اور اگر محض ان ہی مین مبتلا رہ کر کسی نے اپنی زندگانی کا خاتمہ کیا تو وہ انسان نہین حیوان محض ہے - اور انسان ہو کر حیوانون سے بدتر زندگی بسر کرنے سے مٹ جانا کہین اچھا ہے۔

جب عزت نہین، دولت نہین طاقت نہین، اور ان سب کا ذریعہ حصول یعنی آزادی نہین تو عافیت کے بورئے سمیٹنے سے کیا نتیجہ؟ پیاری ماتا! آزادی کے حصول کی کوشش مین مٹ جانا حیات انسانی کی معراج ہے - جو دوسرون کو آزاد نہین کر سکتے وہ اپنی جان کھو کر اپنے آپ کو ضرور آزاد کر سکتے ہین - اُن کا جان کھونا بے سود نہین - وہ اہل عالم کو یہ دکھا دیتا ہے کہ گو یہ بدنصیب اہل دنیا پر حاوی نہ ہو سکے مگر انکو بھی دُنیا اپنا بنانے مین کامیاب نہ ہوئی . . . . . . "

"آج بے رحم دنیا والون کے سامنے استہلتا اس ہدایت کو زندہ شعلون کے الفاظ مین لکھکر پیش کریگی، وہ انکو دکھا دیگی کہ اُن کے قوانین اُن کے رواج، اُن کے طریقے، ناقابل برداشت ہین، وہ اُنکو یقین دلائیگی کہ اُن کے ظلمون اور زیادتیون کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے اور وہ دن دُور نہین کہ جب اُنکو اُسکے ایک ایک قطرے کا معاوضہ اپنے مظلومون کو دینا ہوگا - اُسکا جلتا ہوا دل اور جسم اُن کو یاد دلائیگا کہ عورت بھی ایک انسان ہے اور اُنکی مردون کی جور و جفا نے انسانیت کو اُسمین سے مٹا نہین دیا بلکہ کچھ جذبات انسانی اب بھی اسمین باقی ہین - دنیا والون کی آنکھون پر پردہ پڑا ہے ممکن ہے کہ میرے جسم سے نکلتے ہوئے شعلے اُسکو جلا دین - ممکن ہے کہ میری مثال میری دوسری بہنون کے لئے باعث بیداری ہو اور وہ جذبات اُنکی زندگی مین پیدا کر دے جنکو وہ اپنے موجودہ عالم بے بسی مین فراموش کئے ہوئے ہین - میری پیاری ماتا! تم بھی بولو، سوزش پنہان سے جل جل کر عمر بھر تڑپنا اور دوسرون کو تڑپانا بہتر ہے یا ایک بار دُنیا سے گذر جانا . . . . . .

"یہ لو پُجاری مندر مین آگیا، اُس نے دِیا روشن کر دیا، اب اُسکے گھنٹے گھڑیان کی صدائین لوگون کو بیدار کر دینگی - استہلتا، وقت رخصت قریب ہے اب تمہاری زندگی کا صفحہ ہمیشہ کیواسطے اُلٹتا ہے، ماتا، پتا کو بڑا دکھ ہوگا، رو لو اُن کے لئے رو لو، مگر تمہاری زندگی اُن کے حق مین تمہاری موت سے زیادہ دکھ بھری ہوتی، دل کو مضبوط کرو اور اُن کے سکھ پر نثار ہو جاؤ، دُنیا تُمہاری زندگی کی روادار نہ تھی - تم بھی اُس سے ہمیشہ کے لئے منہہ موڑ لو -

" استہلتا کے چہرے پر مُردنی کے آثار نمایان تھے - آنکھین بے حرکت، خون کا پتہ نہین اور رنگ کی زردی مین ایک ہلکی ہلکی جھلک نیلے پن کی پائی جاتی تھی - اس کے ہاتھ پاؤن ٹھنڈے سے تھے - تمام جسم مین ایک عجیب رعشہ سا پیدا ہو چلا تھا - قلب کانپ رہا تھا اور دماغ مین ایک عجیب سناٹے کے احساس کے علاوہ اور کوئی احساس باقی نہ تھا - قریب تھا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر گر پڑے - اُسنے دونون ہاتھون سے چوکھٹ کو پکڑ لیا اور اپنی پھیلی ہوئی باہون پر سر کو سہارے کے لئے جھکا دیا - چند لمحون بعد اُسنے سر کو اُٹھایا، چوکھٹ چھوڑی اور غیر معمولی کوشش کے ساتھ اپنے بدن کو اپنے قابو مین کیا - چراغ کی طرف کو چلی، اُسکو ہاتھ مین اُٹھایا اور کمرے کے سامنے والی چھت پر چراغ ہاتھ مین لئے نکل آئی " اب تامل کا موقع نہین بدن جواب دے رہا ہے اور کہین ایسا نہو کہ میری جسمانی کمزوری مجھے اپنے ارادے کے پورا کرنے سے محروم رکھے - دیوتے! مین نے تجھے مدتون جلایا ہے، آج تو بھی کھُل کر مجھ سے اپنا بدلہ لے لیکن یہ کہ تیرے پیدا کئے ہوئے شعلے مجھکو ہی نہ جلائین بلکہ اُس بے خبری کو، اُس بے درد خود غرض کو بھی خاک سیاہ کر دین جو نصف دُنیا کا باعث بربادی ہے - دنیا والون دیکھو اس چھوٹے سے چراغ سے استہلتا تمہاری بیرحمانہ رسمون اور رُوح کش رواجون مین آگ لگاتی ہے، اسکا بجھانا آسان نہین - یہ شعلے اس دُنیا مین بلا اپنا مقصد پورا کئے فرو نہین ہوتے " چراغ لباس کے قریب آیا، اسکی لو کپڑون سے مس ہوئی اور اُس کے دل و جگر کی طرح استہلتا کے جسم کو بھی شعلون نے چھپا لیا -

کشتگانِ محبت

(از جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ)

منحصر مرنے پہ ہو جسکی مراد
نامرادی اُسکی دیکھا چاہئے

احسن پیارے دوست تم بہت ہی دُبلے اور مضمحل سے ہو بہم ۵ سال بعد ملے ہین، مین تو غالبًا پہلے سے زیادہ یعنی کالج لائف کے زمانے سے بہتر نظر آتا ہونگا، مگر تم بہت ہی نحیف و زار ہو گئے اور ساتھ ہی بیحد افسردہ و خاموش۔

اصغر۔ ہان اپنی اپنی قسمت ہے۔ شکر کرو کہ تم نے مجکو زندگی مین ایکبار اور دیکھ بھی لیا اگر ۵ سال بعد اب بھی نہ ملسکتے تو غالبًا تم اصغر کو زندہ بھی نہ پاتے۔

احسن۔ (گھبراکر) کیون آخر اصغر کیون اتنے رنجیدہ ہو، للہ کچھ تو بتاؤ۔ ہم بہت عرصے کے بعد ملے ہین اور آج تیسری ملاقات ہے مگر تمہارا کچھ حال معلوم نہو سکا۔ مین نے اپنی پنج سالہ ہسٹری سنادی بیوی تمکو دکھادی تین بچے بھی کھیلتے کودتے دیکھ آئے ہو جو حالات تھے بیان کرئے خدا کا شکر ہے کالج سے نکلکر پُرمسرت زندگی گزار رہا ہون۔

اصغر۔ بیشک خدا کا شکر گزار ہونا چاہیئے اور مین بھی اُسکا بہت احسانمند ہون جسنے میرے عزیز احسن کو دنیا مین کامران کیا۔ مگر آہ دوست جو بدنصیب جگر فگار اور پُر انتشار ہو وہ اپنا دکھڑا سناکر کسی شاد کام کو کیون افسردہ کرے؟۔

احسن (اصغر کا ہاتھ پکڑ کر) نہین اصغر تمہاری قسم ہے بغیر سنے نہ مانینگے ضرور تم کسی قلبی اُلجھن مین گرفتار ہو تم بہت ہی رنجیدہ و مضطر نظر آتے ہو خدا کیلئے جلدی کہو۔

اصغر۔ تم ضرور سنوگے؟ مگر اسی سے فائدہ سوا اسکے کہ میرے غم مین سے کچھ حصہ بٹالوگے اور کیا؟

احسن۔ ممکن ہے کچھ مدد کر سکون۔

اصغر۔ مدد سوائے خدا کے کوئی نہین کر سکتا اور جب وقت تھا خدا نے امداد نہ کی مجھ گناہ گار پر رحم نہ آیا تو اب کیا رکھا ہے؟ سب کچھ ہو چکا ہے آہ! مین کیون زندہ ہون؟

احسن۔ کہئے کہئے بھائی میرا دل سینے مین گھٹا جاتا ہے ہائے تم کسی مصیبت مین مبتلا ہو اور مجکو اسکا علم تک نہین۔

اصغر۔ اچھا سنو۔ تمھین یاد ہے مین زمانۂ طالبعلمی مین کہا کرتا تھا کہ میری چھٹیون کا زمانہ زیادہ اچھا کشمیر مین گزرتا ہے گھر پر کچھ لطف نہین آتا" تم بھی خیال کرتے تھے کہ کشمیر مقام ہی ایسا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہین جانتے تھے۔ تم کیا مین بھی نہین سمجھ سکتا تھا کہ کونسی ایسی زبردست کشش ہے جو مجکو بجائے گھر کے وہان لیجاتی ہے۔ اسکے بعد تم نے کالج چھوڑدیا

احسن۔ ہان پھر؟ ایکسال بعد تم بھی تو چلے آئے۔

اصغر۔ پس میری الناک زندگی کے آغاز کا وہی آخری سال تھا ایم اے پرویس تک پہنچ چکا تھا کہ والد کا انتقال ہو گیا والدہ کو مالی مشکلات کا سامنا ہوا مجھے ملازمت کو کہا گیا اور تعلیم سے دست بردار ہونا پڑا۔ سردیان تلاش معاش کی فکر مین گھر گزارین اور مئی مین کہ بالکل غریب شخص تھا بمشکل گھر سے اجازت لیکر پھر کشمیر پہنچا۔

احسن۔ جلدی کہو وہان کیا تھا؟

اصغر۔ سنو وہان کیا تھا؟ جسنے مجھے تباہ کیا، ہمیشہ کے لیے میری زندگی تلخ کر دی جان سے بیزار کر دیا اور حکم ہے کہ "جینا ہو گا"۔ آہ مجھے مرجانے کی بھی اجازت نہیں۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ ✻ باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

احسن! پیارے احسن! چار سال برابر کشمیر گیا جس دوست کے وہان ٹھہرتا تھا اُس کے قریب نبارس کا ایک لکھپتی آزاد خیال فیشن ایبل رئیس اور بیرسٹر بھی آکر ٹھہرا کرتے تھے، جنکے ساتھ انکی فیملی بھی ہوتی تھی انکی اپنی تو ایک ہی بیٹی تھی، مگر ایک یتیم بھانجی ساتھ رہتی تھی، جو بہت ہی افسردہ نظر آتی تھی چونکہ میرا دوست بھی معززین مین سے تھا اُسکے ذریعے سے میرا اُن سے تعارف ہو گیا، سیر و تفریح مین، ٹینس مین اور اکثر اُنکے ہان پارٹیون مین مجھے شرکت کا موقع ملتا تھا۔ میری شامت اعمال دیکھئے وہ رئیس زادی میرے ساتھ خاص عنایت سے پیش آنیلگی جسکا مجھپر بہت اثر ہوا دوسرے سال جو گیا تو وہ قدر محبت سے بدلگئی۔ ابتو ہم دونون کو بغیر ملے چین نہین پڑتا تھا مگر وہان سے آکر کبھی مین نے تم سے ذکر نہین کیا، اسی خیال سے کہ کسی شریف زادی پر حرف نہ آئے تیسرے سال تم جا چکے تھے، مین وہان گیا وہ بیحد محبت سے ملی، مین ہر روز بلایا جاتا تھا، اپنے بڑے بڑے ذی رتبہ دوستون سے زیادہ میری قدر تھی۔ گھر مین سب پہچان گئے اور میرا اسقدر جانا نا پسند کیا جانیلگا، مگر ہان ایک وہ خاموش یتیم لڑکی تھی جو ضرور مجھ سے کچھ مانوس معلوم ہوتی تھی یا کم سے کم اُسے میرا وہان آنا جانا شاق نہ گذرتا تھا۔ اُسکی وجہ شاید یہ ہو کہ اُسے میری محبوبہ یعنی بیرسٹر صاحب کی بیٹی سے بہت ہی محبت تھی اور وہ بھی اسکو بہت چاہتی تھی۔ اُسی سال میرا یہ حال تھا کہ واپسی محال تھی جدائی کے خیال سے دم گھٹتا تھا، لیکن حالات ایسے تھے کہ زیادہ ٹھہرنا ناممکن تھا جسدن مین آخری بار وہان سے رخصت ہو رہا تھا اُس نے مجھسے کہا کہ آج کے بعد ملنے کا کوئی ذریعہ نہین میرے گھر والے مشکوک ہین اب ہمارا ملنا مشکل ہے۔ مین بہت حیران تھا کہ کیا کہون گو وہ لڑکی تھی اور نا تجربہ کار، مین شریف خاندان تعلیم یافتہ نوجوان، مگر مجھ مین ایک ایسی کمی تھی جسنے ہمارے درمیان دائمی رشتہ ہونے مین ایک سنگین دیوار حائل کر دی تھی اور وہ کمی تم جانتے ہو کیا تھی؟ میری کم مائیگی۔ اُس شریف طبیعت لڑکی نے صاف صاف کہدیا کہ "میرے باپ کی بیشمار دولت اور تمہاری تہیدستی ہماری دائمی جدائی کا باعث ہے۔ ورنہ ہر طرح میرے گھر والے تمکو پسند کرتے ہین۔ مگر جو ناممکن امر ہو اُسکا خیال کرنا بیکار میرا باپ ہرگز ایک متوسط گھر مین میری شادی نہین کر سکتا" یہ ظاہر تھا اس سے مجکو کچھ زیادہ صدمہ نہوا کیونکہ اسکی اُمید ہی نہ تھی۔ آخر مین اس روز وہان سے روانہ نہو سکا کیونکہ آخری جدائی نظر آ رہی تھی۔ چار دن اور ٹھہر گیا ایکدن شام کے وقت اُسنے مجکو بلا کر اپنے باغیچہ کے ایک گنجان اور خاموش گوشے مین بیٹھکر کہا۔

"جان سے عزیز اصغر! تم نہین جانتے ہین نے تمکو اسوقت کیون بلایا ہے؟ لو سنو اور اگر گوارا کر و یعنی میرے کہے پر عمل کرو تو یقیناً ہم عمر بھر ایک

دوسرے سے آسانی سے مل سکینگے، اور کوئی مانع نہوگا۔"

مین۔ جو ارشاد ہو مین حاضر ہون آپکا کوئی فرمان اور مین ٹالون؟ اور جس سے کہ زیست کے سہارے کی بھی اُمید ہو" یہ سُنکر اُسنے میرے قریب ہوکر آہستہ آہستہ یون کہنا شروع کیا۔ اصغر! میرے جان سے زیادہ عزیز اصغر!! ذرا غور سے سنو۔ چار سال سے ہم دونون مین جسقدر محبت ہے اسکا تقاضا یہی ہوسکتا ہے کہ ہم تم عمر بھر ایک لمحے کو بھی جدا نہون۔ مگر بدبختی سے ایسا ناممکن ہے۔ خدا نے مجھے ایک زر پرست گھرانے مین پیدا کرکے تم سے بہت بالاتر کردیا اب میرے والدین مجھکو تمھارے سپرد نہین کرسکتے۔ مگر ہمارے دل ہین کہ ایک دوسرے پر نثار ہوے جاتے ہین دم بھر کی علٰحدگی شاق گزرتی ہے۔ پس اس حالت بےبسی مین کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھہ سکین، ملتے رہین۔ اور وہ سوائے اسکے کچھ ہو نہین سکتی کہ تم میرے رشتہ دار بنجاؤ۔

مین (گھبراکر) کیسے، وہ کسی طرح؟ مین تو غریب نادار ہون۔ وہ۔ اس طرح کہ میرے کنبے مین شادی کرلو اور بحیثیت بہنوئی کے مل سکو۔ منظور ہے؟

مین۔ آپکی ایسی کون بہن ہوسکتی ہے جو اس مفلس کو قبول کرے؟

وہ مین بتاتی ہون میری یہی بہن جسکو جان سے زیادہ چاہتی ہون جسپر کہ میرے پیارے اکلوتے بھائی کی بھی جان جاتی ہے سب جانتے ہو میرا بھائی تمھارا دوست یا اُسکے نام کا دیوانہ اور اُسکی شکل کا پروانہ ہے۔

مین۔ (جلدی سے) پھر آپ یہ کیسے گوارا کرسکتی ہین اور آپکا بھائی میرا کب دوست رہیگا؟ وہ لڑکی مجھکو کیا سمجھیگی؟

وہ۔ یہ سب فیصلے ہولئے۔ آہ آہ! میرے والدین نے زرپرست والدین نے ہم دونون بہن بھائیون کو زندہ درگور کیا ہے ہمارے دونون کی زندگی کے خوشیان چھین لی ہین۔ اصغر جس طرح مین تم سے بلند پایہ ہون اسی طرح میرا بھائی بھی اُس غریب لڑکی سے جو "کزن" بھی ہے بہت بالا ہے۔ والدین کب گوارہ کرسکتے ہین کہ انکا اکلوتا شہزادہ ایک غریب یتیم لڑکی سے بیاہا جائے جسنے ہمارے گھر پرورش پائی ہو۔ خواہ اپنی عزیز ہی کیون نہو ہم نے ہرچند کوشش کی مگر کسی طرح وہ میری بھاوج نہ بن سکی۔ چنانچہ میرے بھائی نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اب کسی اور سے شادی نکریگا اور زمانۂ دراز کے لیے انگلینڈ جارہا ہے۔ اور مین نے اُس بہن کو رضامند کیا ہے کہ وہ تم سے شادی کرلے تم خیال کرسکتے ہو جبکہ اُسکا ایک سچا چاہنیوالا اسکی وجہ سے شادی نہین کرتا اور ہندوستان چھوڑ رہا ہے وہ کب گوارا کرسکتی ہے کہ شادی کرلے۔ مگر مین نے اپنی محبت کی قسمین دیکر اُسکو اسی امر پر تیار کیا ہے کہ وہ تم سے شادی کرلے اور اس صورت سے مجھپر اُسکا یہ احسان ہو کہ مین تم سے مل سکون۔ ادہر تم کو اُس پر یہ احسان کرنا ہوگا کہ میرے بھائی سے ٹھنڈے دل سے ملنے دو۔ اصغر! یہ ہندوستانیون کے لیے، ہم مسلمانون کے لئے ذرا انوکھی اور قابل اعتراض تجویز ہے۔ مگر جب ہمارے دل پاک اور صاف ہین ہم آپس مین مخلصانہ محبت کرتے ہین تو پھر ملنے مین کیا بُرائی ہے؟ میرا بھائی تو دوسرے کی بیوی بنجانیپر اس لڑکی سے ہرگز نہین ملنا چاہتا، مگر مین نے سمجھایا ہے کہ وہ ہماری بہن ہے کیا بحیثیت بھائی کے وہ اپنی خالہ زاد بہن سے نہ مل سکیگا؟ اور تم بھی سچے شریف اور نیک سیرت بلند حوصلہ انسان ہو، کیا میرے بھائی ایسے نیک دل سادہ لوح بچے سے بدظنی کروگے؟ ہرگز نہین وہ مثل بہن بھائی کے آپس مین ملا کرینگے اور یہ بھی اسی طرح آیندہ سے شادی وادی کا خیال بھی دل مین نہ آنے پائیگا۔ بلکہ تعلقات دوستانہ رہینگے۔ کہو پیارے اصغر! مین نے

کیا بُرا سوچا ہے؟ کیا تم اس قدر تنگ دل ہو کہ اپنی بیوی کا اُسکے چاہنے والے شریف اور سمجھدار بھائی سے ملنا گوارا نکروگے؟" احسن اُس کی اس تجویز سے گو مین بہت گھبرایا کیونکہ مجھ پر ثابت تھا کہ بیرسٹر صاحب کا لڑکا جسکی عمر تقریبًا اٹھارہ سال کی ہوگی اپنی خالہ زاد بہن پر فدا تھا۔ ایسی حالت مین وہ مجھسے کب محبت کر سکتی تھی؟ مگر مجھکو اُسکی محبت کی پروا بھی نہ تھی۔ وہ مجھسے اور مین اُس سے محبت نہین کر رہا تھا بلکہ کسی اور ہی کا حکم بجا لاتے تھے۔ آخر مین مجبور ہوگیا اور بلا سوچے وعدہ کر لیا، محض اُس امید پر کہ وہ ملسکیگی۔ اگر کہین اور شادی کی تو میری بیوی بدگمانی کریگی یہ لڑکی اپنی بہن کی شرافت سے واقف ہے اور مجھسے محبت نہین ہے بدظنی نہ کریگی۔ غرضکہ ہماری شادی ہوگئی۔ احسن! کیا خوب شادی ہوئی؟

احسن۔ تم ہی تھے کر گزرے، مین ہرگز نکر سکتا۔

اصغر۔ اسن بحر محبت مین ڈوبکر بھی تمھاری کچھ عقل اور سمجھ رہجاتی تو نکر نے گر مین تو بالکل بے عقل اور دیوانہ تھا۔ اتنا ہی غنیمت جانا کہ اُس سے ملسکونگا۔ وہ غریب بھی مجکو آسانی سے ملگئی اور میری والدہ بھی بہت خوش ہوگئین کہ حسین تعلیم یافتہ امیر گھر کی بھولائین، گو محبت نہ اسکو مجھسے تھی اور نہ مجھکو اُس سے، مگر اچھا خاصا نباہا۔ اسینے یہ سوچا کہ بیرسٹر صاحب، بیٹے کے دل سے بھلا نیکو اسکی شادی ضرور ہی جلدی کر دینگے اصغر ہی سے کرلو اس مین میرا فائدہ ہے کہ بہن پر احسان ہوگا اسکے لئے مین اور کوئی غیر برابر تھا چنانچہ میری اس شادی کو چوتھا سال ہے۔ اب تک اچھی گزرگئی ہی سردیان وہ میرے یہان گزارتی، گرمیان ہم دونون کشمیر مین، جو میرے لیے جنت تھی، مگر تا بکے، چار سال تک وہ اپنی شادی کو ٹالتی رہی کہ پہلے بھائی کی ہوجائے پھر کرونگی مگر بھائی نہ یورپ سے واپس آیا نہ شادی ہوئی والدین نے سختی سے مجبور کیا اور وہ بےبس اور مجبور ہوگئی۔ چنانچہ مین ہی

ہنسنے گزرے ہین کہ اُسکی نسبت ایک کروڑ پتی سیٹھ کے لڑکے سے ہوگئی، جو اسی سال آئی سی۔ ایس ہوکر واپس آیا ہے، یہ ایک دن ہونا تھا اُسکا چندان غم نہ تھا، مگر آفت یہ ہے کہ وہ لوگ بہت تنگدل اور پرانے دستور کے پابند ہین۔ پھر بہت دور بمبئی لیجائینگے۔ وہ اب مجھے اتنا بھی نہ مل سکیگی۔ اب ہمارے ملنے کی کوئی امید باقی نہین رہی۔

احسن۔ جانیدو۔ آخر ہمارے سالے نے بھی تو ہمت کی اور اُس لڑکی کا خیال ہٹا دیا انگلینڈ مین مزے کر رہا ہے تم بھی صبر کرو۔ ممکن ہے کبھی ادہر آنا ہو مل سکے۔ اتنا غم نکرنا چاہئے صحت بگڑ رہی ہے۔

اصغر۔ احسن! اب میری زندگی محال ہے۔ میری روح پرواز کر رہی ہے دل بیٹھا جاتا ہے۔ خدا گواہ ہے جبدن سے میری شادی ہوئی ہو میری بیوی سے پوچھ لو ہم کسی طرح مثل بہن بھائی کے ملتے رہے ہین، اگر صرف دیکھ لینا ہی زندگی تھا چھ ماہ سردی کے کشمیر کی اسی مین گزرجاتے تھے۔ سب لوگ ہم سے خوش تھے، کسی کو کوئی شبہہ و بدگمانی کا موقع نہ ملا تھا میری بیوی اُنکی شکرگزار ہے کہ اُنہون نے اچھا نیک شوہر دیا۔ اور اب ہم مین کچھ کچھ محبت بھی ہوگئی ہے۔ لیکن اصغر! اب میرا جینا بیکار ہے جب اُس کو ایک نظر بھی نہ دیکھ سکا۔ جسکے لئے مین نے شادی کا بدلا اپنے سر لیا تھا۔ ورنہ مجھ مین اس کام کی ہمت نہ تھی دل اپنا نہ تھا دل مین آرزو نہ تھی، شادی کیسی؟ مگر یون کر لی کہ جس لڑکی سے شادی کر رہا ہون وہ بھی میری طرح زندگی سے بیزار ہے، مجھے کچھ زیادہ توقعات نہ رکھیگی ورنہ کسی بیگناہ کی زندگی تلخ کرنا گناہ خیال کرتا ہون۔ مگر اب آہ اب وہ چلی ہمیشہ کو چلی۔

احسن۔ (مسکراکر) وہ تو تاجر ہین اُنکے کارخانون مین ملازمت کرلو

اصغر۔ تم تمسخر کرتے ہو۔ مین بیکر نیکو بھی تیار ہون، مگر وہ لوگ کب

گوارا کرینگے۔ وہ کہتی تھی شوہر کے خلاف مرضی مین اب کسی سے نہ ملونگی مجکو صبر کرو۔ ہر ایک اصغر نہین کہ بیوی کو ملنے دے۔

احسن۔ شادی کب ہے ؟

اصغر۔ پرسون۔ وہ مانجھے بٹھادی گئی، مین کل گیا تھا زرد ساری مہینے شادی کی خوشبوؤن مین بسی تھی ایسی کہ جیسے شادی کیوقت میری بیوی۔

احسن۔ آہ کیا مجبوری ہے کیا کیا جائے ؟ اصغر اب نہ دیکھ سکوگے ؟

اصغر۔ ہان ایک بار صرف ایکبار، انہون نے کہا ہے کہ نکاح کے قبل آخری مرتبہ مل جاؤ، اسکے بعد مجھکو شوہر کی اجازت کے پابند ہو جانگی

اصغر۔ حیرت ہے اسقدر نیک خیال لڑکی۔ آہ خدا سمجھے ہندوستان والون کو کیسی بے میل شادیان کرتے ہین لڑکی کو اسقدر تعلیم دی، آزادی دے دی اور عمر بھر کو جہنم مین ڈھکیل دیا۔

احسن۔ اس بیرسٹر نے تو غضب ہی کیا، اس حد تک تعلیم یافتہ اور آزاد ہوکر اولاد کی زندگی تباہ کردی جب ایسے آزاد لوگ یون قدامت پسندی کی مثالین قائم کرین تو بھلا بیچارے پرانے جاہل لوگون پر کیا افسوس ہے۔ شادی او لاد کی اور پسند و انتخاب اپنا۔ اگر کہین شبہہ ہوگیا کہ لڑکا یا لڑکی خود ان جگہ کو پسند کرتے ہین تو اپنی تمام قوت و کوشش صرف کرینگے اس کام پر کہ انکی حسب پسند محبت کی جگہ شادی نہ کرنے دین جس سے انکو اپنے کئے کی سزا ملے۔

اصغر۔ پیارے احسن! کیسا ظلم ہے کسقدر سنگدلی ہے کہ یہ لوگ انسان کو اس عطیۂ قدرت سے محروم کردینا پسند کرتے ہین اور کردیتے ہین جسکو خداوند کریم نے ہر ذی روح مین ودیعت کیا ہے انسان ہی پر کیا منحصر ہے دیکھو یہ چرند و پرند کیا آپس مین محبت نہین کرتے ؟ ان کے کیسے پُر محبت

وشیرین جوڑے ہوتے ہین محبت ایک فطرتی جذبہ ہے جسکو یہ لوگ پامال کردیتے ہین۔ ہم ہندوستانی لوگ محبت کہان کرسکتے ہین ہاں سوا شادی کے وہ بھی شادی کے بعد اگر قسمت نے یاوری کی تو ہنگئی، ورنہ حقیقی وقلبی محبت سے سرشار میان بیوی ہم مین کہان ہین ؟ اسی سے پیشتر انکو علیحدہ رکھا جاتا ہے پھر یہ بے بس و مجبور فرقے مین ناکتخدا لڑکے اور لڑکیان یہ خسروی نعمت محبت حاصل کرین تو کیسے ؟ اور بیدا کے بھی جئین تو کیسے ؟ احسن! میرے احسن!! اصغراب زندہ نہ رہیگا آہ بے محبّت زندگی بیہودہ ہے، عذاب قبر سے بدتر ہے۔

احسن (بچشم پُرنم) آہ اصغر! پیارے بالکل سچ ہے۔ مگر ہم مجبور ہین ہکو اسی حال مین جینا پڑتا ہے۔ تمہاری شادی ہوگئی ہے، بیوی بھی اچھی ملی ہے اُس غریب سے دل لگاؤ، الفت کرو اور یونہین اپنی زندگی کے دن بسر کرڈالو۔

اصغر۔ یہ درست ہے، بیوی لاجواب ہے، میری جان نثار ہے، مین اُسکا قدردان۔ مگر احسن، یہ سب کچھ شرعی ہے اور فرض خیالکر کے ایک دوسرے کا خیال کرتا ہے ورنہ مین اُسکا اور وہ میری عاشق نہین ہے۔ چونکہ میان بیوی بنادئے گئے ہین، ہمکو ایکدوسرے کے حقوق شرعی کا خیال "فرائض زوجین" کی پابندی ادا کرنا ہے۔ آہ آہ ہم چارون کو زندہ مار ڈالا، چارون کی آرزوئین تمنائین مٹ گئین، خوشیان چھین لی گئین اب ہمارا جینا عبث ہے۔

احسن۔ (بات ٹالنے کو) اصغر! یہ لوگ تو ہمیشہ کشمیر جایا کرتے تھے تم کہتے تھے، اس سال یہان کیسے آگئے ؟

اصغر۔ اس دفعہ داماد صاحب کا حکم تھا کہ شملہ آؤ مین بھی یہین ہونگا۔

احسن - مری خوش نصیبی تھی کہ وہ آئے تو تم بھی شملہ آگئے ورنہ اب بھی ملنا نہوتا۔

اصغر - (گھڑی دیکھکر) اب جانا چاہیئے ۱۰ بجنے والے ہین اس وقت آخری رخصت کو بلایا تھا؟ دونون نے اور بچشم تر وہ رخصت ہوئے احسن اندر چلا گیا۔

اصغر - آخر مجکو بلایا کیون ہی؟ جب بولنا نہ تھا - دیکھو وقت گزرا جاتا ہے آدھ گھنٹہ ہوگیا مجھے بیٹھے ہوئے اب کچھ تو کہو، مین چلا جاؤن؟ کیا اس خوش نصیب کی طرف سے بولنیکی بھی اجازت نہیں ہے؟

عروس (ہاتھ پکڑکر) ہاے ایسا نکرنا - آج آپکو بہت دیر مین جانے دونگی اصغر یہی شب ہے بس یہی - اسکے بعد عمر بھر کی جدائی - یون تو مین ابھی ۲ ہفتے یہان اور رہونگی، مگر کل صبح عقد ہو جائیگا، اسکے بعد دوسرے کی پابندی ہے اور تم سے ہمیشہ کو جدائی ہے اور مین" یہ کہتے کہتے روتی ہوئی اصغر کی گود مین گرکر بیہوش ہوگئی اور بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔

اصغر - اسقدر رنج نکرو آخر زندگی گزارتی ہے - امید ہے وہ اچھا شخص ہوگا جو بہت زیادہ قدر و منزلت کریگا - تعلیم یافتہ ہے نیک سنا جاتا ہے -

عروس - یہ سب کچھ سہی مگر وہ مجھسے اسقدر محبت نہین کرسکتا جسقدر میرا اصغر - کاش مجکو بے شادی عمر گزارنیکی اجازت ملجاتی - اصغر اب ہم کبھی نہ مل سکینگے صورت نہ دیکھ سکینگے - خط نہ لکھ سکینگے -

اصغر - تو کیا پھر یہ زندگی ہوگی؟ ہرگز نہیں مین اس زندگی کو آج ہی صبح سے پہلے پہلے ختم کر ڈالونگا۔

عروس - توبہ کرو توبہ اصغر - مسلمان ہو یہ دنیا دین مصائب ایکدن ختم ہو جائینگے مگر عذاب عقبے ختم نہوگا -

اصغر - کیسی عقبیٰ؟ جب ہماری دنیا ہی بدمزہ ہوگئی - خدا نے نہین ہمارے چاہنیوالون اور عزیزون نے تلخ کردی ہے - اور ہم کب برداشت کرتے ہین - مین بھی آپ کے بھائی کی طرح کہین کو نکل جاتا مگر آپ نے اور مہربانی کی میرے پاؤن مین ایک زنجیر ڈالدی ہے اور وہ اسقدر نیک و شریف لڑکی ہے کہ مین اسکو دکھ دینا نہین چاہتا۔

عروس - ہرگز نہین - پیارے اصغر وہ زنجیر نہین وہ ایک نعمت ہے جو تمہاری خدمت اور رفاقت مین عمر تیر کریگی - وہ ہماری محسن ہے چار سال تک کس آسانی سے ہمین ملنے دیا - کیا تم اُن گھڑیون کو بھول گئے جب وہ ہمین ایک جگہ بٹھا کر خود اُٹھ جایا کرتی تھی - اور ہم روکتے تو کہتی عجب اطمینان ہے تو کیون نہ چلی جاؤن" اسی لڑکی کی بدولت چار سال تک ہم حقیقی بہن بھائی کی طرح مل سکے، گویا - یہ چار برس ہم نے دنیا مین گزارے - اب دوزخ ہے اور ہم مجرمانِ محبت - آہ اس محبت کے ارتکاب جرم" مین ہمکو یہ دائمی جدائی کی سزا ملی ہے - خدا مدد کرے اور اب میری زندگی کم کرے اس دنیا سے اُٹھا لے" پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور صغر کے شانے پر سر رکھدیا۔

اصغر - میرے قریب کیون ہوتی ہو؟ آہ اب تم غیر کی ہو میرے ساتھ یہ بے تکلفی بھی ناجائز ہے -

عروس - اصغر تم بھی ظالم نہ بنو کیا مین خواہرانہ حیثیت سے بھی نہین مل سکتی؟ اس ظالم آسمان کے نیچے ہم دونون بہن بھائی بھی نہین رہ سکتے -

اصغر - اگر ایسا ہو سکتا تو آپ ہمیشہ مجکو بھائی خیال کرکے ملاکرتین آج کے بعد سے ہمیشہ کی جدائی کیسی؟

عروس یہ سچ ہے مگر میرا شوہر جو محض اجنبی ہے یہ کیسا اور کرسکتا ہے کہ مین تمکو بھائی سمجھتی ہون؟ بس اسکی بدظنی سے بچنے کی ایک

ہی تدبیر ہے کہ آپ کی ہمیشہ کی ہلاکت آفرین جدائی کا تلخ جام پیون اور زندہ رہون - میرے اصغر! ایسا ہی تم بھی کرنا اور میری ناز آفرین - (اصغر کی بیوی) کو خوش رکھنا - آؤ ایکبار مل لو، اچھی طرح مل لو کہ اب ہم نہ ملینگے - یہ سنکر مغموم اصغر پہلے اُسکی طرف جھکا اور پھر رکا -

عروس - کیون میرے اصغر آج ہی سے میری محبت سینے سے نکالنے کو مجھ سے یون ہٹتے ہو؟ اصغر! مین تمہارے بغیر جیون گی مگر تمہاری یاد مین جیونگی - خاطر خدمت ایک اور کی کرون گی مگر یہ دل ہمیشہ کو تمہارا ہے ابتک تمہارے چاہنے والی صادق دوست تھی لیکن آج کے بعد سے جان نثار حقیقی بہن سمجھو - کیا بعض بعض بھائی اپنی بہنون پر جان نہیں دیتے ہماری سچی اور اچھی محبت تا ابد قائم رہیگی ظالم والدین جہان بھیج رہے ہین جاتی ہون جس طرح ناز آفرین نے ہمارا حکم مانا مین بھی مانونگی اور ہندوستانی تعلیم یافتہ لڑکی کا نام بدنام نہونے دونگی - ورنہ مین بھی سب کچھ کرسکتی تھی - والدین کو کچھ اختیار نہ تھا - مگر مین آزادی اور تعلیم پر حرف لانا نہین چاہتی - تم بھی ایسا ہی کرو خوشی خوشی ظاہری ہی سہی، زندگی گذارو - مگر اصغر! دل مین مجھے یاد رکھنا ہائے ایسا نہ ہو کہ کبھی بھلادو - کیونکہ عرصے کی جدائی مین یاد باقی نہیں رہتی -

اصغر - (اُسکا سر اپنے سینے سے لگاکر) مجھ پر یہ بدگمانی ستم ہے مجھکو اسی سر عزیز کی قسم ہے اگر کچھ دن زندہ رہا بھی تو تمہاری یاد مین - آہ تم نہین جانتی ہو کہ اس یاد کی تلخی مین بھی کسقدر حلاوت ہے درد فرقت ہی مین بے پایان مسرت ہے کیا تم سے علیحدگی کی گھڑیان مین کسی اور شغل مین بسر کرتا ہون؟ ہرگز نہین - اسی یاد، اسی خیال، اسی تصوّر مین وہ وقت کٹ جاتا ہے تمہاری تصویر ہر وقت پیش نظر رہتی ہے -

عروس - مگر اصغر! یہ بدنصیب اب اس سے بھی محروم ہوتی ہے - میرے البم مین تو تمہارا فوٹو جائیگا مگر یہ (گلے کی سنہری زنجیر مین چھوٹی سی تصویر رہتی تھی) آج صبح ہی گلے سے نکالدیجائیگی اور اسکی جگہ ایک دوسرے کی ڈالی جائیگی -

اصغر - ابھی سے اسکی کیا ضرورت ہے؟ یا یہ بھی لازمی ہے

عروس - ضرورت تو نہ تھی نہ ہوگی، مگر کل ہی شام مسٹر شاد (شوہر) ایک خوبصورت "انگ چین" لائے جس مین یہ چیز بھی ہے - مین نے کہا بھی کہ فی الحال یہ خالی رہیگی" تو اُنہون نے فوراً ہی بکس مین سے اپنی زرا سی شبیہہ بھی نکالدی! اب وہ تیار ہے اور لازمی ہے کہ کل ہی گلے مین ڈال لون - مگر میرے اصغر! کیا یہ دلسوز کام مین خوشی سے کر رہی ہون؟ جو تصویر آج نکالی جائیگی وہ تو میرے دل پر نقش ہے اور جو ڈالی جائیگی وہ ادائے فرض و خوشنودی شوہر کی باعث ہوگی -

اصغر - ظالم کس کس تیاری سے ملا ہے چھوٹی تصویر بھی بنوائی اور اسقدر جلدی اسے زیب گلو بھی دیکھنا چاہتا ہے -

عروس - اصغر ہماری طرح وہ بھی خوش نصیب نہین ہے میرے والدین اسے دھوکہ دے رہے ہین، کاش وہ کسی کو چاہتا، کوئی اسے چاہتی اور وہ سچی زندگی اور حقیقی راحت حاصل کرتا - اب میرے ساتھ وہ طمانیت قلب وہ مسرت کہان پائیگا؟ بدقسمت ہے خوبصورت ہے، نوجوان ہے مالدار ہے، مگر میرے خیال مین بہت ہی کمبخت و بدنصیب ہے

اصغر - اور جو خوش نصیب ہوجائے، اسکی خوبیان تیر اثر کرکے دل پر قبضہ کرسکین تو پھر دونون کو مسرت بے پایان حاصل ہوسکتی ہے -

عروس (طنز سے) ہان ممکن ہے جیسے کہ یہ ممکن ہے کہ ناز آفرین کی خوبیان اصغر کو اپنا کرلین - (اسپر وہ جھینپ گیا اور سر جھکالیا) دیکھو اصغر! وہ سامنے والے گلاب کے تختے پر کیسی چاندنی چھٹک رہی ہے

ہم کبھی وہان بیٹھا کرتے تھے - ابھی ابھی چند ہفتے پیشتر -

اصغر - مین دیکھ رہا ہون میری نظر اُسی پر ہے، آہ آج آخری نظر اور پُر حسرت نظرین پڑ رہی ہین - کبھی وہ جگہ باعثِ شگفتگی رُوح ہوتی تھی مجھے آج سے کئی سال قبل کا وہ وقت بھی یاد ہے جبکہ بار اول ہم اسی جگہ ملے تھے - یاد ہے ؟

عروس - ہان خیال آیا پھلی بار مسٹر صفدر (اصغر کا وہ دوست جس نے کشمیر مین تم سے ملایا تھا اور پھلی بار تختہ گلاب ہی پر مقدمات ہوئے تھے) نے آپ کو ہم سے ملایا تو ہم گلاب کے قریب بیٹھے تھے وہین چاء پی تھی صرف مقام کا فرق ہے ورنہ مقام بالکل کشمیر کے اُس مرکزِ محبت کی جگہ سے مشابہ ہے -

اصغر - اکثر ہم کشمیر مین اُسی جگہ بیٹھا کرتے تھے، مین نے اپنے گھر مین بھی اس ترکیب سے درختوں سے صحن چمن مین ایک جگہ بنائی ہے، جہان تنہائی اور جدائی کی ناگوار گھڑیان کسی کے تصور مین بیٹھکر گزارا کرتا ہون - یہان شملہ کے چند روزہ قیام مین بھی وہی نقشہ پیشِ نظر رہا، مگر اب، آہ اب ؟

عروس - اب کہان ہم، کہان یہ گلاب - اصغر! مین نے خود کوشش سے یہان آتے ہی کچھ گملے جمع کر کے اس گلاب کے قریب ہی پہ ترکیب سے ایسا مقام بنایا تھا کہ میرے اصغر کو کشمیر مین تختۂ گلاب کے قریب کی نشست سے محبت پسند تھی تو اس پہاڑ پر بھی اُسی جنت کا نمونہ کیون نہ بنایا جائے مگر آج معلوم ہوا کہ تم فیض آباد (اصغر کا وطن) مین بھی اسکی نقل کر چکے ہو - آہ آج یہ بھی چھوٹتا ہے مجھکو جتنی گلاب سے انسیت تھی اب نفرت ہو جائیگی - جب میرا اصغر ساتھ نہو تو اسے کیا کرنا ہے -

اصغر - مین نے بھی یہ ارادہ کر لیا ہے کہ گھر جا کر سب سے پہلے اُس کیاری ہی کو آگ لگا دی جائیگی - آہ جب دل و جگر جل کر خاک ہو گئے تو گلاب کو کیا کرنا ہے -

عروس - اصغر! اب ۹ بجنے والے ہین - کہدون ہائے کیسے کہون کہ جانا ہو گا - میرا کھانا تو آج نہین آئیگا، مگر ساتھ امان جان بھی آئینگی اسلئے بہتر ہے کہ چلے جاؤ یا کھانا یہین کھا لو نا ز آفرین بھی یہین کھائینگی -

اصغر - مین آج کھانا نہ کھاؤن گا میرے سینے مین ہلکا ہلکا درد ہے دل گرا جاتا ہے کھانے سے تکلیف بڑھ جائیگی - (اور اُٹھنے لگے) اچھا رخصت

عروس (پکڑ کر لیٹکر) ہے ہے اسقدر جلدی اور یون بیگانہ وار ؟

اصغر - پھر اور کیسے اور کب ؟ تمھین نے جانیکو کہا تھا میری تو سمجھ مین نہین آرہا ہے کہ کیا کرنا چاہیے، حواس کچھ گُم ہو رہے ہین، جلدی چلا جاؤن تو بہتر ہے -

عروس (پریشانی سے) کیا سبب یہین لیٹ جاؤ تھوڑا پانی پیو، مین "اسپرٹ امونیا" کے چند قطرے دیتی ہون تنہا گھر جا کر کیا کروگے بیوی تو یہین ہے " اس کے یہ کہتے کہتے وہ خود ہی عالم بے اختیاری مین فرش پر گر گیا اور اس پریشان صورت دُلھن نے سنبھالکر لٹایا، پانی چھڑکا اور گلاب سنگھا ئیگی - جب ذرا آنکھین کھولین تو پانی دیا - اُسنے دلکا کہ سینے پر چند تر و تازہ چمکتے ہوئے گلاب کے پھول پڑے ہین - پہلے تو عادت کے موافق اٹھا کر آنکھون سے لگائے ہونٹون سے مس کئے مگر فوراً ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور الگ رکھکر کہنے لگا -

"اب انکی قدر محبت چھوڑ دینی ہے نا ؟ آج سے گلاب تو بالکل نہ دیکھا جائیگا پھر اُن مینون پھولون کو اٹھا کر نہین ان کے ساتھ ایسا نہین کر سکتا یہ تو کسی کے دئے ہوئے ہین - اِن پیارے ہاتھون نے مٹی سے علٰحدہ کر کے مجھ تک پہونچائے ہین انکو ہمیشہ ہمیشہ اپنے پاس رکھونگا بلکہ مرتے وقت کفن مین بھی پھول ساتھ جائینگے --

عروس۔ اصغر ایسی باتین نکرو میرا دل بیٹھا جاتا ہے ہوش مین آؤ تم تو کچھ بیہوشی کی باتین کر رہے ہو۔

اصغر۔ مین ہوش مین ہون تمہارے قریب ہون، مگر کتنی دیر کو؟ چلون تب آخر کتنی دیر کو؟ اس طویل زندگی مین سے کتنا عرصہ یہان گزار سکتا ہون؟ اب اُٹھا دیا جاؤنگا؟ در اصل ہٹا دیا جاؤنگا؟ اور یہ آخری ملاقات ہے، اسکے بعد پھر نہ دیکھہ سکونگا؟ خدا کے لئے جلدی کہو میرا دم گھٹتا ہے اصغر کا چہرہ سُرخ ہو گیا پسینہ آگیا پھر فوراً ہی زردی چھا گئی اور وہ لرزکر زمین پر گر گیا۔ عروس غریب خود بیحواس تھی اسنے جلدی سے اپنی بہن ناز آفرین کو بلایا دونون نے بیحد کوشش کی مگر انکو ہوش نہ آتا تھا دس نج چکے اور وہ اُسی طرح پڑا رہا حواس درست ہو گئے تھے مگر ابھی اُٹھنے کے قابل نہ تھا پسینہ برابر آرہا تھا۔ اُسکا سر اُسوقت اُسی کے زانو پر تھا، وہ جانتا تھا کہ آج کے بعد موقع یہ کبھی میسر نہ ہوگا دونون کی آنکھون سے جھڑی لگی تھی۔ اصغر کے ہاتھ مین اسکا ہاتھ تھا جسکو اپنے سینے پر رکھ چھوڑا تھا بہت دیر بعد یون بولا اصغر۔ مین اب چلا جاؤن؟ نہین تو ساتھ ہی لیچلو۔ بخدا مین جدائی مین زندہ نہ رہ سکون گا۔ میری سمجھ اور عقل جا چکی ہے صرف ایک روح باقی ہے وہ بھی نکلجائیگی۔

عروس۔ کیا کرون؟ میرے پیارے اصغر! مین کیا کرون؟ آہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم دونون اسی جگہ یونہین اپنا خاتمہ کر دین اور ہمیشہ کو ایک ساتھ رہین

اصغر۔ ہمین یہ بھی بخوشی منظور ہے۔ مگر دونون نہین صرف ایک اپنی جان سے پیاری بچھڑ جانیوالی پر قربان ہو جائیگا صرف اجازت درکار ہے۔

نذر سجاد حیدر

لمعاتِ بسمل

(جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی)

پھر جی اُٹھونگا مجھکو مسیحا جلائے کیون ‖ پامال کرکے مجھکو کوئی آزمائے کیون

دامن عزیز ہو جسے اپنا وہ بیوفا ‖ میرا مزاج پوچھکے مجھکو رُلائے کیون

بلبل کے جوش، جذبۂ گلچین کی روک کیا ‖ پوچھے کوئی چمن مین بھلا گل کھلائے کیون

پہلے رہا لحاظ کہ بگڑے کہین نہ بات ‖ اب یہ ندامتین ہین کیا صبر ہائے کیون

دشمن کی بزم مین اُن سا ستمگار، رعب حسن ‖ دل پر نہ اختیار ہو جسکو وہ جائے کیون

اے ہمنشین جسے ہو دل اپنا عزیز، وہ ‖ اُس شوخ فتنہ کار سے آنکھین ملائے کیون

رحمت کو میکدہ سے تعلق نہین اگر ‖ میخانے ہی کی سمت گھٹا آئے جائے کیون

بسمل اگر نہین تھا کبھی آپ کو عزیز ‖ مرقد پہ اُسکی آکے آنسو بہائے کیون

نقد و تبصرہ

(۱) دنیائے افسانہ - از جناب محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم - اے - ایل - ایل - بی قیمت ۱۲؎ ملنے کا پتہ: مکتبۂ ابراہیمیہ اتحادی اسٹیشن روڈ - حیدر آباد - دکن

یہ کہنا شاید غلط نہو کہ تمام ادبی دنیا اسوقت مختصر افسانہ نویسی کے دور سے گزر رہی ہے اُردو ہرچند کہ ایک نئی زبان ہے لیکن اسمین بھی مختصر افسانہ نویسی کی طرح پڑ چکی ہے - یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ جناب عبدالقادر صاحب سروری نے ضرورت زمانہ کو ملحوظ رکھ کر "دنیائے افسانہ" مرتب کی اور اردو خوان اصحاب کو اس سے روشناس کیا - غالباً اپنے موضوع پر اردو زبان مین یہ پہلی تصنیف ہے اور کامیاب تصنیف ہے - کتاب مذکور کے بعض حصون سے ہمین اختلاف ہے مثلاً جناب مصنف کا خیال ہے کہ شاعری اور ناول کا موضوع ایک ہے - یہ تعمیم Generalisation ہمارے خیال مین اپنے حدود سے متجاوز ہو گی - شاعری اور ناول نویسی دونون فنون سے تعلق ہین یہان تک تو ضرور دونوں مین ایک ہی صفت مشترک ہے اس سے آگے بڑھنا ہمارے خیال مین ایک مصنف کی محتاط روش کے منافی ہے - بہرحال مصنف کا یہ نقش اول پبلک کی ہمت افزائی اور قدردانی کا مستحق ہے - کتاب کی دوسری جلد بھی تیار ہو رہی ہے ہم توقع کرتے ہین کہ وہ بھی جلد ہمارے ہاتھون مین ہو گی - زیر نظر کتاب مین بیس عنوانات قایم کیے گیے ہین - افسانون کی اہمیت - فنون لطیفہ اور افسانہ - افسانون کی پیدایش حقیقت اور افسانہ - افسانون کی قسمین - افسانے کا ارتقا - ناول کی پیدایش - ناول کا موضوع - ناول کے عناصر - اعلیٰ ناول کے خصوصیات - مختصر قصے - مختصر قصون کا فن - اردو زبان اور افسانے - ابتدائی دور کے افسانے - فورٹ ولیم کالج کی کوششین - اردو ناول - اردو مختصر افسانے - اردو افسانون کا مستقبل - عنوانات پر نظر ڈالنے سے فوراً پتہ چلتا ہے کہ جناب مصنف نے کتاب کو مفید اور کار آمد بنانے مین کوئی کوشش اٹھا نہین رکھی - آخر کتاب مین اشاریہ بھی موجود ہے جسنے کتاب کو مفید تر بنا دیا ہے - ہم امید کرتے ہین کہ اردو دان پبلک نوجوان مصنف کی قدردان ثابت ہو گی -

(۲) سیر گل - یعنی مختصر افسانون کا مجموعہ از جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی - اے علیگ مع مقدمہ از خواجہ غلام السیدین صاحب بی - اے - ایم ای ڈی مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ عہ مین مصنف سے - ذیئرہ سٹی علیگڑھ یا کاشانہ ادب کے پتہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے -

جناب جلیل کے افسانون کا مجموعہ سیر گل ہمارے ہاتھون مین ہے ان افسانون مین سے بعض ملک کے مشہور اور متعدد رسایل مین چھپکر شایع ہو چکے اور پبلک سے داد تحسین حاصل کر چکے ہین - اس مجموعے مین اکثر افسانے ترجمہ ہین انمین سے بھی اکثر روسی معجز نگار چیخوف اور ایک فرانسیسی سحر طراز موپسان کے قلم کا شرمندۂ منت ہے - ادبیات مین ان افسانہ نویسون کا جو درجہ ہے اس سے افسانہ خوان طبقہ ناواقف نہین جہانتک ترجمے کا تعلق ہے ہم وثوق کے ساتھ کہ سکتے ہین کہ حضرت مترجم بہت کامیاب رہے ہین - ان ادب نگارون کے افسانون کا دنیا کی اکثر زندہ علمی زبانون مین ترجمہ ہو چکا ہے اردو ادب اب تک اگر ان جواہر پارون سے خالی ہوتا تو مقام افسوس تھا - شکر ہے کہ جلیل صاحب نے اردو ادب کو ان گرانمایہ افسانون سے بھی دامن نہ رکھا خود جناب مصنف نے اپنے افسانون مین بھی دلکشی کا سامان فراہم کرنے مین کوتاہی نہین کی ہے کم از کم اردو ادب مین موصوف کے افسانے بھی بلند جگہ پانے کے مستحق ہین - کتاب کی افادی حیثیت کو دیکھتے ہوئے جناب خواجہ غلام السیدین صاحب کا مقدمہ کسیطرح نظر انداز نہین کیا جا سکتا - مقدمہ نگار کی سب سے پہلی خصوصیت جسپر ہماری نگاہ اُٹھتے ہی پڑتی ہے یہ ہے کہ مقدمہ نویس نے افسانہ نگار کی بابت جو رائے قایم کی ہے وہ غیر ذمہ دارانہ نہین کہی جا سکتی ورنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ مقدمہ نگار کا قلم مصنف یا مؤلف کا ریجا قصیدہ خوانی کو اپنا فرض سمجھتا ہے اور بجائے اسکے کہ قاری کیلئے مفید ہو گمراہ کن ثابت ہوتا ہے - کتاب کی لکھائی چھپائی دیکھتے ہوئے یہ قیمت بھی کچھ زیادہ نہین کہی جا سکتی -

وصل بلگرامی

مشہور مصنفوں کی مشہور کتابیں

خصوصی رعایتی قیمت — صرف ایک ماہ کیلئے

کتاب	صفحہ	قیمت	کتاب	صفحہ	قیمت	کتاب	صفحہ	قیمت
پراسرار دلہن	۳۳ صفحہ	۲ر	شریف بدمعاش	۳۹ صفحہ	۱ر	خونی داروغہ	۹۲ صفحہ	۱۴ر
ترکی دلہن	۱۰۹	۱۴ر	شریفہ چور	[illegible]	[illegible]	جوروکا غلام	۵۴	۲ر
محل خانہ شاہی	۱۹۸	۶ر	نانا صاحب کی لوٹ	۱۴۳	۵ر	غمزدہ بیوی	۲۰	۱ر
اسرار امریکہ	۱۱۹	۴ر	کرشمۂ رقابت	۱۲۰	[illegible]	حسن بن صباح	[illegible]	۱۴ر
انگریز ڈاکو	۱۳۲	۶ر	اندر پست	۱۱۲	۴ر	بچھڑی دلہن	۴۰	[illegible]
سونے کی چڑیا کا ل	۱۴۴	۴ر	الوکھا فقیر	۱۳۶	۱ر	عیاش شوہر وفادار بیوی	[illegible]	۲ر
عیاشی کا خفیہ راز	۱۲۴	۴ر	حیات شیخ چلی	۲۸	۲ر	قاتل کا قاتل	۷۶	۲ر
نوابی دربار	۹۲	۳ر	ہوائی بندوق	۲۸	۱ر	خونی بیوی	۱۶۴	[illegible]
دوجوروکا شوہر	۶۹	۴ر	بکھڑوں کا ملاپ	۵۲	۲ر	حسینوں کا عشاق باتصویر	[illegible]	[illegible]
انوکھی معشوقہ	۸۴	۴ر	خونی آقا	۶۸	۲ر	دیوان چرکین	۳۶	۱ر
انقلاب فرانس	۱۹۹	۶ر	بہرام کی واپسی	۳۶	۱ر	دیوان جان صاحب	۱۰۰	۴ر
وفادار دلہن	۱۰۴	[illegible]	شوقین لڑکا	۵۲	۲ر	مثنوی زہر عشق باتصویر	۲۳	۱ر
ترکی حرم سرا	۷۶	۲ر	خونی ساحر	۱۲۴	۴ر	عاشقانہ خط و کتابت	۳۶	۱ر

نوٹ:- اس کے علاوہ دو روپئے یا اس سے زائد پر ایک آنہ تین روپئے یا اس سے زائد پر [illegible] یا اس سے زائد پر دس روپئے تک ۲ر فی روپیہ کا کمیشن بھی دیا جاتا ہے اور فہرست کتب مفت۔

المشتہر: منیجر مفید عام بک ڈپو لکھنؤ

جوہر تمباکو کی خوش نما

خوش ذائقہ — خوبصورت — نقرئی و طلائی

گولی تمباکو خوردنی

جن کو خاص طریقہ سے ہمارے کارخانے نے محنت اور جانفشانی سے تمباکو کی مضرت دفع کر کے تیار کیا ہے شیشی میں بھرے ہونے سے سچے موتی معلوم ہوتے ہیں۔ شائقین اور خصوصاً امرا کے قابل یہ شے بے مثل ہے نمونتہً طلب فرما کر ملاحظہ فرمائیے۔

نرخ نامہ حسب ذیل ہے

گولی تمباکو نقرئی فی تولہ ۱۰، ۵، ۶، گولی تمباکو طلائی فی تولہ ۸، گولی تمباکو سادہ بلا ورق فی تولہ (۴)

مقتدا خان اقتدا خان تاجر تمباکو و عطر وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

MORRIS CARS



مارس گاڑی کی خصوصیات

۱- انگلش کار ہے اور اس لئے مضبوطی کے لحاظ سے بے مثل۔

۲- کچی سڑکوں پر بھی نہایت آسانی اور حفاظت کے ساتھ چلتی ہے۔

۳- اس کے سارے پرزے ہندوستان ہی مین ملجاتے ہین۔

۴- قیمت صرف دوہزار سات سو پچاس روپیہ ہے۔

اس سے اونچی قیمت کی گاڑیان بھی ہمارے یہان موجود ہین

ایڈلجی اینڈ کو دی موٹر گیرج نیو سول لائنس۔ لکھنو